شہید آزادی
ایڈیشن
بہاول پور
اشفاق
بہاولپور
محمد عارف قادری عفی عنہ
الحق یعلو ولا یعلیٰ
حق ہمیشہ سربلند رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا
ہفت روزہ
الہام بہاولپور
علامہ فضل حق خیرآبادی نمبر

وہ امامِ فلسفہ وہ نازشِ علم و سخن

از جناب امیر البیان سہروردی

وہ امامِ فلسفہ وہ نازشِ علم و سخن
جس نے زندہ کر دیا تھا قصۂ دار و رسن

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنستا رہا
اللہ اللہ جنگِ آزادی کے حُر کا بانکپن

زندگی اس کی سراپا سوز و سازِ عشق تھی
دانش و حکمت میں حاصل تھا اسے معراجِ فن

دیوِ استبداد اس سے لرزہ براندام تھا
اس کی شمشیرِ نگہ سے کانپتا تھا اہرمن

سامراجی طاقتوں کا توڑ کر زورِ جنوں
اس نے پیدا کی تھی آزادی کی ہر دل میں لگن

اس نے سمجھایا "نہیں ممکن نظیرِ مصطفیٰ"
گونجتا ہے آج تک یہ نعرۂ باطل شکن

کانپ اٹھا اس کے فتووں سے فرنگی سامراج
اس کے نعروں سے ہوئے بیدار شیرانِ وطن

وہ خطیبِ حریت، شعلہ نوا، جوش آفریں
جامعِ دہلی کو گرماتا رہا جس کا سخن

اس کا وہ فرزند[1] فاضل، اس کی سچی یادگار
عاشقِ میرِ عرب، عبدِ خدائے ذوالمنن

ہند میں روشن کیا جس نے چراغِ فلسفہ
پیکرِ علم و ہنر، ظلمت میں شمعِ انجمن

آسمانِ اہلِ سنت کا درخشاں آفتاب
ہند کے ظلمت کدوں پر جو رہا جلوہ فگن

مردِ حر، غازی، مجاہد، حق پرست و فضلِ حق
تھا کتابِ حریت کا بے گماں پہلا ورق

---

[1] علامہ محمد عبد الحق خیرآبادی۔

فون نمبر ۲۳۸۱ رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۵۰

بسلسلہ

علّامہ فضلِ حق خیر آبادی نمبر

ہفت روزہ

اِلہام

بہاولپور

جلد نمبر ۳۵ ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۵ء شمارہ نمبر ۴۰

مدیر:
مسعود حسن شہاب دہلوی

مدیر منتظم
شاہد حسن رضوی

قیمت: بیس روپے (۲۰)

فہرست

۷۸۶

شہید آزادی نمبر

مدت سے ہماری خواہش تھی کہ شہید آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی کے متعلق اہتمام کا ایک جامع نمبر شائع کیا جائے۔ علامہ مرحوم پر جس تحقیقی انداز میں کام کرنے کی ضرورت ہے، اس پر اب تک کوئی قابل قدر کام نہیں ہوا۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔ کہ جس نے جہادِ آزادی کی راہ میں اپنی جان قربان کر دی۔ جرم بغاوت میں جس پر مقدمہ چلا۔ جزیرہ انڈومان میں جس نے عمر قید کاٹی۔ جس سے ایام اسیری میں کمیوں اور مزدوروں کا کام لیا گیا۔ جس کو ٹاٹ کا لباس پہنایا گیا۔ اور جس نے اس حالت میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کے متعلق مخالفین یہ کہتے ہیں۔ کہ وہ کوئی اور فضل حق تھا۔

علامہ فضلِ حق خیرآبادی نہ اسقدر غیر معروف اور بے وسیلہ تھے کہ اُن پر بغاوت کا مقدمہ چلتا۔ اور کوئی انھیں بچانے نہ آتا۔ والیانِ ریاست سے لے کر امراء و وزراء تک سے اُن کے تعلقات تھے، انھیں کالے پانی کی سزا مل جاتی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی یہ آواز نہیں اٹھاتا۔ کہ یہ فضلِ حق نہیں۔ بلکہ جرم بغاوت کے سزاوار کوئی اور فضلِ حق ہیں۔ جن پر مقدمہ چلایا جائے۔

علامہ مرحوم سے مخالفین کا یہ سلوک اس لئے تھا کہ انھوں نے ان کے پیر و مرشد مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کے باطل نظریات کا رد کیا تھا۔ اور وہابی تحریک جس کے یہ علمبردار تھے۔ اسے مسلمانوں کے خلاف قرار دیا تھا۔ افسوس ہے کہ مذہبی اختلافات

نے ان لوگوں کو اسقدر تنگ نظر بنایا کہ انھوں نے جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے میں کوئی تکلف محسوس نہیں کیا۔

ہم نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ علامہ فضل حق خیرآبادی کے کارناموں پر محققانہ نظر ڈالی جائے۔ اور انگریزوں کے خلاف ان کے جہاد کی صحیح تصویر پیش کی جائے۔ تاکہ اس بطل حریت کو تاریخ میں جو مقام ملنا چاہیے تھا۔ اس سے صرف نظر نہ کیا جا سکے۔

ہم ان حضرات کے ممنون ہیں جنھوں نے اس سلسلے میں ہم سے قلمی تعاون کیا۔ خاص طور پر مولانا عبدالستار نیازی ہمارے شکریئے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس سلسلے میں ایک مفصل اور مبسوط مضمون عنایت فرمایا۔

محمد صادق قصوری، مولانا عبدالحکیم شرف قادری اور اسد نظامی کے بھی ممنون ہیں۔ کہ انھوں نے فراہمی مضامین کے سلسلے میں ہماری مدد فرمائی۔

پیغامات

حضرت علامہ شاہ احمد نورانی

صدر ورلڈ اسلامک مشن، پاکستان

میں ہفت روزہ "الہام" بہاولپور
کو صمیم قلب سے بطل حریت مجاہد کبیر
حضرت العلامہ امام فضل حق خیر آبادی
رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃ، پر نمبر شائع کرنے
پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اور

کامیابی کا متمنی ہوں۔ تمام احباب
سے تعاون کی درخواست کرتا ہوں۔

فقیر شاہ احمد نورانی صدیقی مدنی

۷ر شوال ۱۴۰۵ھ

شاہ احمد نورانی صدیقی

جناب مفتی محمد رحیم سکندری
دارالعلوم جامعہ راشدیہ
درگاہ شریف پیر جو گوٹ ضلع خیرپور

امام المتکلمین، قائد حریت

حضرت علامہ مولٰنا فضل حق خیرآبادی بلاشبہ تاریخ اسلام

کی ان عظیم شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کا امت مسلمہ بالخصوص علمائے

اہلسنّت پر عظیم احسان ہے، علم وفن کا میدان ہو، عقیدہ، کلام اور مناظرہ کا محاذ

ہو خواہ حریت اور فرنگی استبداد کے خلاف جہاد کا عمل ہو۔

بلاشبہ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی پوری زندگی

امت مسلّمہ کے لئے روشن مینار کی مانند ہے۔

ہفت روزہ "الہام" کے احباب ہدیہ تبریک و تہنیت کے مستحق

ہیں کہ وہ حضرت علامہ کی متنوع شخصیت کو اجاگر کرکے امت

مسلّمہ کے ذمے قرض اتارنے کی سعی بلیغ فرما رہے ہیں۔

جامعہ راشدیہ درگاہ شریف حضرت پیر صاحب پاگارہ پیر جو گوٹھ

ضلع خیرپور اور اس کے خدام اس موقعہ پر دل کی گہرائیوں سے الہام

کے منتظمین محترمین کو مبارکباد پیش کر رہے ہیں۔

فقیر مفتی محمد رحیم سکندری

ناظم جامعہ راشدیہ

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

31-5-85

جناب قاری رضا المصطفیٰ اعظمی

تحریکِ آزادی کے عظیم قائد شیرِ حق علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ ان نابغۂ روزگار ہستیوں میں ہیں جن کی جلائی ہوئی شمع کی روشنی پر قومیں اپنی تاریخِ زرّیں رقم کیا کرتی ہیں۔ یہ انہیں نفوسِ قدسیہ کے سرخیل ہیں جن کے خون کی تابانی سے ظلم و استبداد کے تاریک بادل چھٹ گئے اور انکی دی ہوئی قربانی کی رنگینیاں آج بھی ظلم و استحصال جور و جفا میں جکڑی ہوئی قوموں کے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے، بلاشبہ علامہ وہ عظیم شخصیت ہیں جو کسی محاذ پر بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے خواہ علم کا فن ہو یا کلام و مناظرہ کا حریت کا ہو فرنگی و طاغوتی طاقتوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنا ہو ؎

جس سمت آ گئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں

اس حقیقت سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے رفقاء کار نے ۱۸۵۷ء پر اپنا خونِ جگر دے کر پھانسی کے تختوں پر چڑھ کر اور کالے پانی کی تکالیف برداشت کر کے تحریکِ پاکستان کی بنیاد رکھی ہفت روزہ الہام اور ان کے ارکان اس بات پر قابل صد تحسین ہیں کہ انہوں نے قلم کے پہروں میں اسلامی حکومت کے اولین معمار برصغیر کی مذہبی و ملی تحریک آزادی کے ہیرو کا نمبر نکال رہے ہیں۔

خدا کرے اشاعت الہام اور زیادہ

رضا المصطفیٰ اعظمی

10-6-85

جناب کوکب نورانی اوکاڑوی

باسمہٖ وبحمدہٖ تعالیٰ

تاریخ سے وابستگی اپنے زندہ ہونے کا احساس ہے، اس حقیقت کا احساس جو اعتبار وافتخار عطا کرتی ہے۔

قیام پاکستان ایک تحریک کا نتیجہ ہے، دینی، قومی اور معاشی تحریک کا نتیجہ جو اسباب وعلل کے ایک تسلسل کے بعد ہی ممکن ہے "تاہم بنیاد کی اہمیت مسلم ہوتی ہے۔ بنیاد نظریہ بھی ہوتی ہے اور محرک بھی اس لحاظ سے پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔

نظریہ ان افراد کے لئے ہوتا ہے جو مملکت میں شامل ہوتے ہیں لیکن ان لوگوں کی حیثیت بھی بنیادی ہوتی ہے جو نظریئے کی پہچان ہو جاتے ہیں حضرت مولانا محمد فضل حق خیر آبادی قدس سرہٗ الہادی کا نام اس اعتبار سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ وہ اس خطے میں اس تحریک کے مؤسسین میں شمار ہوتے ہیں بعض لوگ انقلاب آفریں حیثیت رکھتے ہیں، حضرت مولانا خیر آبادی کی پیدائش ملت اسلامیہ کے لئے بجائے خود ایک انقلاب تھی، ایک عظیم الشان انقلاب کا آغاز، جس نے ایک نصب العین کی شکل اختیار کی وہ وارث علم نبی، کلمۂ حق عند سلطان جابر کے عامل عزیمت کی پرشکوہ مثال تقویٰ وطہارت کے پیکر اور اہل سنن کے سرخیل تھے۔ صدائے حق کی پاداش میں خود کالے پانی کے اندھیروں میں روپوش ہو گئے۔ لیکن ان کا عمل، کردار اور گفتار تابندہ و پائندہ ہو گیا۔

ہفت روزہ "الہام" بہاولپور نے اسلام کے اس بطل جلیل کو یاد میں زندہ کرنے کا جو عزم کیا ہے وہ قابل صد ستائش ہے کیونکہ زندہ لوگوں کے تذکرے زندگی بخش ہوتے ہیں

کاش! میرے والا درجات والد گرامی مجد مسلک اہلسنت خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ القوی ہمارے درمیان آج موجود ہوتے۔ انہیں مولانا خیر آبادی سے ایک نسبت وارادت تھی محفلوں میں اکثر مولانا کی مثال دیتے تھے، کہتے تھے عالم ہو تو ایسا ہو، مجاہد ہو تو ایسا ہو۔

خدا کرے کہ آج ان کی امانتوں کے نگہبان اور وارث ان کے نصب العین کا تحفظ کرتے ہوئے خوابیدہ امت کو بیدار کریں۔

شبیر! کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہٗ

جناب حکیم محمود احمد برکاتی

مجھے یہ معلوم کر کے دلی مسرت ہوئی "الہام" حضرت علامہ فضل حق خیر آبادیؒ کی یاد میں ایک شمارہ خاص شائع کر رہا ہے۔

حضرت علامہؒ کی ذاتِ گرامی ایک جامع کمالات ہستی تھی۔ ایک طرف وہ معقولات کے امام وقت اور بقول بعض فضلاء "معلم رابع" تھے، دوسری طرف وہ سیاستدان کے میدان میں سرگرم جہد و عمل رہے۔ برسوں نہایت انتظامی عہدوں پر داد حکومت دیتے رہے۔ پھر "سن ستاون" کے ہنگامے میں وہ لال قلعے میں بیٹھ کر مجاہدین حریت کی قیادت فرماتے رہے۔ پھر جب محاذ اودھ منتقل ہو گیا۔ تو وہاں بھی افواج کی راہنمائی فرمائی اور بالآخر اسی جرم کی پاداش میں گرفتار ہو کر جزائر انڈمان بھیج دئیے گئے۔

میری دعا ہے کہ یہ شمارہ خاص حضرت علامہ کے شایانِ شان مرتب ہو اور اسے پاک و ہند کے محققین اور قلمکاروں کا تعاون حاصل ہو۔

جناب ابو النصر سید منظور احمد شاہ جامعہ فریدیہ ساہیوال

مولانا فضل حق خیر آبادی نمبر" شائع کرنے پر دل کی گہرائیوں سے ہدیۂ تبریک قبول کریں۔ "الہام" نے جو ملک و ملت کی خدمات انجام دی ہیں وہ عیاں ہیں۔ الہام نے تحریک آزادی کے ممتاز راہنما سیدی مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ نمبر شائع کر کے ملتِ اسلامیہ پر عظیم احسان کیا ہے ملت کی اس خدمت پر یقیناً" حضرت مولانا فضل حق علیہ الرحمۃ کی روح مقدس خوش ہو گئی ہے۔ آپ کی خدمات شرف قبولیت سے نوازی جائیں۔

علمائے اہلسنت کے پیغامات

الہام کے شہید آزادی ایڈیشن کے لئے بہت سے علمائے اہلسنت نے پیغامات بھجوائے ہیں۔ جن میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے مناقب بیان کرنے کے علاوہ الہام کی اس کاوش کو بھی سراہا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اپنی تنگ دامنی کی وجہ سے یہ خطوط مکمل شائع نہیں کئے جا سکتے۔ یہاں صرف چند خطوط کے اقتباسات درج کئے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

● حکیم اہلسنت، مرکزی مجلس رضا کے بانی جناب محترم حکیم محمد موسیٰ تحریر فرماتے ہیں:-
شہید آزادی علامہ فضل حق خیر آبادیؒ پر ہفت روزہ الہام کا خصوصی نمبر تاریخ تحریک استخلاص پاک و ہند اور تحریک پاکستان کے سلسلے میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اس نادر و اہم پیشکش پر میں ادارہ الہام بالخصوص سید مسعود حسن شہاب دہلوی مدظلہٗ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔
محمد موسیٰ عفی عنہ

● دار العلوم قادریہ رضویہ ملیر سعود آباد کراچی کے صدر مدرس مفتی ابو الظفر غلام یسین تحریر فرماتے ہیں: یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ ہفت روزہ الہام نے نشانِ حریت و علم و فضل علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ نمبر کا اہتمام کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کی مسلم امہ پر حضرت علامہ موصوف کا قرض ہے۔ جسے تاہنوز ادا نہیں کیا گیا۔ اہلِ دیوبند نے بالخصوص اور دیگر عقائد باطلہ کے حاملین نے بالعموم اس محسن و شفیق، جری و بہادر شخصیت کے کارہائے زریں کو چھپا کر بڑی زیادتی کی ہے۔

علامہ موصوف نے یوں تو بڑے بے شمار تدریسی و تعلیمی خدمات انجام دی ہیں۔ جو اہلِ

علم پر مخفی نہیں ہے۔ لیکن اہلِ دیوبند کے باطل عقائد کے رد میں مشہور زمانہ اور ناقابل تردید کتاب امتناع النظیر لکھ کر مسلم اُمّہ کو گمراہیوں سے محفوظ فرمایا۔ ذالک فضل اللہ یعطیہ من یشاء۔ والسلام۔ مفتی ابو النظر غلام یٰسین۔

• دار العلوم امجدیہ عالمگیر روڈ کراچی کے مولانا محمد ظفر نعمانی فرماتے ہیں:۔

علامہ فضل حق خیر آبادی دنیائے سنیت کے سالار اول ہیں۔ اور انگریزوں کے خلاف جہاد میں صفِ اول کے رہنما ہیں۔ آپ نے سب سے پہلا رسالہ اخراج الوہابین من المساجد لکھ کر وہابیت کا پردہ چاک کیا۔ آپ نے اور آپ کے خاندان نے فلسفہ و منطق کی وہ خدمات انجام دی ہیں، جو تاریخ کا لازوال جزو ہیں۔ آپ کی شخصیت پر کما حقہٗ اس سے قبل کام نہیں ہوا۔ ہفت روزہ "الہام" کی یہ کاوش دیگر رسائل کے لئے باعث تقلید ہوگی۔ اور تحریک آزادی و علامہ خیر آبادی پر کام کرنے والے افراد کے لئے بنیادی حیثیت کی حامل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اس سعی جمیل کو کامیاب فرمائے۔ محمد ظفر ملتانی

• مولانا حافظ غلام محمد السالوی ناظم اعلیٰ شمس العلوم۔ کراچی

مسلکِ اہلسنت وجماعت کے ترجمان ہفت روزہ "الہام" بہاولپور کو مجاہدِ ملت ہطلِ حریت علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ ایڈیشن شائع کرنے پر صدق دل سے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ اسی طرح دیگر اسلاف اہلِ سنت کے کارناموں و شخصیات سے بھی عوام اہلسنت کو روشناس کراتے رہیں گے۔ ابو الظفر غلام محمد عفی عنہ

•

بات کیا ہے بادِ صبا! اتنی کیوں معطر ہے
سبز سبز گنبد کو چوم کے چلی ہوگی

مولانا محمد الیاس قادری (امیر دعوت اسلامی)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

قوم اپنے اسلاف کے کارناموں سے آشنا ہو کر اپنے اندر نیا عزم و ولولہ پیدا کیا کرتی ہے۔ ان اسلاف کے کارناموں سے واقفیت کے ذرائع ہمارے جیّد رسائل ہیں۔ ان میں سے ایک مؤقر رسالہ ہفت روزہ الہام بھی ہے۔ جو اکابرین کو روشناس کرانے کی سعی کرتا رہتا ہے۔ الہام کو حضرت علامہ فضل حق خیرآبادیؒ کی یاد میں خصوصی نمبر شائع کرنے پر ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہوئے دعاگو ہوں کہ اللہ عزوجل ہر قاری اور ہر اسلامی بھائی کو حضرت علامہ رحؒ کے فیوض و برکات سے متمتع فرمائے۔ آمین۔ (محمد الیاس قادریؒ)

● کراچی میونسپل کمیٹی کے کونسلر، ممتاز سماجی کارکن محمد صدیق راٹھور ایڈوکیٹ

میں دل کی گہرائیوں سے ہفت روزہ "الہام" بہاولپور کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ جنھوں نے تحریک آزادی کے ہیرو و بطل حریت علامہ فضل حق خیرآبادیؒ امام اہلسنت نمبر شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ حضرت علامہ نے سب سے پہلے انگریز کے خلاف فتویٰ جہاد صادر فرمایا۔ اور سزا کے طور پر آپ کو جزیرہ انڈمان میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ اور جیل میں ہی جام شہادت نوش کیا۔ مگر افسوس کہ مؤرخین نے حضرت علامہ کے ساتھ زیادتی کی۔ اور آپ کے کارنامے نمایاں طور پر منظر عام پر نہ آسکے، اور آپ کو عوام الناس کے سامنے وہ مقام نہ مل سکا جس کے آپ مستحق تھے

● جناب محمد فاروق احمد القادری مرکزی علوم القرآن کراچی۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

بطل حریت آبروئے ملت حضرت علامہ مولانا فضل حق خیرآبادی قدس سرہٗ العزیز ان پاک ہستیوں میں شامل ہیں جن کے متعلق کلام اللہ یوں ناطق ہوا ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (آلایہ)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن کے نقش قدم پر چلنے اور رہنے کی توفیق بخشے آمین۔

● حضرت سید احمد اشرف الاشرفی الجیلانی سجادہ نشین درگاہ عالیہ اشرفیہ اشرف آباد۔ کراچی ۱۲

حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کا نام اہلسنت کے ان اکابرین میں سرفہرست ہے جنھوں نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کیا۔ انھوں نے اپنی دن رات کی کوششوں سے آزادی کی اس تحریک کو ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا کہ آزادی مسلمانوں کا مقدر بن گئی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اکابرین اہلسنت کے کارناموں کو سامنے لایا جائے۔ تاکہ عوام الناس کو پتہ چلے۔ کہ پاکستان کو بنانے میں علماء اہلسنت نے کتنا اہم کردار ادا کیا اور اس کے لئے کیسی عظیم قربانیاں پیش کیں جن کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا۔

● مولانا محمد وسایا الخطیب صدر جماعت اہلسنت کراچی

تحریک آزادی کے ہیرو، بطل حریت علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے وہ امام ہیں جنھوں نے سب سے پہلے انگریز کے خلاف فتویٰ جہاد صادر فرمایا۔ اور اس کی پاداش میں جزیرہ انڈمان میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے جیل ہی میں جام شہادت نوش فرمایا۔ مگر افسوس کہ مورخین نے آپ کے ساتھ ناانصافی برتی۔ اور انگریز کے ایماء پر مرتب ہونے والی تاریخ میں آپ کو صحیح مقام نہیں دیا گیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام کو آپ کے کارہائے نمایاں سے روشناس کرایا جائے۔

● مولانا ابو العیض علی محمد نوری جامعہ نوریہ فیض العلوم دہاڑی

حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ ایسی شخصیت کے مجاہدانہ کارناموں کی برکت سے آج بھی مسلک حقہ دین اسلام

زندہ و تابندہ ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ فروغ اسلام اور مسلکِ حق کی اشاعت میں گذرا۔ ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کے مجاہدین میں آپ کا نام نامی سرِفہرست آتا ہے آپ کے حالاتِ زندگی سے قوم بالخصوص نئی نسل کو آشنا کرنے کے لئے ہفت روزہ "الہام" کا یہ نمبر قابلِ صد تحسین و ستائش ہے۔

● مولانا محمد یوسف نعیمی ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت کراچی

شہیدِ جنگِ آزادی حضرت علامہ مولانا فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ اسلام و اسلامیانِ پاک و ہند کی ان نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے ہیں۔ جن کے کارہائے نمایاں ہر آنے والی نسل کے لئے خصوصاً روشنی کا مینار ہیں۔

● جناب محمد ایوب نادری ایڈووکیٹ۔ حیدرآباد

آزادئ ہند کے لئے اور انگریزوں کی غلامی سے قوم کو نجات دلانے کے لئے حضرت علامہ فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں تاریخ ہند کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ اور مسلمان قوم میں جو بھی آزادی کا دلدادہ ہے وہ آپ کی پیروی کرے تو تاریخ کے اوراق سادگی اور رنگینی سے پُر رہیں گے۔

● سید جلال الدین کاظمی قمر العلوم فریدیہ رضویہ۔ کراچی

حضرت علامہ فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ صدی کی عظیم شخصیات کے سرخیل تھے۔ جہاں اپنے علم و فن کی خدمت کی، وہاں آپنے عمل کے سنہری نقوش بھی رقم کئے۔ داستانِ حریت کا وہ نادر اور محیر العقول کارنامہ انجام دیا۔ جسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔

● مہتمم دار العلوم رضویہ حنفیہ ساہی وال

الہام کی اشاعت مخصوصہ میں ملت کے نامور سپوت جرأت واستقامت

کے جبلِ عظیم، معدنِ حق و صداقت کے محرم مجاہدِ تحریکِ آزادی سیدنا علامہ فضلِ حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ کے پیغام سے ملت کے نوجوانوں کو روشناس کرانا قابلِ صد تحسین ہے۔

● قاری عبدالباقی خطیب جامع مسجد غوثیہ۔ بنارس چوک کراچی
بلاشبہ مولانا کا اُن عظیم ہستیوں میں شمار ہوتا ہے۔ جن کا امتِ مسلمہ اور بالخصوص اہلِ سنت و جماعت پر عظیم احسان ہے۔ آپ نے جس ہمت اور دلیری سے جہاد کیا وہ پوری اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک روشن مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔

● ناظمِ اعلیٰ قاضی محمد ذی فیض النصیر قادری عفی عنہ
ہفت روزہ الہام نے اہلسنت کی ایک دیرینہ خواہش کو پورا کیا۔ موجودہ دور کی سب سے اہم ضرورت یہ تھی کہ مورخین کی وہ زیادتیاں جو انھوں نے علمار اہلسنت کے ساتھ بالعموم اور علامہ خیرآبادی کے ساتھ بالخصوص روا رکھیں اور حقائق کو مسخ کرتے ہوئے اندھیر نگری سے کام لیا تھا۔ اُن کا رد کیا جائے۔ اور اصل حقائق سے نئی نسل کو آگاہ کیا جائے۔ ہفت روزہ "الہام" کی یہ حسین کاوش اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

● مولانا عبدالعلیم قادری دارالعلوم قادریہ سبحانیہ
بطلِ حریت علامہ فضلِ خیرآبادی کی شخصیت سے کون واقف نہیں۔ سرزمین ہند میں انگریزوں کے خلاف سب سے قبل آپ نے ہی علم جہاد بلند کیا۔ مردِ مجاہد و غازی و مردِ حق علامہ فضلِ حق ہی نے انگریز کے خلاف مسلمانوں کو منظم کر کے سلطنتِ برطانیہ کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ انہی بزرگوں کی محنتیں ہیں کہ آج پاکستان کا مسلمان چین کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے۔

• جناب ابو طاہر محمد عجیب قادری مدرس جامعہ شیخ الاسلام۔ جھنگ

مزید براں مجاہد تحریک آزادی مجاہد علی الاطلاق حضرت مولانا علامہ فضل حق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اظہار کیا بسفت "الہام" کی اس اشاعت خصوصی سے اہلسنت کے اکابرین میں سے اہلسنت کے اکابرین میں سے ایک ممتاز شخصیت کا تعارف منصۂ شہود پر آئے گا۔ جس سے مسخ شدہ تاریخ کا پردہ چاک ہو کر اصلی شہید آزادی کا امتیاز ہوگا۔ آپ کی سعیٔ جمیلہ سے عالم اسلام کو فیض ملا ہے۔ ہر مسلمان کا حق ہے۔ کہ اپنے محسن سے تعارف حاصل کرے اُن کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرے۔

• جناب محمد اکرم رضوی مہتمم مدرسہ حنفیہ رضویہ اکرم العلوم کامونکی۔ گوجرانوالہ

یہ بات سُن کر بہت زیادہ خوشی محسوس ہوئی کہ آپ شہید جنگ آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی نمبر شائع فرما رہے ہیں۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم کے صدقے اس پرچہ کو مسلک حق اہلسنت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

• ماسٹر اللہ دتہ رضوی سیکرٹری مدرسہ عربیہ حنفیہ غوث الاسلام جھنگ

تاریخ اسلام جانثاران ملت اہلسنت کے کارناموں سے بھرپور ہے حضرت علامہ خیر آبادی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ ایک زندہ درخشندہ مینار ہے جس کے اہلِ ذوق لوگ اپنے روحوں کو عشقِ رسول سے فیضیاب کر سکتے ہیں۔ حضرت مولانا ۱۸۵۷ء کی جنگ تحریک آزادی میں ہراول دستے کی طرح اسلام کی صفوں میں نظر آتے ہیں۔ الہام کا یہ اقدام قابل ستائش ہے۔ تاکہ نئی قوم اپنے محسن کی دینی اور ملی خدمات سے آگاہ ہو سکیں۔

• مولانا سعید احمد دار العلوم غوثیہ رضویہ سعیدیہ۔ حیدر آباد

یہ سُن کر از حد خوشی محسوس ہوئی کہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ہفت روزہ "الہام" بہاولپور کا خصوصی

ایڈیشن شائع ہو رہا ہے۔ اس کے ذریعہ سے حضرت مولانا موصوف
کی آزادی کے کارنامے اور خدمت دینی حصہ اہلسنت و جماعت کے
صحیح وقعات سے موجودہ نسل مطلع کیا جائے۔ یقینی بات ہے کہ
یہ اس دور میں ایک اہم کارنامہ ہے۔ جس کی دنیا کو اشد
ضرورت تھی اسی لئے تمام اہلسنت حضرات سے اپیل ہے کہ رسالہ
الہام کی اشاعت میں ہر قسم کا تعاون فرمائیں۔

شہیدِ آزادی

فضلِ حق! عکس مجدد الف ثانی کیطرح
کارزارِ زیست میں حق کی نشانی کی طرح

"ماہ کامل" کی طرح آیا اُبھر کر" سامنے
جنگِ آزادی کا پرچم دستِ حق سے تھامنے

"فضلِ حق" ہے وہ شہید رستخیز حریت
اس کا فتویٰ! مستقل اک دستاویز حریت

عزمِ فاروقی تھا اس کے شعلہ آواز میں
ضربِ الاّ اللہ کا تھا سوز اس کے ساز میں

نظم الاوقات جہاں وہ خطیب وقت ہے
وہ شہید زندگی ہے! وہ حبیب وقت ہے

فضلِ حق وہ عالمِ دیں عاملِ قرآن ہے
اُس کا کردار! اسوۂ شبیر کی میزان ہے

وہ امامِ عشق ہے! وہ منبرِ محرابِ حق
شمع حریت کا وہ پروانۂ بیتابِ حق

اس کے دل کے کوزے میں تھا ایک طوفانِ حیات
ظلمتِ شب میں شعاعِ بامداوانِ حیات

کربلاءِ ہند میں وہ سید الاحرارِ حق!
کاروانِ حریت کا قافلہ سالارِ حق

وہ شہید جنگِ آزادی! علمبردارِ حق
"فضلِ حق" کا نام ہے اک مستقل کردارِ حق.

"شیخ" الاسلام اب بھی ہے وہ مرشدِ صاحبدلاں
وہ مجاہد کی زباں" ہے "وہ شہادت کی اذاں"

شمع آزادی میں ایماں کی حرارت کی طرح
زندہ و پائندہ ہے حق کی علامت" کی طرح

اس کے فتوے اس کی جرأت اسکی عظمت کو سلام
اس کی قید و بند کو! اُس کی شہادت کو سلام

اُس کا اعلانِ جہادِ عام! باطل کے خلاف
کِسقدر دو ٹوک تھا اور کسقدر تھا واشگاف

جنگِ آزادی کے قالب میں جراتی آگئی
بجلیوں کی اک لپک سی ہر طرف لہرا گئی

اُس کے اس فتوے سے بدکردار ننگے ہو گئے
سب منافق اور سب غدار ننگے ہو گئے

نا مسلمانوں کی سازش! وہ "فرنگی دوستی"
اور مسلمانوں سے تھی اُن کی دو رنگی دوستی

کاش! کچھ عالم نہ دیتے ساتھ اگر انگریز کا
ہند میں ہوتا علم اونچا نہ سر انگریز کا!

اِک طرف تھی فضلِ حقؒ کی حق کے نقارے پہ چوٹ
ہو رہی تھیں جس سے آزادی پہ اعلان آزادی پہ لوٹ

دوسری جانب ہوا خواہِ فرنگی! دل میں کھوٹ
کون تھے؟ سوچو ذرا! وہ شہدائے بالاکوٹ"

وہ فرنگی پیشوائی کے لئے تھے محوِ جنگ
دینِ حق کی جگ ہنسائی کیلئے تھے محوِ جنگ

اُف! یہ "تاریخی غلط بخشی! حقائق سے فرار!
یا اُولی الابصار! وہ "انگریز کے آلۂ کار"!

★ ★ ★

وہ مجاہد! وہ سپہ سالارِ حق! وہ بخت خاںؒ
فضلِ حقؒ کی داستاں میں ہے وہ جزوِ داستاں

فضلِ حق کی صف کے دیگر عالمانِ با خدا
وہ کفن بر دوش غازی! وہ شہیدانِ وفا!

فضلِ حق کے سارے ساتھی تھے "فنا بالحق فنا"
رہگذارِ زیست پر انمٹ ہیں ان کے نقشِ پا!

حق کے آگے جھکنے والے وہ کہیں جھکتے نہیں
گامزن راہِ وفا میں ہو کے، وہ رُکتے نہیں

جیش فضلِ حقؒ کی روحوں کو سلامِ زندگی
اُن کی مرگِ حق پہ ہے قرباں دوامِ زندگی

(مذاق العیشی فیروزپوری)

پبلشر: شہاب دہلوی۔ مطبع:۔ گرد یزی پرنٹنگ پریس بہاولپور
مقامِ اشاعت:۔ ماڈل ٹاؤن اے بہاولپور۔ زرِ سالانہ ۵۰ روپے۔ بیرونِ ملک ۱۰۰ روپے

شہیدِ آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی قدس سرہٗ

وہ کتابِ حریت کا ایک عنوان جلی — ڈال دی جس نے فرنگی سلطنت میں کھلبلی

اور دُر کا مینار اس کا ہر تدبر ہر عمل — نغمہ زن اُس کی امامت کی چمن کی ہر کلی

قائدِ تحریکِ آزادی ہے تنہا بالیقیں — روحِ آزادی ہے اسکی گود میں پرورش پلی

جب پڑی افتاد ملت پر غیور قوم نے — پاؤں کی ٹھوکر پہ رکھ دی نوکری اچھی بھلی

ظلم و استبداد اس سے لرزہ براندام تھے — جبر کی ہر ایک آندھی اس کی کاوش سے ٹلی

جان پر اپنی جو کھیلا موت سے ٹکرا گیا — سر کٹانے کی روایت اس سے تازہ ہو چلی

فتویٰ جب آزادئ ملت کا اس نے لکھ دیا — ہو گئی حد سے سوا امراضِ حُر کی بے کلی

کالا پانی میں بھی جاری محفلیں علمی رہیں — چین سے بیٹھے کہاں اس کی طبیعت من چلی

داد دیتے تھے سخن کی اس سے مومن اور منیر — شاعری غالب کی اسکی رائے سے پھولی پھلی

اس کی تحریروں سے بادل چھٹ گئے تنقیص کے — گمرہوں کی ہر تمنا خاک میں اُس نے ملی

آج بھی اس کے لہو سے یہ چمن سیراب ہے — اس کی ممنونِ کرم ہندوستاں کی ہر گلی

خاکِ خیرآباد تیری عظمتوں کے ہیں نشاں — تیرے دامن میں ہے پوشیدہ جواہر کی ڈلی

آج بھی مہجور اس کا فلسفہ تابندہ ہے
آج بھی منطق ہے لاگو اس کے سانچے کی ڈھلی

(سید عارف مہجور رضوی)

سر سید احمد خاں

مولانا مخدوم مولوی فضلِ حق

مستجمع کمالاتِ صوری و معنوی، جامع فضائلِ ظاہری و باطنی، بنا بنای فضل و افضال
بہار آرائی چمنستانِ کمال، متکی ارایک اصابت رائے مسند نشین دیوان افکار رسائی، صاحبِ
خلق محمدی مورد سعادتِ ازلی و ابدی حاکم محاکم مناظرات فرماں روائی کشور محاکمات
عکس آئینہ صافی ضمیری ثالث اثنین بدیعی و حریری المعی دقت و لوذعی آوان فرزدق
عہد لبید دوراں۔ مبطل باطل و محقق حق مولانا محمد فضل حق۔ یہ حضرت خلف الرشید ہیں۔
جناب مستطاب مولانا فضل امام غفر اللہ لہ المنعم کے اور تحصیل علوم اور نقلیہ کی اپنے
والد ماجد کی خدمت بابرکت سے کی ہے۔ زبانِ قلم نے ان کے کمالات پر نظر کر کے فخر
خاندان لکھا ہے۔ اور فکرِ دقیق نے جب سرکار کو دریافت کیا فخرِ جہاں پایا۔ جمیع علوم و
فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کی فکرِ عالی نے بنا ڈالی ہے
علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے۔ کہ اس سرگروہ اہلِ کمال کے حضور میں بساطِ
مناظرہ آراستہ کر سکیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ خود کو یگانۂ فن سمجھتے تھے۔ جب اُن کی زبان
سے ایک حرف سُنا تو دعوئ کمال کو فراموش کر کے نسبتِ شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔ بہ ایں ہمہ
کمالات علم و ادب میں ایسا عَلَمِ سرفرازی بلند کیا ہے۔ کہ فصاحت کے واسطے ان کی عبارت
شُستہ محضر عروج معارج ہے۔ اور بلاغت کے واسطے اُن کی طبع رسا دست آویز
بلندیٔ مدارج ہے۔ سحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایۂ خوش بیانی اور امراء القیس کو اُن
کے افکار بلند سے دستگاہِ عروج معانی۔ الفاظ پاکیزہ ان کے اشکِ گوہر خوش آب اور
معانیٔ رنگین ان کے غیرت لعل ناب۔ سرو اُن کی سطور عبارت کے آگے پا بہ گل اور
گُل ان کی عبارتِ رنگیں کے سامنے خجل، نرگس اگر اُن کے سواد سے نگاہ کو ملا دیتی۔
مصحف گل کے پڑھنے سے عاجز نہ رہتی۔ اور سوسن اگر ان کی عبارت فصیح سے زبان کو
آشنا کرتی۔ صفتِ گویائی سے عاری نہ ہوتی۔ دل متردد ہے۔ کہ اگر اِن اوصافِ نامحصور
کا شمار بھی ہو سکا تو ظرف تنگ سخن میں کیونکر گنجائش ہو گی۔ اور بالغرض اگر حوصلہ سخن
بھی سمایا قلم فرسودہ زبان آشنا طی لسان اور کاغذ بے چارہ اسقدر وسعت کہاں سے لاوے

اور علاوہ اس کے اندیشہ اپنی جان پر لرزاں ہے کہ اس سرخیل سرکردگانِ روزگار کے اوصافِ جمیلہ میں مثلاً بلندیٔ شان کے مدح کے درپے ہو تو بالضرور تلاشِ معنی بلند میں منتہائے عالمِ بالا کی طرف صعود کرنا چاہیئے۔ اگر خدانخواستہ ایسے مقام سے پاؤں رپٹا تو گرکر جس جگہ گرے گا۔ وہ بھی معنی بلند ہی ہوگا۔ لیکن ازبسکہ اس سے اس تک ہزار سالہ راہ بالا ہے۔ اس بیچارگیٔ پاؤں سر کی خیریت کا ٹھکانا نہیں لگتا۔ ناگزیر "تفکّہ" کو اس وادی بے منتہا سے پھیر کر کچھ حال سعادت اشتمال لکھا ہوں۔ مولود میمنت آمود آپ کا ۱۲۱۱ھ ہجری میں ہوا ہے۔ سبحان اللہ وہ کیا زمانہ سعید اور وقت حمید تھا کہ ایسے طالع پر عطارد کو غیرت ہے۔ اور اس کی سعادت پر مشتری کو حسرت۔ اب سن شریف آپ کا باون تک پہنچا۔ گو طبیعت کو ویسی ہی رسائی اور ذہن کو ویسی ہی ترقی ہے۔ اس ترقیاتِ روز افزوں کے ساتھ یہ آرزو ہے کہ ایسے صاحب کمال کے خزانۂ عمر میں بھی ترقی روزبہ عطا ہو۔ آمین، رب العالمین۔ (مقالاتِ سرسید حصہ شانزدہم)

شاہ محی الدین فاروقی

۱۸۵۷ء کے ایک
نامور مجاہد

۱۸۵۷ء کی جدو جہد میں شریک ہونیوالوں میں سپاہی بھی تھے اور عالم بھی۔ سپاہیوں نے اپنی تلواروں سے جہاد کیا اور علماء نے اپنے علم کو غلامی سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا افسوس یہ ہے کہ غیر ملکی اقتدار نے اُن کے کارناموں کو ایسا مسخ کیا ہے کہ اب انھیں صحیح رنگ، روپ میں پیش کرنا ایک بڑا مشکل مسئلہ بن گیا ہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی بھی جن کا علم وفضل آج بھی ضرب المثل ہے۔ جنگِ آزادی میں اسی نوعیت سے شریک تھے جیسے دوسرے ممتاز اکابر۔

علامہ فضل حق ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں مشہور قصبہ خیر آباد میں پیدا ہوئے آپ کے والد مولانا فضل امام اپنے زمانے کے ایک متبحر عالم اور دہلی کے صدر الصدور تھے۔ تینتیس ۳۳ واسطوں سے علامہ فضل حق کا سلسلۂ نسب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ملتا ہے۔ علامہ فضل حق کا بچپن بڑے ناز و نعم میں گذرا - وجاہت دینی و دنیوی دونوں ہی اللہ تعالےٰ نے دے رکھا تھا۔ لیکن دولت و امارت کی اس افراط کے باوجود علامہ بچپن ہی سے تعلیم حاصل کرنے کی طرف مائل رہے۔ ذہنِ رسا اور خاندانی ماحول نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اور تیرہ سال کی عمر میں علوم دینی و دنیوی سے فراغت حاصل کر لی۔ چار مہینے میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ معقولات کی تعلیم اپنے والد علامہ فضل امام سے حاصل کی۔ اور منقولات میں حضرت شاہ عبد القادر اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث سے کسبِ علم کیا۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ باپ نے تربیت کا بھی ابتدا سے خیال رکھا۔ کم عمری کے باوجود علامہ فضل حق ان طلبہ کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ جو اُن کے والد سے تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ ایک دن ان کا واسطہ ایک کند ذہن، غریب، بدصورت اور معمر طالب علم سے پڑ گیا۔ اس کی کند ذہنی سے جھنجھلا کر کتاب پھینک دی۔ اور پڑھانے سے انکار کر دیا۔ باپ کو خبر ملی۔ انھوں

نے بلایا اور ایک تھپڑ ایسے زور سے مارا کہ اُن کی دستار سر سے گر گئی اور آئندہ کے لئے تنبیہہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر علامہ فضل حق نے طلبار سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔

باپ کے مرنے کے بعد علامہ فضل حق پر جن کی عمر ۲۸ سال کی ہو چکی تھی۔ گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ پڑ گیا۔ جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انھوں نے ملازمت اختیار کرلی۔ دہلی میں سرشتہ دار عدالت کی حیثیت سے اُن کا تقرر ہوا۔ اور پھر لکھنؤ کے صدر الصدور بنا کر بھیجے گئے۔ لیکن انگریزی ملازمت کو طبع کے خلاف پاکر استعفیٰ دے دیا۔ اور نواب فیض محمد خاں والئ جھجر کی ملازمت اختیار کرلی۔ اس کے بعد کچھ دنوں مہاراجہ الور اور نواب ٹونک کے پاس رہنے کے بعد رامپور چلے گئے، جہاں نواب یوسف علی خاں والئ رامپور نے انھیں استاد بنایا اور محکمہ نظامت اور رافعہ عدالتوں سے منسلک ہو گئے۔ نواب کلب علی خاں کو بھی شرف تلمذ حاصل ہوا۔ انھیں کے ایماء اور تعارف سے مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کا تعلق رامپور سے قائم ہوا۔ علامہ کے تعلقات غالبؔ سے بہت گہرے اور مخلصانہ تھے۔ علامہ ہی کے ایماء سے غالبؔ نے سہل انگاری کی ابتدا کی۔ غالب کے علاوہ ان کے تعلقات امام بخش صہبائی، مومن، مفتی صدرالدین آزردہ، اور ذوقؔ وغیرہم سے رہے۔ اور خود ولیعہد سلطنت مرزا ابوظفر بہادر شاہ ظفر سے اُن کے دوستانہ تعلقات تھے۔ غالبؔ سے اُن کی کافی خط و کتابت رہی۔ جس میں ہمیشہ وہ انھیں دوستانہ صلاح مشورہ دیا کرتے تھے۔

دہلی کے دورانِ قیام مولانا فضل حق اور مفتی صدرالدین خاں آزردہ کے مکانات شعراء اور علماء کی نشستگاہ تھے۔ جہاں دہلی کے تقریباً قابلِ ذکر حضرات تشریف لاتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے قوم کے مطابق والد مرحوم (مولانا خیرالدین دہلوی) شب کی نشستوں میں جب کبھی اس عہد کا ذکر کرتے تو بار بار شعر پڑھتے اور آبدیدہ ہو جاتے تھے

تمتع من شمیم عرار نجد

فما بعد العشیۃ من عرار (غالبؔ از مہر)

ترجمہ:۔ عرار نجد (زرد رنگ کا خوشبودار پھول جس کی مدتِ حیات صرف ایک شب ہے) سے جی بھر کے فائدہ اٹھالے۔ کیونکہ اس شب کے بعد اس کا ملنا ناممکن ہے

اپنے ہمعصر علما کی روایت کے خلاف مولانا فضل حق خیرآبادی کو سخن فہمی اور سخن گوئی میں خاصا ملکہ حاصل تھا۔ عربی اور فارسی میں اشعار کہتے تھے۔ فارسی میں فرقتی تخلص

کرتے تھے۔ عربی زبان میں پچاسوں قصیدے کہے جن میں زیادہ حصہ نعت کا ہے۔ نثر نگاری بھی ادب کے ہر صنف پر انھیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ عیش و عشرت ہو، یا رنج و غم، شادی و مسرت ہو یا حزن و الم، تبریک و تہنیت یا عیادت و تعزیت جس موقعہ پر جو کچھ لکھا انھیں ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

ایک درجن سے زیادہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں کچھ داخل نصاب بھی ہیں۔

مولانا فضل حق نے اس عہد میں آنکھ کھولی جو طرح طرح کے سیاسی فتنوں سے بھرا ہُوا تھا، مسلمانوں میں طرح طرح کی جہالت کارفرما تھی۔ سلطنت سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ چکے تھے۔ اور انگریزوں کے قدم روز بروز مضبوط ہوتے جا رہے تھے۔ بادشاہ سے لے کر عام آدمی تک غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ شمع بجھنے کے لئے بار بار بھڑک رہی تھی۔ لیکن عیش و عشرت کا بازار اسقدر گرم ہو چکا تھا۔ کہ کسی کو ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں تھی۔ بعض مقتدر ہستیاں تھیں جو چیخ چیخ کر سونے والوں کو جگا رہی تھیں۔ ان قابلِ قدر ہستی مولانا مولانا فضلِ حق خیرآبادی کی تھی۔

انگریزوں کا ظلم روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی انگریزوں کی حکومت کے خلاف فتوٰی دے کر ہندوستان کو دارالحرب قرار دے چکے تھے۔ ۱۸۴۸ء میں جب علامہ لکھنؤ میں صدر الصدور تھے۔ ہنومان گڑھی (متصل اجودھیا فیض آباد) کی مسجد کا خونی حادثہ پیش آیا۔ جس میں اجودھیا کے چند مہنتوں نے مسلمانوں کو اس مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ ہنگامہ ہوا اور لکھنؤ کی "اسلامی" سلطنت نے انگریزوں سے ملکر خود مسلمانوں کو تُرپ کا نشانہ بنایا۔ جس کا انتقام قدرت نے تین مہینے کے اندر اندر ضبطیٔ سلطنت کی صورت میں لے لیا۔

ہنومان گڑھی کے اس خونیں واقعہ نے علامہ کے ذہن و دماغ پر برا اثر کیا۔ اس درمیان میں انگریزی مشنریوں نے کھلم کھلا تبلیغ عیسائیت کر کے معاملہ کو اور نازک بنا دیا۔ کلکتہ کے پادری نے تو یہاں تک جسارت کی کہ تمام دیسی افسروں کو گشتی مراسلہ بھیج کر عیسائی بننے کی ہدایت کی۔ ان سب واقعات نے دوسرے حساس مسلمانوں کے ساتھ ساتھ علامہ فضل حق کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اور انھیں واقعات سے متاثر ہو کر ۱۸۵۶ء میں وہ لکھنؤ چھوڑ کر

الور چلے گئے۔ اسی اثنا میں دہلی اور اطراف دہلی میں آزادی کی لہر اُٹھی بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) نے تمام راجاؤں اور نوابوں سے امداد مانگی۔ علامہ نے مہاراجہ الور سے گفتگو کی۔ مگر جب وہ آمادہ نہ ہُوا تو وہاں سے دہلی روانہ ہوئے۔ راستہ میں زمینداروں کو آزادی کی تلقین کرتے رہے۔ اسی اثنا میں کارتوسوں کی چربی کا تاریخی واقعہ پیش آگیا۔ اور انگریزوں کے خلاف کھُل کر جنگ شروع ہوگئی۔ دہلی میں خود بادشاہ تمام سرگرمیوں کے مرکز اعلیٰ تھے اور اُن کے اس وقت کے مشیروں میں علامہ فضل حق خیر آبادی ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اطلاعیں فراہم کرتے، مشورے دیتے۔ اور جنگ سے متعلق دیگر کاموں میں حصہ لیتے۔ مشہور کماندار جنرل بخت خاں بھی اُن سے مشورہ لیتے۔ اور آخر ایک روز جنرل بخت خاں سے گفتگو کرنے کے بعد انھوں نے جامع مسجد دہلی میں ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ اور علماء کے سامنے انگریزوں کے خلاف استفتاء پیش کیا۔ جس پر تمام قابلِ ذکر علماء نے دستخط کئے۔ اس فتویٰ نے آگ اور بڑھادی اور مجاہدین کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا۔

آخر کار یہ جنگ ناکامی کے ساتھ ختم ہوگئی۔ اور پھر انگریزوں نے انتقامی کاروائی کے طور پر ظلم و بربریت کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ انسانیت قاصر ہے ہزاروں آدمیوں کو پھانسی دی گئی۔ اور ہزاروں کی جائیداد اور املاک ضبط کرلی گئیں۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کو بھی باغی قرار دیا گیا۔ اور اس فتوے کے جرم میں اُن پر لکھنؤ میں مقدمہ چلایا گیا۔

اس مقدمہ کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ جج مولانا کی صدر الصدور کے عہد میں اُن سے کچھ کام سیکھ چکا تھا۔ اسے اُن سے ہمدردی تھی۔ جیوری میں ان کے مویدین موجود تھے۔ انھوں نے وکیل سرکار کے مقابلہ میں اپنے مقدمہ کی خود پیروی کی اور اپنی فاضلانہ تقریر سے انھوں نے الزامات اور وکیل سرکار کی الزامی تقریر کا تار پود بکھیر دیا۔ مقدمہ کی یہ حالت اور خود عدالت کا یہ رجحان دیکھ کر استغاثہ کا اصل گواہ بھی پھر گیا۔ اور اُس نے بیان دے دیا کہ یہ وہ فضل حق ہیں ہی نہیں جنھوں نے فتویٰ لکھا تھا۔ لیکن یہ فرار پسند نہ آیا۔ اور انھوں نے انتہائی جرأت سے جج کی خواہش کے خلاف اس امر کا اعتراف کیا۔ کہ وہ فضل حق میں ہی ہوں۔ جس نے یہ فتویٰ لکھا تھا اور میں اب بھی اس فتوے پر قائم ہوں۔ عدالت نے مجبور ہو کر انھیں حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی۔ اور جزیرہ انڈمان بھیج دیا۔

جہاں بہت سے جرم آزادی کے خطاکار اپنے جذبۂ آزادی کی پاداش میں پہلے سے موجود تھے۔ ان میں منیر شکوہ آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مفتی مظہر کریم دریا آبادی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں بھی اُن اکابرین کی باقاعدہ مجلسیں جمنے لگیں۔ جہاں طرح طرح کی گفتگو ہوتی۔

انڈمان میں مولانا سے طرح طرح کے ذلت آمیز اور مشقت آمیز کام لئے جاتے۔ خوش قسمتی سے سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا۔ لیکن وہ مولانا کی حیثیت سے واقف نہیں تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی بھی تھے۔ ایک دن سپرنٹنڈنٹ نے ہیئت کی ایک کتاب اُن مولوی صاحب کو اصلاحِ عبارات کے لئے دی۔ یہ مولوی صاحب کے بس کا روگ نہیں تھا۔ انھوں نے مولانا فضل حق سے امداد کی درخواست کی۔ مولانا نے اصلاح کے ساتھ بہت سے مسائل کا اضافہ بھی کیا اور حاشیوں پر دوسری بہت سی کتابوں کے نام بھی لکھ دیئے۔ جب مولوی صاحب نے یہ کتاب سپرنٹنڈنٹ کو دی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور ان کی کافی تعریف و ستائش کی۔ انھوں نے صحیح اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اصل حقیقت بیان کردی۔ سپرنٹنڈنٹ کو بھی ملنے کا اشتیاق ہوا۔ اور وہ مولوی صاحب کے ہمراہ مولانا فضل حق کی بارک میں آیا۔ مولانا موجود نہیں تھے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد دیکھتے کیا ہیں۔ کہ مولانا بغل میں ٹوکرا دبائے چلے آرہے ہیں۔ اس دردناک منظر کو دیکھ کر خود انگریز سپرنٹنڈنٹ بھی آبدیدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور کافی معذرت خواہی کے بعد انھیں کلے کی میں لے لیا۔ اور پھر اُن کی رہائی کے لئے گورنمنٹ سے سفارش بھی کی۔ اُدھر ملک میں مولانا کے صاحبزادگان، تلامذہ اور دوسرے لوگ اُن کی رہائی کی کوشش کر رہے تھے۔ آخر یہ کوششیں کامیاب ہوئیں۔ اور مولانا کی رہائی کا پروانہ حاصل کرکے اُن کے صاحبزادے مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ہوگئے۔ لیکن قسمت کی ظلم ظریفی کہ ادھر انڈمان کے شہر میں داخل ہوئے۔ اور اُدھر مولانا کا جنازہ اٹھ رہا تھا۔ تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔ اور پروانہ لئے ہوئے واپس آئے۔ تاریخ وفات ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۸۶۱ء ہے۔ مولانا نے غدر کے واقعات اور اپنے مصائب عربی قصائد کی صورت میں مختلف پرچوں اور کپڑوں پر کوئلے سے لکھ کر اپنے بیٹے کے پاس بھیجے تھے۔ اُن پر عربی میں دیباچہ بھی لکھا تھا۔ یہ چیزیں اب شائع ہو چکی ہیں۔

(ماہنامہ الشجاع کراچی بابت مئی ۱۹۵۷ء ص ۲۴ تا ۴۵)

مولانا فضل خیرآبادی سراپا فضل، سراپا حق، سراپا خیر

(ڈاکٹر سید محمد عبداللہ سابق پرنسپل اورنیٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور)

اللہ اللہ، ہمارا معاشرہ بھی کیا منبع علم و تہذیب تھا۔ اس میں جسے دیکھو آسمانِ فضیلت کا ماہتاب و آفتاب پاؤ گے۔ یہ وہ لوگ تھے جو جامع کمالات تھے۔ یک فنے نہ تھے اطرافِ علم پر حاوی تھے۔ کمال میں دریا کی مانند وسیع مگر قلب میں تواضع کا وہ رنگ کہ خود کو قطرۂ آشنا سمجھتے تھے۔ —— ایک شخص قلزم علم، اقلیم ہنر —— ان کی زندگیاں بھرپور تھیں۔ وہ پورے آدمی ہوتے تھے۔ مکتب بھی، مدرسہ بھی، خانقاہ بھی، قلم بھی اور سیف بھی —— ، مگر ہائے زمانے نے وہ بساط الٹ ڈالی۔ وہ بزرگ تو کہاں سے آئیں گے، اب ان کی منزلت جاننے والے بھی گم ہیں۔ ؎

جائے کہ بود آں دلستاں با دوستاں در بوستاں
شد گرگ در دبدر را مکاں شد بوم دکرگس را وطن

بہرحال علامہ فضل حق خیرآبادی بھی ان عالم مقام بزرگوں میں سے ایک تھے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی کو ہم تین حیثیتوں سے جانتے ہیں۔ اول خیرآباد کے منطقی دبستان کے نمائندے کی حیثیت سے۔ دوم ادب شناس اور ادیب کی حیثیت سے۔ سوم مجاہد آزادی کی حیثیت سے۔
یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علامہ فضل حق تیرہ یا چودہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ اور تدریس کا آغاز کر دیا تھا —— یہ وہی طالب علم تھا جو بعد میں علامہ بنا اور معقول و منقول کا امام سمجھا جانے لگا۔

یہ ہمارے قدیم نظام تعلیم کا زمانہ تھا کہ اس میں آج کل کی طرح وقت ضائع نہیں کیا جاتا تھا اور کم سے کم وقت میں رسمی تحصیل سے فراغت ہو جاتی تھی۔

صرف علامہ خیرآبادی ہی نے اس کم عمری میں یہ کمال نہیں دکھایا، بلکہ ہمارے تذکروں میں بے شمار بڑے علماء ایسے نکل آئیں گے جو ۱۴ تا ۱۸ برس میں تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ اس بات کا اگرچہ آج کے موضوع سے براہ راست تعلق نہیں مگر ماضی کی تعلیم کا ایک تصور دلانے کے لیے جس کے ماحول سے علامہ خیرآبادی پیدا ہوا۔ یہ بتانا مفید رہے گا کہ پندرہ برس کی عمر میں فارغ

ہوئے۔ اکثر علماء ابتداً میں آٹھ دس برس درس میں مشغول رہتے تھے۔ پھر جب علم میں اذعان پیدا ہو جاتا تو تصنیف و تالیف کو بھی ساتھ شامل کر لیتے —— پھر پختگی کے زمانے میں تحقیق و تدقیق کرتے اور نئے اضافے کرتے رہتے۔ اور بڑے بڑے کارنامے دکھاتے۔ علامہ ابن خلدون نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ اور در حقیقت زندگی میں بے شمار تصانیف چھوڑ جانے کا راز بھی اسی میں تھا۔ کہ ان کا زمانۂ تعلیم رسمی پندرہ برس میں ختم ہو جاتا۔ اور اس طرح انھیں کام کرنے کا طویل موقعہ ملتا۔ آج کل کی طرح نہ تھا کہ بقول اکبرؔ

مغربی کورس میں ہوتی ہے جوانی رخصت

صرف پیری رہی رندانہ مشاغل کے لئے

غرض علامہ نے ۱۳-۱۴ برس کی عمر میں علوم رسمی کی تحصیل کر لی تھی۔ اس کے بعد عمر بھر تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ رہا۔ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ ہم علامہ کو منجملہ دوسرے امور کے بطور خاص خیر آباد کے منطقی دبستان کے نمائندے کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اب لازم ہوا کہ اس کی کچھ تشریح کی جائے۔ کہ ہماری تعلیم میں اس دبستان کی اہمیت اور خصوصیت کیا تھی۔

خیر آبادی دبستانِ تعلیم پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں منطق اور معقولات پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دینی علوم نصاب میں کم سے کم منعکس ہوتے تھے۔

اعتراض یہ ہے کہ درسِ نظامیہ میں یوں بھی تفسیر وغیرہ کا عنصر کم تھا۔ خیر آبادی دبستان میں یہاں تک ہوا کہ تفسیر بیضاوی کا صرف سوا پارہ کافی سمجھا گیا۔ اور حدیث وغیرہ کی نمائندگی بھی کم ہی تھی۔ الزام یہ ہے کہ منطقیوں کا یہ گروہ بیکار علوم میں وقت ضائع کراتا تھا۔ —— سب کو معلوم ہے کہ مغلوں کے زمانے میں میر فتح اللہ شیرازی کے زیرِ اثر —— اور بعد میں میر باقر داماد اور ملا صدرا کی تعلیمات کے زیرِ اثر معقولاتی زبان، زمانے کے لئے ایک رائج الوقت زبان بن چکی تھی۔ —— منطق کے بغیر کوئی عالم نہ بات کر سکتا تھا۔ نہ بات منوا سکتا تھا۔

ایسے میں منطق اور معقولات کو حفاظتِ دین کا ایک ذریعہ سمجھنا چاہیئے۔ جس طرح آج کا کوئی عالم نفسیات اور عمرانی علوم کے بغیر دین کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس دور

میں حکمت و منطق ناگزیر تھی۔

پھر یہ بھی غور کے لائق ہے کہ اس زمانے کے نصابوں کا مقصد ایک عمومی قابلیت پیدا کرنا ہوتا تھا —— وہ ان نصابوں سے پیدا کی جاتی تھی۔ اس کے حصول کے بعد ہر آدمی اپنے مزاج کے مطابق دین یا دوسری شاخوں میں تخصیص پیدا کر سکتا تھا۔

تو کہنا یہ ہے۔ کہ خیرآبادی دبستاں کی منطق بیکار شے نہ تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس زمانے کی فضا میں اس کا استعمال زیادہ تر آپس کے جھگڑوں میں ہوا —— چنانچہ علامہ خیرآبادی اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کے درمیان مناظرے ہوئے —— اور یہ کچھ بھی تھا، اسے آپس کی لڑائی ہی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن معترض یہ بھول جاتے ہیں کہ عیسائیوں اور ہندوؤں سے جو فیصلہ کن بلکہ دندان شکن مناظرے ہوئے۔ اس میں زیادہ تر حصہ خیرآبادی دبستان کے لوگوں نے لیا۔

بہرحال علامہ فضل حق اسی دبستان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف میں حکمت و منطق کی کثرت ہے —— وہ اگر کچھ بھی نہ ہوتے تو بھی اپنے خانوادے کے سبب سے روشن چراغ ہی ہوتے۔

مگر اس روشن چراغ نے کچھ اور چراغ بھی جلائے —— علامہ کے بزرگ مولانا فضل امام عربی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ تو علامہ فضل حق خود اردو، عربی کے اور شاید فارسی کے بھی شاعر تھے۔ فرقتی اور آرزو تخلص کرتے تھے۔ اسی شاعری کے رشتے سے حکیم مومن خاں مومن سے بھی دوستی تھی۔ اگرچہ مسلک کے اختلاف کے باعث گاہے گاہے آپس میں آزردگی بھی ہو جاتی تھی۔ مگر ادب کا رشتہ اس درجہ استوار تھا کہ روٹھے ہوئے بہت جلد ایک دوسرے کو منا لیتے تھے۔ غالب سے علامہ کی دوستی کا حال ہر اس شخص کو معلوم ہے جو اُردو ادب کی تاریخ سے باخبر ہے۔ غالب کو علامہ کا بڑا پاس تھا —— اس لئے انھوں نے فرمائش سے مسئلہ امتناع نظیر پر ایک مثنوی بھی لکھی۔ اس علاوہ علامہ کی ادبی رائے پر غالب کو اعتماد تھا۔ کہ انھوں نے اُن کی اور مرزا خانی کوتوال کی فرمائش سے اپنے پرانے دیوان کے انتخاب پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اور انتخاب بھی انہی سے کرایا۔ آج غالب کا مروجہ دیوان مقبول عام و خاص ہے۔ وہ علامہ فضل حق اور مرزا خانی ہی کا شان زدہ ہے۔

یہ اس دور کی جامعیت تھی۔ کہ ایک عالم بیدل اور دیندار منطقی اپنے مدرسہ و مکتب سے

نکل کر محفل شعر و سخن میں بھی اپنا لوہا منوا سکتا تھا ـــــ افسوس اب وہ جامعیت نہیں رہی آج اگر کوئی عالم کسی مشاعرہ خاص میں بھی نظم پڑھ دے تو لوگ انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ مگر وہ دور عجیب دور تھا۔ علامہ فضل حق تو خیر تھے ہی ـــــ علامہ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری کو دیکھئے کہ سینکڑوں کتابوں کے اس مصنف کے کمالات میں سبزۂ بیگانہ معلوم نہیں ہوتی۔

اب میں علامہ فضل حق کی تیسری لازوال حیثیت کا ذکر کرتا ہوں ـــــ وہ ہے ان کی مجاہدانہ حیثیت ـــــ

۱۸۵۷ء کے انقلاب دہلی کا حال سب کو معلوم ہے ـــــ اس کے اسباب اور روز افزوں بے چینی کے کوائف اس وقت زیر بحث نہیں ـــــ قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف دینی حلقوں کی طرف سے پہلی منظم کاروائی علامہ فضل حق کی تقریر جامع مسجد دہلی سے شروع ہوئی جس میں انھوں نے علماء سے فتویٰ پوچھا۔ اور جہاد پر فتویٰ صادر کر دیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، لمبی کہانی ہے ـــــ مختصر یہ کہ شکست کے بعد علامہ کو ۱۸۵۹ء میں فتوئی جہاد کی پاداش میں سیتاپور سے لکھنؤ لایا گیا ـــــ جہاں ان پر مقدمہ چلا۔ قابلِ ذکر یہ کہ بہی خواہ ان کے فتوے کے بارے میں از راہِ خیر خواہی تاویلیں کرتے تھے۔ مگر علامہ ایسی ہر صفائی پر تردید کر کے فتویٰ کا اقرار کرتے جاتے۔ اس پر حبس دوام کی سزا ملی ـــــ انھیں جزائر انڈمان بھیج دیا گیا۔ انڈمان میں بارکوں کی صفائی ان سے کرائی جاتی تھی۔

ـــــ بہر حال اسی عالم اسیری میں ان کا انتقال ہوا۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اور یہ صرف ایک عالم نہ تھا جس نے برطانوی استعمار سے آزادی کے لئے جان دی ـــــ بلکہ ان کے ہمراہ کئی اور اہلِ علم شمعٔ آزادی پر قربان ہو گئے ـــــ انہی میں امام بخش صہبائی بھی تھے۔ جنھیں خاندان سمیت گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔

اور ان کا جرم کیا تھا؟ یہی کہ یہ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیابی چاہتے تھے۔ یہ اسلام کی رونق کے طلبگار تھے ـــــ یہ اس شجر کی حفاظت چاہتے تھے جو محمد بن قاسم کے ہاتھوں اس سرزمین میں لگا تھا یہ اس اصول پر جان دے رہے تھے کہ اسلام غلام ہو کر نہیں رہ سکتا ـــــ اور کوئی شخص مسلمان ہو کر شرع کی حکمرانی کے بغیر مسلمان

(باقی ص ۱۵ پر)

مولانا فضل حق خیر آبادی

یہ حق آگاہ شخصیت ۱۷۹۷ء میں مولانا فضل امام خیر آبادی کے ہاں پیدا ہوئی۔ جو شاہ عبدالعزیز کے ہمعصر، علوم عقلیہ کے ماہر اور سر سید احمد خاں، نواب صدیق حسن خاں اور مفتی صدر الدین آزردہ جیسی عظیم علمی شخصیتوں کے استاد تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق علامہ فضلِ حق کی تعلیم کا آغاز قرآن پاک سے ہوا۔ اس ذہین بچے نے چار ماہ دس دن کی مختصر مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ اپنے والد کے علاوہ شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے مختلف علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اُن کی ذہانت کے عجیب و اقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد تیرہ سال کی چھوٹی سی عمر میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ اس سے اُن کی فہم و فراست کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ۱۸۰۹ء سے ۱۸۵۸ء تک مسلسل پچاس سال کے لگ بھگ وہ درس و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور اس عرصہ میں ہزاروں بندگانِ خدا نے علم و عرفان کے اس سر چشمہ سے اپنی پیاس بجھائی۔ بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ فیاض بھی تھے۔ دوستوں کی ہر ممکن طریق سے مدد کیا کرتے تھے۔ اُن کے ایک قریبی دوست مرزا اسد اللہ خاں غالب (مشہور شاعر) جب افلاس کے ہاتھوں پریشان ہوئے تو علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے نہ صرف خود اُن کی مدد کی بلکہ نواب یوسف علی خاں والیٔ رامپور سے مستقل وظیفہ بھی جاری کرا دیا۔

علامہ فضل حق نے اپنے وطن خیر آباد میں علوم و فنون کے دریا بہانے کے علاوہ شعر و سخن کی محفلیں بھی آراستہ کیں جن میں بلند پایہ شعرا اپنا کلام پیش کرتے۔ جب وہ دار السلطنت دہلی پہنچے تو وہاں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ بہادر شاہ ظفرؔ سے اُن کے دوستانہ مراسم تھے۔ اس کے علاوہ غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، آزردہ، صہبائی، نیرؔ، شاہ نصیرؔ، احسانؔ اور تسکینؔ جیسے باکمال افراد اُن کے حلقہ رفاقت میں شامل تھے۔ وہ صدر الصدور کے عہدہ تک پہنچے۔ اپنی شدید مصروفیات کے باوجود انھوں نے مختلف علم و فنون پر اعلیٰ پایہ کی کتابیں لکھیں جنھیں اہل علم اب بھی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان میں ہدیۂ سعیدیہ، امتناع النظیر، تحقیق الفتویٰ، حاشیہ قاضی مبارک، حاشیہ افق المبین، قصائد فتنۃ الہند اور الثورۃ الہندیہ وغیرہ۔ سے آخری دو کتب کا موضوع ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی ہے۔ جس میں علامہ موصوف نے خود بھی حصہ لیا۔

جب انگریزوں کے ظلم و زیادتی اور جبر و تشدد کے خلاف برصغیر کے عوام نے ۱۸۵۷ء میں ہتھیار سنبھال لئے اور انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تو اکابر علمائے دین نے بھی فرنگی سامراج کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا۔ ان علماء میں علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی صدر الدین آزردہ بھی شامل تھے۔ فتویٰ میں علامہ موصوف کا نام پڑھ کر لوگوں میں بے انتہا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اور وہ دیوانہ وار انگریز فوجوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ مگر غداروں کی وطن فروشی اور انگریزوں کی سازشوں نے اس تحریک کو ناکامی سے دوچار کیا۔ دہلی پر دوبارہ انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ مرزا الٰہی بخش کی مخبری پر بہادر شاہ ظفر کو مقبرۂ ہمایوں سے گرفتار کیا گیا۔ اسے مقدمہ چلا کر رنگون بھیج دیا گیا۔ بہت سے علماء جنہوں نے فتویٰ جہاد پر دستخط کئے تھے گرفتار کر کے توپوں کے دہانوں سے باندھ کر اڑا دیئے گئے۔ علامہ فضل حق کو بھی فتویٰ جہاد اور جرم بغاوت کی پاداش میں گرفتار کر کے لکھنؤ لے جایا گیا۔ جس جج کی عدالت میں مقدمہ قائم ہوا وہ اُن کی عظمت، علمی قابلیت اور منطقی دلائل سے بہت متاثر ہوا۔ وہ انھیں مقدمہ میں بری کرنا چاہتا تھا۔ مخبر نے بھی اپنا بیان بدل لیا تھا۔ مگر اس حق پسند انسان نے نہایت دلیری سے کہا۔

"وہ فتویٰ صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔"

اُن کے اقرار کے پیشِ نظر انھیں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ اور جزائر انڈیمان بھیج دیئے گئے۔ خراب آب و ہوا، جسمانی مشقت، عزیز و اقارب کی جدائی کے صدمہ کے باوجود انھوں نے وہاں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگرچہ ان کی رہائی کے انتظامات ہو چکے تھے مگر اس کی نوبت نہ آسکی۔ اور علم و فضل کا یہ آفتاب ۱۸۶۱ء میں جزائر انڈیمان میں ہی غروب ہو گیا۔

(مطالعۂ پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء دہائے انٹرمیڈیٹ لازمی ص ۲۳ - ۲۴)

سید رئیس احمد جعفری

مولانا فضل حق خیر آبادی

مولانا فضل حق خیر آبادی یگانہ خصوصیات و ملکات اور فضائل و حسنات کے جامع تھے وہ عربی زبان کے بلند پایہ اور صاحبِ طرز انشا پرداز و شاعر تھے۔ منطق اور فلسفہ کے امام تھے۔ دولت و ثروت اُن کے قدم چومتی تھی۔ شہرت پیچھے پیچھے چلتی تھی۔ وہ صاحبِ دل بھی تھے۔ اور صاحبِ دماغ بھی۔ اہلِ قلم بھی تھے۔ اور اہلِ سیف بھی۔ اعزاز اور منصب کو اُن کی ذات پر فخر تھا۔ دولت اور امارت اُن کے گھر کی لونڈی تھی۔ بہادر شاہ ظفر اور واجد علی شاہ اختر کے عہدِ گرامی کہر میں وہ دربار اور ایوان کی زینت بھی بنے۔ لیکن علم و فن سے انھیں جو لگاؤ تھا، وہ بدستور قائم رہا۔ اُن کی اصل جگہ ایوانِ حکومت میں نہ تھی۔ مجلسِ علم میں تھی۔ ان کے پایۂ فضل و کمال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُن کی لکھی ہوئی کتابیں مدارس عربیہ کے نصاب میں گذشتہ ایک سو برس سے شامل ہیں۔ جن کی قدر و قیمت اور افادیت و معنویت آج بھی اپنی جگہ قائم ہے

مولانا فضل حق کا وطنِ مالوف اودھ کا ایک مردم خیز قصبہ خیر آباد تھا ——

خیر آباد ؎

جس کی زمیں سے پست مرتبہ آسماں کا ہے

یہ چھوٹی سی بستی علماء، صلحاء، اصفیاء و صوفیا، شعراء و ادباء، فضلائے روزگار اور حکمائے ذی وقار کا مولد و منشا رہی ہے۔ مولانا فضل حق بھی اسی لعدِ ماں کے لعلِ شب چراغ تھے۔

۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی عام طور پر غدر کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن درحقیقت یہ بہت بڑی انقلابی تحریک تھی۔ اگر کامیاب ہوجاتی تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ اس تحریک میں مولانا نے بھی حصہ لیا۔ ماخوذ ہوئے۔ اور حاکمِ مجاز کے سامنے پیش ہوئے۔ بچاؤ کی بہت سی صورتیں تھیں۔ وسائل و ذرائع بھی تھے۔ سعی و سفارش کے امکانات بھی تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جس انگریز کی عدالت میں مقدمہ پیش تھا وہ مولانا کی شخصیت

سے بے حد متاثر تھا، اور اس پر تیار تھا کہ اگر مولانا جرم سے انکار کر دیں تو وہ کاغذات داخل دفتر کر کے پروانہ رہائی صادر کر دے گا۔ لیکن مولانا اس پر تیار نہ ہوئے، انھوں نے فرمایا کہ رہائی حاصل کر کے توشۂ آخرت سے محروم ہونا مجھے گوارا نہیں۔ اس جواب کے بعد رہائی کا سوال ہی نہ تھا۔ ساری املاک و جائیداد ضبط کر لی گئی۔ اور حبس دوام بہ عبور دریا شور کے تقرر کا فرمان صادر ہو گیا۔ مولانا انڈمان بھیج دیئے گئے۔ املاک و جائیداد سرکاری تحویل میں آ گئی۔ انڈمان کے دور اسیری ہی میں مولانا کے خامۂ حقیقت رقم سے "الثورۃ الہندیہ" کے نام سے وہ موتی ٹپکے جو عربی ادب انشا کی تاریخ میں زندہ جاوید بن چکے ہیں۔

خیر آباد میں مولانا نے ایک نہایت شاندار اور رفیع المنزلت حویلی تعمیر کرائی تھی۔ یہ سنگ سرخ کی ایک مستحکم اور خوشنما عمارت تھی۔ بہت بڑا پھاٹک ـــــــ جس میں سے بیک وقت دو ہاتھی گذر سکتے تھے ـــــــ آگے بڑھیئے تو ایک وسیع دالان، بیچ میں ایک خوبصورت فوارہ دایئں بایئں خوشنما برآمدے، سنگ مرمر کی ایک نہایت سبک اور نظر فریب بارہ دری، ان مرحلوں کو طے کر کے آگے بڑھیئے۔ تو زنان خانہ اپنی وسعت اور کشادگی میں ایک چھوٹا سا محل، پھر پایئں باغ، اس حویلی کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ کسی امیر کبیر کا کوشک ہے۔ اور بات بھی ایسی ہی تھی۔ مولانا جہاں بہت بڑے عالم تھے۔ وہاں تجارت و کاروبار سے بھی پوری دلچسپی رکھتے تھے۔ سر سید نے آثار الصنادید کے پہلے اڈیشن میں ایسے والہانہ طرز پر مولانا کا ذکر کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے جہانگیر کے دربار میں عرفی اپنا قصیدہ پڑھ رہا ہے۔

مولانا کی حویلی جس محلہ میں واقع تھی یہ ارباب شریعت اور اصحاب طریقت کا مسکن تھا۔ چند قدم کے فاصلہ پر حضرت بڑے مخدوم صاحب کا مزار پر انوار ہے۔ حویلی سے کھارے کنویئں کی طرف بڑھیئے تو ذرا سی مسافت پر عہد اصغر کے صوفی صافی مقبول میاں کا آستانہ ہے میں نے شعور کی آنکھیں کھولنے کے بعد جب حویلی دیکھی تو اس کی حیثیت ایک ویرانہ سے زیادہ نہ تھی۔ ضبطی کے بعد حکومت نے صلۂ وفا کے طور پر اسے ایک غیر مسلم تعلقدار راجہ صاحب کمال پور (آزادی ہند کے بعد کمال پور بن گیا ہے)، کو بخش دیا۔ ؏

بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

اس حویلی میں واقعی سمرقند و بخارا کا علم آ کر جمع ہو گیا تھا۔

یہ حویلی جو آج ایک ویرانہ نظر آرہی تھی، کبھی علم و فضل کا مرکز تھی۔ یہاں سے علم کے سوتے پھوٹتے تھے۔ یہاں علم کی روشنی سے تاریکی نور بن جاتی تھی۔ دور سے دور مختلف دیار و امصار سے تشنگانِ علم آتے تھے۔ اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔ یہ حویلی نہ تھی، علم کا سرچشمہ تھا۔ ؎

ہر کجا بود چشمۂ شیریں

مردم و مرغ و مور گرد آیند!

اور اب یہ حویلی ایک ہندو تعلقدار کی ملکیت تھی۔ جسے اس کے رکھ رکھاؤ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جس کے نزدیک یہ صرف خاک کا ایک ڈھیر تھی۔ جس کے پتھر قیمتی تھے۔ لیکن ان پتھروں سے بھی پائندہ تر نقوش جو ندم قدم پر بکھرے ہوئے تھے۔ کوئی قیمت نہ رکھتے تھے۔ کسی اہمیت کے حامل نہ تھے۔ کبھی یہاں روم و شام، شیراز و اصفہان، ماوراء النہر اور ترکستان کے طالبانِ علم جوق در جوق موج در موج آیا کرتے تھے۔

یہاں کے نام و در حکمت و معرفت کی صداؤں سے گونجا کرتے تھے۔ یہ صحن چمن گلکدہ نہ تھا۔ خیابانِ علم و فن تھا۔ یہ بارہ دری، یہ برآمدے، یہ کمرے، یہ ایوان، یہ دالان در دالان صحنچیاں، یہ ڈیرے جہاں اصحابِ فضل و کمال کے قافلے اترا کرتے تھے۔ جہاں اربابِ فن و ہنر سر کے بل حاضر ہوتے تھے۔ جہاں وقت کے امراء اور حکام سر جھکا کر آستان بوسی کیا کرتے تھے جہاں علم کا دریا لگتا تھا۔ حکمت کی گرہ کشائیاں ہوتی تھیں۔ اجتہاد و تحقیق کے مرحلے ہوتے تھے۔ اب وہاں ویرانی تھی۔ سناٹا تھا۔ سکوت مرگ تھا۔ باغی کالے پانی بھیج دیا گیا۔ اور وہیں عالم قید میں سفر آخرت کر گیا۔ اس کی اولاد اِدھر اُدھر بکھر گئی۔ اور اس کا مکان عالیشان ویران بن گیا۔ ؎

گلشن میں بوئے دم ساز نہیں آتی

اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

پھر کمال پور کے راجہ سورج بخش سنگھ کو اپنے محل کی توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی تعلقدار ہونے کے باوجود آدمی جز رس تھے۔ بے ساختہ اُن کی نظر مولانا کی حویلی پر گئی۔ اس حویلی کے پتھر، یہاں کی لکڑیاں، کاغذی اینٹیں اب بھی کام آسکتی تھیں۔ اور یہ سب چیزیں انعام کے طور پر عطا فرمائی تھیں۔ اُن میں یہ حویلی بھی تھی۔

فوراً فرمان صادر ہوا۔ اور مولانا فضل حق کی حویلی کدالوں اور پھاوڑوں کی زد میں آ گئی۔ یہ چھت اُتری وہ دیوار گری یہ پھاٹک اکھڑا۔

ایک محل ڈھے گیا۔

دُوسرا محل تعمیر ہو گیا۔

مسلمانوں پر بے حسی طاری تھی کسی نے صدائے احتجاج بھی بلند نہ کی ورنہ آسانی سے یہ مسئلہ صوبائی کونسل میں اٹھایا جا سکتا تھا۔ اور محکمہ آثار قدیمہ کو مجبور کیا جا سکتا تھا کہ اپنی تحویل میں لے کر اس کی نگہبانی کا فریضہ انجام دے۔

دسمبر ۱۹۴۶ء میں آخری مرتبہ میرا خیر آباد جانا ہوا۔ تو اس وقت تک اس حویلی کے کچھ کچھ آثار اور نقوش باقی تھے۔ کم از کم یہ اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ یہ ویرانہ کبھی رشک چمن رہ چکا تھا۔ مٹی مٹی سی سہی ایک یادگار باقی تھی۔ لیکن زمانہ کی گردش اسے بھی نہ دیکھ سکی اب وہ اکھڑے اکھڑے اور مٹے مٹے سے نشان باقی نہیں رہ گئے تھے۔

نومبر ۱۹۶۰ء میں ایک مرتبہ پھر خیر آباد جانا چاہا۔ بمبئی، دہلی، لکھنؤ اور خیر آباد کے لئے ایک ایک ہفتہ رکھا تھا۔ پروگرام کے مطابق سب سے آخر میں خیر آباد کا نمبر آیا۔ لکھنؤ سے صبح نو بجے روانہ ہوا۔ گیارہ بجے پہنچ گیا۔ اپنے عزیز اور دوست سید نجم الحسن صاحب کے یہاں مہمان بنا۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر اپنے خاندانی قبرستان (حزیرہ میں) فاتحہ پڑھنے گیا۔ وہاں سے مولانا فضل حق کی حویلی کی طرف گیا۔ لیکن اب وہاں خاک اُڑ رہی تھی۔ جیسے صدیوں سے یہ مقام دشت و بیاباں کا ایک حصہ چلا آ رہا ہے۔ سامنے حضرت مخدوم صاحب کی درگاہ کا گنبد نظر آ رہا تھا۔ وہیں سے کھڑے کھڑے فاتحہ پڑھ کر واپس چلا آیا۔ طبیعت اتنی بے کل ہوئی۔ کہ پھر ایک لمحہ بھی ٹھہرنے کا جی نہ چاہا۔ افتاں و خیزاں اسٹیشن پہنچا۔ اور لکھنؤ واپس آ گیا۔ چھوڑے ویرانے سے بڑے ویرانے میں! ہا! یہ ہے دنیا! ؏

مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

(ڈمام راج سے رام راج تک، مطبوعہ لاہور ص ۱۹۳ تا ۱۹۷)

علامہ فیض احمد اویسی

علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت :۔ آپ ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء میں خیر البلاد خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۲۳ واسطوں سے خلیفہ ثانی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے اسی وجہ سے آپکو عمری بھی لکھا جاتا ہے

تحصیل علم وکمال :۔ چونکہ آپ کا گھرانہ علمی تھا۔ فن منطق کی مشہور درسی کتاب المرقات کے مصنف حضرت علامہ فضل امام رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہی والد گرامی ہیں۔ اسی لئے نوعمری میں آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامیابی حاصل کرلی۔ علوم حدیث پاک حاصل کرنے کے لئے والد گرامی نے آپ کو شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہما کے ہاں بھیج دیا۔ صرف تیرہ سال کی عمر میں ۱۲۲۵ھ/۱۸۰۹ء میں جملہ علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ سے فراغت پائی۔

باکمال حافظہ :۔ صرف چار ماہ اور کچھ دنوں میں قرآن مجید یاد کرلیا تھا۔

حکایت حافظہ :۔ علامہ فضل حق نے امراء القیس کے قصیدے پر ایک قصیدہ لکھ کر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے ایک جگہ اعتراض کیا علامہ فضل حق نے اسی وقت اس جیسے بیس شعر پڑھ دیئے۔ ابھی اور پڑھنے والے تھے کہ مولانا فضل امام نے فرمایا بس حد ادب کا پاس کرو۔ علامہ نے کہا کہ حضرت یہ کوئی علم تفسیر وحدیث تو ہے نہیں یہ فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہوئی۔ شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا برخوردار تو سچ کہتا ہے مجھ کو سہو ہوا۔

تبصرہ اُویسی :۔ جہاں علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے حافظ اور بچپن کے کمال علمی کا پتہ چلا وہاں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دور سابق میں اساتذہ کو اپنے تلامذہ کے علمی کمال کے اعتراف میں بخل نہ تھا ورنہ آج کل تو بڑے سے بڑے محقق شاگرد پر خوشی کے اظہار کے بجائے اسکو نیچا دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مناظرہ کا واقعہ :۔ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ ہر فن میں اپنی نظیر خود تھے لیکن چونکہ

منطقی تھے اسی لئے فن مناظرہ ان کی نظروں میں معمولی سی بات تھی۔ چنانچہ جن دنوں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحؒ نے ردّ شیعہ میں تحفہ اثنا عشریہ لکھا تو ہندستان سے لے کر ایران تک کے شیعوں میں سخت ہیجان و اضطراب پیدا ہوگیا۔ صاحب افق المبین میر باقر داماد کے خاندان کا ایک مجتہد فریقین کی کتابیں لے کر شاہ صاحب سے مناظرہ کرنے کے ایران سے دہلی پہنچا۔ خانقاہ میں داخل ہوتے پر شاہ صاحب نے فرائض میزبانی ادا کرتے ہوئے قیام کے لئے مناسب جگہ تجویز فرمائی۔ شام کو مولانا فضل حق حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کو مہمان نوازی میں معروف پایا۔ کیفیت دریافت کی اور لبعد از مغرب مجتہد صاحب کے پاس چلے گئے۔ مجتہد صاحب نے آغازِ گفتگو کے لئے پوچھا۔ صاحبزادے کیا پڑھتے ہو علامہ نے کہا اشارات "شفا" اور "افق المبین" دیکھا کرتا ہوں۔ علامہ چونکہ بالکل نوعمر تھے اس لئے مجتہد صاحب کو بے حد تعجب ہوا اور افق المبین کی کسی عبارت کا مطلب پوچھ لیا۔ علامہ فضل حق نے نہ صرف عبارت کی تفسیر کردی بلکہ افق المبین پر متعدد اعتراضات بھی جڑ دیئے۔ مجتہد صاحب نے جواب دینے کی کوشش کی تو انہیں جان چھڑانی اور بھی مشکل ہو گئی۔ جب وہ خوب عاجز ہو گئے تو علامہ نے اپنے اعتراضات کے جوابات ایسے انداز میں دیئے کہ مجتہد صاحب اور ان کے رفقاء تمام علماء انگشت بدنداں رہ گئے۔ آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ شاہ صاحب کا میں ایک ادنیٰ شاگرد ہوں اور اظہار معذرت کے بعد واپس چلے آئے۔

اب مجتہد صاحب اور ان کے رفقاء کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ جب یہاں کے نونہالوں کا علم و فضل میں یہ عالم ہے تو شیخ خانقاہ کا کیا حال ہوگا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے جب صبح مہمانوں کی خیریت طلبی کے لئے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ آخر شب ہی دہلی سے روانہ ہو چکے ہیں۔

ننھا استاد۔ سند فراغت حاصل کرتے ہی آپ نے پڑھانا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ مولانا فضل امام نے ایک طالب کو فرمایا کہ جاؤ فضل حق سے پڑھ لو۔ وہ طالب علم معمر کم علم اور کند ذہن تھا اور یہ ہمارے اسلاف صالحین کی عادت میں شامل تھا کہ ہر قسم کی طالب علم کو علم پڑھانا ہے خواہ وہ معمر ہو یا کند مزاج۔ لیکن آج کے اساتذہ تو ایسوں کو پڑھانا دینی

توہین سمجھتے ہیں چونکہ مولانا فضل امام کو وقت کی قلت تھی اسی لئے بیٹے کے ذمہ لگا یا۔ مولانا فضل حق نو عمر (صرف چودہ سال عمر) نازک طبع ناز پرورده جمال صورت و معنی سے آراستہ ذہن میں بلا کی جودت، استاد شاگرد میں کسی طرح بھی ہم آہنگی نہ تھی۔ تھوڑا سا سبق پڑھایا اور برہم ہو کر طالب علم کو بُرا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ وہ روتا ہوا مولانا فضل امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے مولانا کو بلایا۔ علامہ حاضر ہو کر باادب کھڑے ہو گئے اور مولانا فضل امام نے ایسا زوردار تھپڑ رسید کیا کہ دستار فضیلت دور جا گری اور فرمایا کہ تم بسم اللہ کے گنبد میں پرورش پاتے رہے اور ناز و نعمت میں پلے جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے شفقت و محبت سے پڑھایا تمہیں طالب علموں کی قدر و منزلت کا کیا پتہ۔ اگر مسافرت اختیار کرتے اور بھیک مانگ کر کھانا کھاتے تو طالب علمی کی قدر معلوم ہوتی۔ طلب علم کی کیفیت ہم سے پوچھو کہ ساری ساری رات کتب بینی میں بسر ہو جایا کرتی تھی ؎

درازی شب از مژگان من پرس   کہ یک دم خواب در چشمم نگشت است

خبردار اگر ہمارے طالب علموں کو آئندہ کچھ کہا غیر قصہ رفع دفع ہو گیا پھر کبھی کسی طالب علم کو کچھ نہیں کہا

شاہ غوث علی پانی پتی :۔ تذکرہ غوثیہ میں ہے کہ حضرت شاہ غوث علی رح علامہ کو یہ واقعہ یاد دلا کر علامہ سے خوب ہنسی مذاق کرتے تھے۔

مسلک فضل حق :۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کٹر حنفی اور اسلاف صالحین رحمہم اللہ کے عقائد و مسائل پر مضبوطی سے عمل پیرا تھے۔ یہاں تک کہ جب مولوی اسماعیل دہلوی نے عقائد وہابیہ و مسائل تجدیہ کا ہندوستان میں آغاز کیا تو سب سے پہلے علامہ کی ذات ہے جنہوں نے ان کو دلائل قاہرہ و براہین باہرہ سے لاجواب فرمایا۔ "سلب الطغوی" اور امتناع النظیر جیسی تصانیف مبارکہ شاہد ہیں کہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا موثر کارنامہ سرانجام دیا۔ اور آپ ہی کی ذات برکات اور تحقیقات کی وجہ سے مشاہیر دہلی و اکابر ہند اسماعیل دہلوی کے نظریات کے سختی سے مخالف ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ مرزا غالب باوجودیکہ ایک آزاد منش شاعر تھے وہ بھی آپ کے علمی دبدبہ اور شان و شوکت سے متاثر ہو کر اسماعیل

دہلوی کے غلط عقیدے کے رد میں ایک نظم لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

اے کہ ختم المرسلینش خواندہ
دانم از روئے یقینش خواندہ
ایں الف لامے کہ استغراق است
حکم ناطق معنی اطلاق است
منشاء ایجاد ہر عالم یکے است
گر دو صد عالم بود خاتم یکے است
منفرد اندر کمالِ ذاتی است
لاجرم محالِ ذاتی است
زیں عقیدت برنگردم والسلام
نامہ را دریں نوردم والسلام

ترجمہ :۔ اے اللہ تو نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبین کہا جس کا مجھے یقین ہے کہ تو نے سچ فرمایا۔ کیونکہ "النبین" الف لام استغراق کا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح کی نبوت کے آپ خاتم ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ منشائے ایجاد عالم کی صرف ایک ذات ہے کتنا جہاں ہوں تب بھی ان سب کا ایک خاتم ہے اور وہی کمال ذاتی میں منفرد ہیں۔ اور اس لئے آپ کی نظیر بھی محال ذاتی ہے میرا یہی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظیر ممتنع بالذات ہے اسی پر اپنی تحریر ختم کرتا ہوں۔

انگریزی دشمن :۔ علامہ چونکہ انگریز کے ساتھ خوب ٹکرائے اسی لئے مخالفین باوجودیکہ انھوں نے علمی اسنادات ان سے حاصل کیں لیکن حق شناس نہیں تھے بلکہ انگریز کے عاشق زار تھے۔ اس لئے ان کو صفحہ تاریخ سے بھی مٹانے کی خام کوشش کی۔ فقیر ان کی مختصر سی داستان عرض کر دے تاکہ اہل انصاف کو انصاف کا موقع نصیب ہو۔

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی :۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ انگریز نے جب ہمارے ملک میں قدم جمائے تو جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑنے والے صرف اور صرف علماء اور مشائخ

اہل سنت تھے۔ ان کے سرخیل حضرت علامہ فضل حق رحمۃ اللہ تھے ان کے ساتھ انگریز کا صرف وہ سلوک پڑھئے جو جزیرۂ انڈمان میں پیش آیا۔

انڈمان کی زندگی :۔ جزیرہ انڈمان میں ان کے رفقار کو کیا کیا مظالم برداشت کرنے پڑے یہ ایک ایسی داستان ہے جسے سن کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ پتھر کا پتہ بھی ہو تو وہ بھی پانی ہو جائے۔ خود وہاں کا سپرنٹنڈنٹ علامہ کے فضل و کمال سے واقف ہوا اور ساتھ ہی علامہ کی تکالیف کا جائزہ لیا تو فرطِ الم سے اس کے آنسو چھلک پڑے۔ سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا مشرقی علوم سے واقفیت رکھتا تھا اور فن ہیئت کا بڑا ماہر تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی صاحب بھی تھے۔ انہیں ایک فارسی کی کتاب ہیئت کی دی تاکہ اس کی عبارت صحیح کر دیں۔ مولوی صاحب سے تو کام چلا نہیں علامہ نئے نئے گئے تھے۔ ایک ہی سال گذرا تھا۔ ان کی خدمت میں پیش کر کے تصحیح کی گذارش کی علامہ نے نہ صرف عبارت درست کر دی بلکہ بہت کچھ اضافہ کر دیا حاشیہ پر بہت سی کتب کے حوالے لکھ دیئے۔ یہ کتاب وہ مولوی صاحب سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس لے گئے تو وہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہنے لگا۔ "مولوی صاحب تم بڑا لائق آدمی ہے۔" مگر جن کتابوں کے حوالے ہیں وہ یہاں کہاں ہیں اور ان کی جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ کہاں ہیں۔ مولوی صاحب مسکرائے اور اصل واقعہ علامہ کا کہہ سنایا۔ وہ اسی وقت مولوی صاحب کو لے کر بارک میں آیا۔ علامہ موجود نہ تھے کچھ دیر انتظار کے بعد دیکھا کہ ٹوکرا بغل میں دبائے چلے آرہے ہیں۔ وہ یہ حالت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ معذرت کے بعد کلرکی میں لے لیا۔ گورنمنٹ میں سفارش بھی کی۔ خود علامہ وہاں کی حالت اس طرح بیان فرماتے ہیں: "مجھے دشمن ترش رو نے دریائے شور کے کنارے ایک مضبوط ناموافق آب و ہوا والے پہاڑ پر پہنچا دیا جہاں سورج ہمیشہ سر پر ہی رہتا تھا۔ اس میں دشوار گذار گھاٹیاں اور راہیں تھیں جنہیں دریائے شور کی لہریں ڈھانپ لیتی تھیں۔ اس کی نسیم صبح بھی گرم و تیز ہوا سے زیادہ سخت اور اس پر زہر ہلاہل سے زیادہ مضر تھی۔ اس کی غذا اندرائن (حنظل) سے کڑوی اس کا پانی سانپوں کے زہر سے بھی بڑھ کر ضرر رساں تھا۔ اس کا آسمان

غموں کی بارش کرنے والا اس کی زمین آبلہ دار ۔ اس کے سنگریزے بدن کی پھنسیاں اور اس کی ہوا ذلت وخواری کی وجہ سے ٹیڑھی بے خرابی تھی ۔ ہر کوٹھڑی پر پتھر تھا جس میں رنج ومرض بھرا ہوا تھا ۔ ہوا بدبودار مرض کا مخزن بیماریاں بے شمار خارش و قوبا جس سے بدن کی کھال پھٹنے لگتی ہے عام تھی ۔ بیماری کی شفایابی کی کوئی صورت نہ تھی ۔ معالج رنج وتکلیف میں اضافہ کرنے والا تھا ۔

ایک بے مثال کارنامہ :۔ جزیرہ انڈمان میں جس وقت علامہ فضل حق خیرآبادی اپنے بستر موت پر تھے ۔ اٹھنے بیٹھنے کروٹ بدلنے پر مجبور تھے ۔ بغیر کسی سہارے بیٹھ نہ سکتے تھے ۔ زندگی کا آخری وقت تھا ۔ موت قدم چومتی ہوئی ۔ زندگی ہزار بلائیں لے کر رخصت ہو رہی تھی ۔ زندگی کے ایسے نازک مرحلے پر آپ کی غیرت ایمانی کا ایسا سنگین امتحان لیا گیا جس کی مثال شاذ ونادر ہی کہیں مل سکے گی ۔ چنانچہ اسی کرب واضطراب کی حالت میں ایک انگریز افسر آیا اور اس نے حضرت علامہ سے کہا کہ اگر آپ محض اتنا فرمادیں کہ مجھے اپنے فتوے پر افسوس ہے جو میں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا تو میں ابھی ابھی آپ کو رہا کر دیتا ہوں ۔ بستر مرگ کا وہ نحیف وناتواں جو بیٹھ کر دوا پینے سے معذور تھا اتنا سنتے ہی گرج دار آواز کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا اور انگریز افسر سے فرمایا مجھے ایسی ایک نہیں ہزار زندگی دی جائے تو فضل حق یہی کہے گا کہ انگریز پر جہاد فرض ہے ۔

عید ہوئی ذوقی دلے شام کو :۔ ادھر مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیرآبادی جزیرہ انڈمان روانہ کر دیئے گئے اور ادھر آپ کے صاحبزادے مولانا عبد الحق خیرآبادی) اور مولوی شمس الحق مفتی انعام اللہ، خواجہ غلام غوث نے منشی لیفٹیننٹ مغربی کی وساطت سے اپیل داخل کرادی ۔ علامہ کے جزیرہ انڈمان پہنچنے سے پہلے مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم اور دوسرے مجاہد علماء وہاں پہنچ چکے تھے ۔ ان حضرات نے وہاں بھی تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا ۔ مفتی عنایت احمد نے علم الصیغہ جیسی فن صرف کی بہترین کتاب جو آج تک داخل نصاب ہے وہیں لکھی ۔ تاریخ حبیب اللہ بھی وہیں لکھی گئی ۔ اور یہی اس کا تاریخی نام ہے ۔ علامہ فضل حق نے بھی کئی مفید تصانیف لکھیں

علامہ اور ان کے ساتھیوں کو جزیرہ انڈمان میں کیا کیا تکلیفیں جھیلنا پڑیں اور انہیں کیسے ذلت آمیز برتاؤ سے سابقہ رہا۔ ان سب کا تذکرہ علامہ کے رسالہ الثورۃ الھندیہ میں موجود ہے۔

مولانا فضل امام کا وہ شہزادہ جو کبھی ہاتھی اور پالکی پر بیٹھ کر باپ کی آغوشِ محبت میں درس پاتا تھا۔ آج وہی جزیرہ انڈمان میں سر پر ٹوکرا اُٹھا رہا ہے۔ جسے دیکھ کر بعض انگریز بھی آنسو بھر لاتے۔ ادھر مولوی شمس الحق پروانہ اور خواجہ غلام غوث وغیرہ رہائی کی جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔ یہاں تک مولوی شمس الحق پروانہ رہائی حاصل کر کے جزیرہ انڈمان روانہ ہوئے وہاں جہاز سے اتر کر شہر گئے تو ایک جنازہ پر نظر پڑی جس کے ساتھ بڑا اژدھام تھا۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو علامہ فضل حق کا انتقال ہو گیا اور اب سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بقیہ:- مولانا فضل حق

(ص ۳۲ سے آگے)

نہیں بن سکتا —— انہی اصولوں پر علامہ فضل حق نے بھی جان دے دی۔ ولا تقولوا من یقتل فی سبیل اللہ اموات بل ھم احیاء۔ بلاشبہ فضل حق آج بھی زندہ ہیں۔ اُن کی دعوت آج بھی وہی ہے، جو ایک سو سال قبل تھی۔ دعوتِ دین —— دعوتِ جہاد۔

(ہفت روزہ "زندگی" لاہور بابت ۱۳ نومبر سنہ ۱۹۶۲ء ص ۲۵، ۲۶)

(نادم سیتاپوری)

مولانا فضل حق خیرآبادی اور جنگ آزادی

مولینا فضل حق خیرآبادی سے میری کوئی قرابت داری تو نہیں تھی لیکن میرے اور مولینا کے خاندانوں میں برادری کا وہ قدیم رشتہ ضرور تھا جو اودھ کے تمام قصبات میں پھیلا ہوا تھا پھر سیتاپور اور خیرآباد کے درمیان فاصلہ ہی کتنا تھا، پانچ یا چھ میل۔ انقلاب سن ستاون سے پہلے سیتاپور کو مرکزیت ہی حاصل نہیں تھی۔ بلکہ خیرآباد ہی نظامت (کمشنری) تھی، اس لئے قیاس یہی کرنا چاہیئے کہ سیتاپور اور خیرآباد میں گھرآنگن کا بھی ایک کہاوتی رشتہ ضرور ہوگا۔ خود مولینا خیرآبادی تمام عمر خیرآباد سے باہر ہی رہے، مگر وطنی تعلق ہمیشہ باقی رکھا۔ بہت سے افراد خاندان یہیں رہے اور آخری آرام گاہ تو بیشتر افراد کی خیرآباد ہی قرار پائی یہ اور بات ہے کہ چند روز کے بعد خیرآباد میں کوئی یہ بھی بتانے والا باقی نہ رہے گا کہ مولینا فضل امام خیرآبادی کا اور شمس العلماء مولینا عبدالحق خیرآبادی کی قبریں بڑے مخدوم صاحبؒ کے مزار کے شمال مغربی گوشے میں کہاں پر تھیں؟ مولینا خیرآبادی کے خلاف دشمن تو دشمن خود دوستوں نے وہ سلوک کیا جس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ انقلاب سن ستاون کے بعد برصغیر کا مسلمان سیاسی خلفشار کے علاوہ معاشرتی، سماجی اور مذہبی افراتفری کا شکار رہا۔ مسلمانوں میں کتنی تحریکیں ابھریں اور معاشرے کو روندتی ہوئی ختم ہوگئیں۔ مولانا خیرآبادی بھی اسی چکر میں پس گئے۔ انگریز پرست مسلمان تو مولینا سے اس لئے خفا تھا کہ وہ سن ستاون کی جنگ آزادی میں مجاہدانہ

اور باغیانہ کردار کے حامل رہ چکے تھے اور کٹر مذہبی حلقے اس لئے ناراض تھے کہ مولٰینا خیرآبادی حضرت شاہ اسماعیل شہید کے نظریات سے متفق نہیں تھے۔

ایک صدی بیت گئی! لیکن ذہنی گرد و غبار کے بادل نہ چھٹ سکے۔ انگریز جب تک برصغیر میں برسراقتدار رہا آئین اور قانون کی دیواروں سے جھانک کر بہت سے چہرے پہچانے گئے۔ مگر نظر نہ آسکی تو ایک مولٰینا فضل حق کی ڈراؤنی صورت تھی۔ جن کی "غالب ساز" شخصیت کو چھپانے کے لئے بڑے بڑے غالب شناس، ریسرچ اور تحقیق کی پُرخار وادیوں سے آگے نہ بڑھ سکے۔

خدا بھلا کرے محبی مولٰینا عبدالشاہد خاں شروانی کا جنہوں نے سب سے پہلے اس مظلوم شخصیت کو حیات تازہ بخشی اور "باغی ہندوستان" لکھ کر ایک بار پھر یاد دلا دیا کہ مولٰینا فضل حق خیرآبادی صرف عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ ایک مرد مجاہد بھی تھے جنہوں نے انقلاب سن ستاون میں عزم و عمل کا ایک ایسا کردار ادا کیا تھا جسے ہند و پاک میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مولٰینا شروانی کی یہ پہلی تالیف تھی۔ اپنے موضوع سے انہیں والہانہ عشق بھی تھا اس لئے "زور بیان" میں وہ بعض مقامات پر اپنے موضوع سے آگے نکل گئے اور کہیں پیچھے رہ گئے۔ سب سے زیادہ غضب یہ ہوا کہ انہیں مرحوم مفتی انتظام اللہ خاں شہابی کی غیر معتبر اور غیر مستند حکایات و روایات کا بھی سہارا لینا پڑا۔ انجام ظاہر تھا۔

"خیرآبادیات" کے موضوع پر "نقش اول" کا درجہ رکھنے کے باوجود یہ تالیف اہل تحقیق و تنقید کی "خوردہ گیری" سے نہ بچ سکی۔

مولٰینا شروانی کی آواز کہاں تک پہنچی؟ میں اس سلسلے میں بہت کچھ لاعلم ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ "باغی ہندوستان" کی اشاعت کے بعد ایک روسی مستشرق "مادام پُولونسکایا" مولٰینا فضل حق خیرآبادی کے سیاسی افکار اور "فلسفۂ بغاوت" پر تحقیقی کام

کرنے کے لئے ہندوستان پہنچی تھیں۔ ایک طرف تو "بیرون ہند" مولینا خیرآبادی کی سیاسی زندگی "فلسفۂ بغاوت" کی چھان بین ہورہی تھی دوسری طرف انقلاب سن ستاون کے مسلم مجاہدین آزادی کو رسوا اور بدنام کرنے کا آغاز ہو چکا تھا اس سلسلے میں غیر ملکی امداد و تعاون پر چلنے والا دہلی کا ایک نیم ادبی ماہ نامہ پیش پیش تھا۔

حسن اتفاق کہ اسی زمانے میں محب محترم مولینا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری کو کتب خانہ رامپور میں ایک ایسی تاریخی "عرضی" مل گئی جس پر مولینا فضل حق خیرآبادی کی مہر لگی ہوئی تھی اس عرضی پر ۱۸ر فروری (۱۸۵۹ء) کی تاریخ پڑی ہوئی تھی جس سے مولینا عرشی کو یہ دھوکہ ہوا کہ یہ تحریر مولانا خیرآبادی کی تاریخی درخواست کا درجہ رکھتی ہے حالانکہ اگر مولینا غور فرماتے تو بہ آسانی یہ نتیجہ نکال سکتے تھے کہ عرضی پر جو تاریخ پڑی ہوئی ہے مولینا خیرآبادی کی مہر ہونے کے باوجود وہ کسی طرح ان کی تحریر نہیں ہو سکتی، کیونکہ مولانا خیرآبادی اس سے قبل ۳۰ر جنوری ۱۸۵۹ء کو گرفتار کیے جا چکے تھے اور غدر سن ستاون کے گرفتار شدگان کے ساتھ انگریز وہی سلوک کرتے تھے جو "مارشل لا" کے ہنگامی دور میں اب بھی کیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ کہ مولینا خیرآبادی قیدِ فرنگ سے کوئی "عرضی" یا درخواست نواب رامپور کو پیش کر سکتے اور وہ بھی اپنی مہر لگا کر۔ جو دوسرے سامان کی طرح ان کے ساتھ جیل میں ہرگز نہیں جا سکتی تھی۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اس زمانے میں ڈاکٹر اطہر عباس کی ایک کتاب "سوتنتر بھارت" شائع ہوگئی جس میں اخبار الظفر دہلی کے پرانے زمانے میں چھپے ہوئے ایک ایسے فتوے کا عکس بھی شامل تھا۔ جس پر مولینا خیرآبادی کے دستخط نہیں تھے۔ انقلاب سن ستاون میں دہلی کے علمار نے کئی فتوے دیئے تھے۔ جن کا تذکرہ سن ستاون کے سلسلے میں کئی جگہ ملتا ہے۔ لیکن مولینا عرشی نے اس مطبوعہ فتوے ہی کو اول و آخر فتویٰ قرار دیکر ایک طویل مقالہ تحریر فرمایا اور وہ بھی اس روشنی میں کہ مولینا فضل حق نے سن ستاون کی جنگ آزادی میں کسی قسم کا کردار ادا نہیں کیا تھا۔ چونکہ مولینا عرشی

نے یہ مقالہ لکھنے سے پہلے اپنے ذہن کو منفی انداز میں تیار کر لیا تھا اس لیے انہوں نے اپنی دیرینہ روایات کے خلاف اپنے گرد و پیش پر قطعاً نظر نہیں ڈالی اور ضروری مواد کو دیکھے بغیر عجلت میں یہ مضمون قلم بند فرما دیا حالانکہ اگر وہ چاہتے تو خود ان کے گرد و پیش ایسا مواد پھیلا ہوا تھا جسے ملاحظہ فرما کر وہ اپنی دیرینہ روایات کو قائم رکھ سکتے تھے۔

میں مولانا عرشی کی علمی سنجیدہ روی، شائستگی اور متانت کا ہمیشہ معترف رہا اور آج بھی ان کی تحقیقی و علمی عظمت کا قائل ہوں اسی لیے جب میں نے مولانا کے مضمون میں مولانا خیرآبادی کے متعلق یہ جملے دیکھے تو کچھ دیر تک اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا۔

"ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولانا خیرآبادی نے غیر شرعی شوقِ شہادت" سے مجبور ہو کر ایسا "جھوٹ" بولا تھا جو اگر باور کر لیا جاتا اور اس کے مطابق انہیں پھانسی دے دی جاتی تو وہ ایک طرح کی خودکشی کے مرتکب ہوتے"۔

(صفحہ ۱۰، ۱۱ ماہنامہ تحریک دہلی اگست ۱۹۵۷ء)

مولانا عرشی نے اس موضوع کے ساتھ تحقیقی برتاؤ نہیں کیا؟ نواب رامپور کے نام اس عرضی کو بنیاد بنا کر مولانا عرشی نے یہ مفروضہ قائم کر لیا۔ مولانا خیرآبادی پر حسب ذیل تین الزام عائد کیے گئے تھے۔

(۱) خاں بہادر کے ساتھ بریلی میں تعاون اور مولانا کی طرف سے پیلی بھیت میں نظامت۔

(۲) پھر خان علی خاں کی طرف سے محمدی کی چکلہ داری۔

(۳) پھر ایک باغی لشکر کی کمان داری۔

مولانا عرشی نے اس عرضی کو بنیاد بنا کر یہ تین الزامات اخذ کیے ہیں اور انہیں الزامات کا سہارا لے کر مولانا فضل حق خیرآبادی کے "غیر شرعی شوق شہادت" اور "جھوٹ" کا تحقیقی محاسبہ فرمایا ہے۔ لیکن آپ انگشت بدنداں رہ جائیں گے جب مولانا فضل حق کی اس فرد جرم میں ان تین الزامات کے برعکس صرف یہ دو ہی الزام ملیں گے جنہیں جناب

مالک رام نے مولینا فضل حق کے خلاف اس سرکاری فائل سے پیش کیا ہے جس کی بنیاد پر مولینا خیرآبادی کے خلاف "مارشل لاکورٹ" نے جرم بغاوت لگا کر انہیں کالے پانی کی سزا دی تھی۔

مارشل لاکورٹ کی یہ فرد جرم تین نہیں صرف دو الزامات پر مبنی ہے۔

(۱) پوری بغاوت کے دوران میں بالعموم لوگوں کو بھڑکانا۔

(۲) ۱۸۵۸ء میں بالخصوص اودھ میں بغاوت پر اکسانا۔

مولینا عرشی کی عائد کردہ فرد جرم میں کتنا فرق ہے؟ اسے ایک قانون داں ہی محسوس کر سکتا ہے۔ کیونکہ قانون کی اساس و بنیاد الفاظ پر رکھی گئی ہے۔ اگر بقول مولینا عرشی "عرضی" مورخہ ۱۸ فروری ۱۸۵۹ء سے یہی نتیجہ نکلتا ہو جو انہوں نے نکالا ہے تب بھی وہ فرد جرم کی حیثیت نہیں رکھتی اور نہ اسے بنیاد بنا کر کسی کو جھوٹا قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس مقدمہ کی روداد سے یہ ثابت ہے کہ مولینا خیرآبادی کے مقدمہ کی کارروائی کا براہِ راست تعلق ان واقعات سے نہیں تھا جن کا تذکرہ مولینا عرشی نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔

مولینا فضل حق سے منسوب عرضی (۱۸ فروری ۱۸۵۹ء) کے علاوہ مولینا عرشی نے "سوتنتر دہلی" میں چھپے ہوئے اس فتوے کے عکس کو بھی بنیاد بنایا ہے جو "صادق الاخبار دہلی" ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء سے لیا گیا ہے اور جس پر مولانا خیرآبادی کے دستخط نہیں ہیں۔ یہ فتویٰ سب سے پہلے اخبار "الظفر دہلی" میں چھپا تھا۔ لیکن مولینا عرشی اب سے ڈیڑھ سو سالہ قدیم اغلاطِ کتابت و طباعت کی مشکلات سے باخبر ہونے کے باوجود کسی طرح یہ ثابت نہیں کر سکے کہ "صادق الاخبار" میں چھپا ہوا فتویٰ اخبار الظفر دہلی کی ہو بہو نقل ہے جن لوگوں کے سامنے ۱۸۵۷ء سے پہلے کی "لیتھو" طباعت کی اسقام ہیں وہ کسی طرح بھی اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ الظفر سے نقل کرنے کے باوجود یہ تحریر کتابت کی اغلاط سے پاک ہے۔ مجھے اس بات پر قطعاً اصرار نہیں ہے کہ یہ فتویٰ وہی جہاد کا فتویٰ ہے جس پر مولینا خیرآبادی کے دستخط تھے۔ مولینا عرشی ~~جلیے محتاط محقق~~ سے مجھے یہ بھی توقع نہیں تھی کہ وہ اپنی تحقیقی

عمارت کو ایسی بودی اور کمزور بنیادوں پر قائم کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔

اگرچہ مولینا عرشی نے فتوے کی بحث میں مفتی صدر الدین آزردہ کے "شہدت بالخیر یا شہدت بالجبر" کا غیر متعلق تذکرہ مناسب سمجھا۔

کاش قدیم لیتھو طباعت کی لاشعوری مشکلات کو سامنے رکھ کر وہ "صادق الاخبار" میں چھپے ہوئے فتوے کے عکس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے۔

مولینا عرشی نے جس بحث کا آغاز اگست ۱۸۵۷ء میں کیا تھا۔ اس کا بہت کچھ تکملہ جناب مالک رام کے اس مضمون (مولینا فضل حق خیرآبادی) پر ہوا جو ماہنامہ تحریک دہلی بابتہ جون ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا تھا۔

جناب مالک رام نے ایک جزو سے زائد ضخامت پر مشتمل اس مضمون میں حکومت ہند (نئی دہلی) کے "نیشنل آرکائیوز آف انڈیا" سے نارن پولیٹیکل ستمبر ۱۸۶۰ء نمبر ۵۷ کے ریکارڈ کی تلخیص کر کے شائع کردی۔ مگر اس التزام کے ساتھ کہ مولینا عرشی نے تحقیق کی جو نئی راہیں نکالی ہیں اُن پر حرف نہ آنے پائے۔

لیکن میں جناب مالک رام کی نیک نیتی اور محتاط نگاری کے احترام کے باوجود یہ عرض کروں گا کہ وہ قانونی موشگافیوں کی پرپیچ وادیوں سے یقیناً واقف نہیں ہیں۔ اگر اس "مثل" کی تلخیص سے پہلے وہ "بہادر شاہ ظفر" کے مقدمۂ بغاوت کی ترتیب اپنی نظر میں رکھتے تو شاید پڑھنے والوں کو صحیح نتیجہ نکالنے میں زیادہ آسانیاں بہنچا سکتے تھے۔

کیونکہ مارشل لا کا وہ مقدمہ بھی "آرمی ایکٹ" ہی کے تحت چلایا گیا تھا۔ اس قسم کے مقدمات کی فائلوں کی ترتیب کچھ اس طرح پر کی جاتی ہے۔

(۱) استغاثہ (۲) فرد جرم (۳) کارروائی مقدمہ (۴) پلیڈ نگس (۵) کاغذات مذہلہ فریقین (۶) درمیانی اور متفرق درخواستیں۔

آرمی ایکٹ ہو یا تعزیرات ہند ہر مقدمہ کی فائل تقریباً انہیں اجزا پر مشتمل ہوتی ہے کسی

مقدمہ کی کارروائی پر تحقیقی بحث کرنے کے لیے تمام اجزار کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے لیکن مالک رام صاحب نے صرف اپنے مفید مطلب باتوں کی تلخیص پیش کی ہے یہ انداز دکیلانہ تو ہے محققانہ نہیں۔ جناب مالک رام کو کم از کم ان کاغذات کی نقل ضرور پیش کرنی چاہیئے تھی۔ جن کا حوالہ مقدمہ میں دیا گیا ہے۔ مثلاً کمشنر دہلی کی وہ رپورٹ جس کا ذکر تجویز مقدمہ میں موجود ہے۔

لیکن ان تفصیلات کے باوجود مقدمہ کے مضمرات پھر بھی تحقیق طلب رہ جاتے ہیں جو مولینا فضل حق کے سرکاری وکلار میسرز سیون ہو۔ بیبی اینڈ لیبزلی کے مشورے کے مطابق تھے اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں کے خلاف نفرت رکھنے کے باوجود انگریز اپنے فرض کی ادائی میں کتنے دیانتدار تھے۔

بقیہ: نامور شاگرد

(۷) غالب اور عصر غالب از ڈاکٹر محمد ایوب قادری مطبوعہ کراچی سنہ ۱۹۸۲ء

(۸) سیرت امیر ملت از سید اختر حسین علی پوری مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۷۵ء

(۹) برکات علی پور از پیر خیر شاہ امرتسر مطبوعہ امرتسر سنہ ۱۳۳۶ھ/ راولپنڈی سنہ ۱۹۶۷ء

(۱۰) حیات شبلی از سید سلیمان ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ سنہ ۱۹۴۳ء

(۱۱) سعید البیان فی مولد سید الانس والجان از شاہ احمد سعید دہلوی مطبوعہ گوجرانوالہ سنہ ۱۹۸۲ء

(۱۲) نزہۃ الخواطر جلد ہشتم از مولانا عبد الحی لکھنوی مطبوعہ کراچی سنہ ۱۹۷۶ء / حیدر آباد دکن سنہ ۱۹۷۰ء

(۱۳) مفتی صدر الدین آزردہ از عبد الرحمن پرواز اصلاحی مطبوعہ دہلی سنہ ۱۹۷۷ء

(۱۴) ماہنامہ "نقوش" لاہور بابت اگست سنہ ۱۹۶۱ء فروری سنہ ۱۹۶۲ء

(محمود احمد برکاتی)

مولینا فضلِ حق خیرآبادی

مولینا فضل حق خیرآبادی الہیات، علمِ کلام، منطق اور فلسفے کے امام وقت تھے برعظیم کے معقولین میں ابتدا سے اب تک ان کا کوئی مثیل و نظیر نہیں ہے۔ عالم اسلام کے فلاسفہ میں وہ نصیر الدین طوسی میر باقر داماد اور صدر شیرازی کے ہم صف اور ہم رتبہ محققین میں سے تھے فلسفے الہیات اور منطق میں ان کی تالیفات شروح اور حواشی فلاسفۂ عالم میں ان کے مقام کا تعین کرتی ہیں۔ نصف صدی تک مسلسل تدریس کرتے رہے اور تلامذہ کی ایک معقول تعداد نے آپ سے کسبِ کمال کیا اور یوں منطق و کلام کے ایک جدید مکتبِ فکر۔ "مکتب خیرآباد" کے بانی قرار پائے۔

علوم میں اس علوِ مقام کے ساتھ مولینا کی حیات کا ایک تابناک باب یہ ہے کہ آپ ایک مدبر سیاسی اور مجاہد بھی تھے۔

یہی باب، ہمارا موضوع ہے!

مولینا کے سوانح حیات مختصراً یہ ہیں۔ ولادت ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء فراغتِ درس (بعمر ۱۳ سال) ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء ملازمت کمپنی ۱۲۳۱ھ/ ۱۸۱۶ء سے کچھ قبل، ولادت فرزند گرامی (مولینا عبد الحق) ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء۔ ولادت فرزند (علائمہ الحق) ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰ء۔ وفات والد ماجد (مولینا فضل امام خیرآبادی) ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء کمپنی کی ملازمت

(سررشتہ داری[1] عدالت دیوانی دہلی) سے استعفار ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۳۱ء کے اواخر میں ملازمت ریاست جھجھر میں ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۲ء پھر چند سال الور، سہارن پور اور ٹونک میں قیام کے بعد ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء سے ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء تک ریاست رام پور میں قیام (محکمہ نظامت اور مرافعہ عدالتین کے حاکم کی حیثیت سے) ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء سے ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۶ء کے اوائل تک لکھنؤ میں قیام (کچہری حضور تحصیل کے مہتمم اور صدرالصدور کی حیثیت سے) ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کے ابتدائی مہینوں میں الور تشریف لے آئے اور رمضان ۱۲۷۳ھ مئی ۱۸۵۷ء میں سن ستاون کی جنگِ آزادی کے آغاز پر دہلی تشریف لے آئے اور پورے ڈیڑھ سال (مئی ۱۸۵۷ء سے دسمبر ۱۸۵۸ء) تک دہلی اودھ کے مختلف اضلاع میں مجاہدین حریت کی رفاقت، اعانت اور قیادت فرماتے رہے۔ جنوری ۱۸۵۹ء میں گرفتار کرلیے گئے مقدمہ چلا اور جرم ثابت ہونے پر تمام زرعی اور مسکونہ جائداد اور ذخیرہ نو ادرکتب خانے کی ضبطی اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا سنا دی گئی۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں پورٹ بلیر (جزائر انڈمان) پہنچا دیئے گئے جہاں ۱۲ ار صفر ۱۲۷۸ھ/ ۲۰ر اگست ۱۸۶۱ء کو ۶۶ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

مولانا نے "سن ستاون" کی جنگ آزادی میں جو حصہ لیا وہ کسی وقتی جوش اور جذبے کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ جنگ آزادی برپا ہونے سے برسوں پہلے آپ برعظیم پر فرنگی راج کے استیلا و تسلط، فرنگی حکام کی نااہلی اور ستم شعاری کی وجہ سے بددل، بیزار اور نفور تھے اور مولانا نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اگرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت ہی

---

[1] اس سررشتہ داری میں انہیں وہ دبدبہ اور قوت وشوکت حاصل تھی جو اس زمانے میں ڈپٹی کمشنر کو ہے آپ کے مکان پر اہل مقدمہ کا دربار لگا رہتا تھا۔ اور زندگی نہایت عزت واحترام سے بسر ہوتی تھی"۔ مرزا حیرت، حیاتِ طیبہ ص۱۰۲

سے کیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملازمت ناپسند ہونے کے باوجود والد ماجد کے حکم اور خواہش کی ایک سعادت مندانہ تعمیل تھی۔ ملازمت کے تین چار سال بعد ہی ۱۸۱۸ء میں والد ماجد کے نام اپنے ایک مکتوب میں اس ملازمت سے بیزاری کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں[1]

"میں خدا کے فضل و کرم سے خوش حال اور مطمئن ہوں مگر ملازمت میں ذلت و خواری بہت ہے حاکم کے سامنے مستقل حاضر رہنا پڑتا اور اس کے وہ احکام املا کرنا ہوتے ہیں جو قابل قبول نہیں ہوتے۔ قسم خدا کی اگر مجھے رسوائی کی شرم نہ ہوتی تو کبھی کا کہیں اور منتقل ہو جاتا اور متوکلانہ زندگی بسر کرتا۔"

شاید والد ماجد کا اصرار ملازمت کے برقرار رکھنے کے سلسلے میں جاری رہا اور مولینا صبر و تحمل سے کام لیتے رہے مگر والد کی رحلت کے معاً بعد مولینا نے غلامی کا یہ لبادہ اتار پھینکا اور والیٔ جھجر نواب فیض محمد خاں کی دعوت پر ریاست جھجر کا قیام منظور فرما لیا۔ مرزا غالبؔ نے "آئینۂ اسکندری" (کلکتہ) کے مدیر کے نام اپنے مراسلے (مورخہ ۳۱ جنوری ۱۸۳۲ء) میں اس واقعہ پر جن جذبات کا اظہار کیا ہے اگر مولینا سے مرزا غالبؔ کے مراسم اخوت و اتحاد کے پیش نظر ہم انہیں مولینا کے جذبات و تاثرات تصور کریں۔ تو بے جا نہ ہوگا خصوصاً اس لئے کہ فرنگی حکومت کے متعلق مرزا غالب نے ایسے الفاظ کہیں اور استعمال نہیں کئے

بے تمیزی و قدر ناشناسیٔ حکام رنگ	حکام فرنگ کی بے تمیزی اور قدر
آں ریخت کہ فاضل بے نظیر والمعیٔ	ناشناسی نے رنگ دکھایا کہ

---

[1] مولینا کی قلمی بیاض ص۲۸ (مملوکہ مولوی حکیم نصیر الدین ندوی، کراچی) ہم نے اس عربی مکتوب کا اردو میں ترجمہ پیش کیا ہے۔

[2] کلیات نثر غالبؔ ص۱۴۸

یگانہ مولوی حافظ فضل حق از سر رشتہ داری عدالت دہلی استعفا کردہ خود را از ننگ و عار وارہانند حقا کہ از پایۂ علم و فضل و دانش و کنش مولوی فضل حق آں پایہ بکاہند کہ از صد یک دا ماند باز۔ آں پایہ را بسر رشتہ داری عدالت دیوانی سنجند ایں عہدہ دوں مرتبہ وے خواہد بود	فاضلِ بے نظیر و المعی یگانہ مولوی حافظ محمد فضل حق نے عدالت دیوانی کی سر رشتہ داری سے استعفا دیکر ننگ و عار سے نجات پائی۔ واقعہ یہ ہے اگر مولینا کے علم و فضل کے ایک فی صدی کا عدالتِ دیوانی کی سر رشتہ داری سے موازنہ کریں تو اس عہدہ کا پلہ ہلکا نکلے گا۔

مولینا نے اس قطع تعلق پر ہی اکتفا نہیں فرمایا کہ انگریز حکام کے ظالمانہ احکام واقدامات اور اس سے عوام کی تکالیف اور پریشانیوں کا بھی بہ تفصیل جائزہ لیتے رہے اور ان تکالیف کے ازالہ کے لئے جدوجہد بھی فرماتے رہے مولینا کی ان سرگرمیوں کا پتہ ہمیں اس درخواست[1] سے چلتا ہے۔

---

[1] یہ درخواست جناب نثار احمد فاروقی کو اپنی ایک قلمی بیاض میں دستیاب ہوئی ہے اور انہوں نے نوائے ادب بمبئی (جلد ۱۳ شمارہ ۲ جولائی ۱۹۶۲ء) میں شائع کی ہے فاروقی صاحب نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ درخواست بہادر شاہ ظفر کے نام ہے مگر ہمارا خیال ہے کہ یہ اکبر شاہ ثانی کے نام ہے کیونکہ اس میں سر چارلس مٹکاف کے ایک تازہ حکم کا ذکر ہے اور سر چارلس مٹکاف پہلے ۱۸۱۱ء سے ۱۹ تک اور پھر دوبارہ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۲۷ء تک دہلی کے ریزیڈنٹ رہے تھے۔ اور ۱۸۴۶ء میں وفات پاگئے تھے۔ (ملاحظہ ہو ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی ص ۲۸۷ مطبوعہ ۱۹۰۶ء از بٹ لینڈ) اس لئے یہ درخواست ۱۸۲۷ء سے پہلے کسی سن میں لکھی گئی ہے اور اس دور میں اکبر شاہ ثانی زندہ تھے بہادر شاہ ظفر تو ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئے تھے۔ یہ درخواست افسوس ہے کہ ناقص الآخر ہے۔

جو مولینا نے "سن ستاون" سے کم سے کم ۳۰ سال پہلے اکبر شاہ ثانی (ف ۱۸۳۷ء) کے نام رعایائے شہر کی طرف سے مرتب کی تھی۔ ذیل میں اس طویل فارسی درخواست کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے (اصل فارسی متن ضمیمہ نمبر ا میں ملاحظہ فرمائیں)

ملک کی اقتصادی حالت

یہاں کے باشندے ہندو ہوں یا مسلمان ملازمت، تجارت، زراعت حرفت، زمینداری اور دریوزہ گری پر معاش رکھتے ہیں۔ انگریزوں کی حکومت کے قیام کے بعد سے معاش کے یہ تمام وسائل مسدود و مفقود ہو گئے ہیں۔ ملازمت کے دروازے شہریوں پر بند ہیں۔ تجارت پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ کپڑا، سوت، ظروف اور گھوڑے وغیرہ تک وہ فرنگ سے لے کر خود فروخت کر کے نفع کماتے ہیں۔ معافی داروں کی معافیاں ضبط کر لی گئی ہیں۔ کسانوں کو محاصل کی کثرت نے بدحال کر دیا ہے۔

ان چاروں طبقوں کی زبوں حالت کے نتیجے میں اہل حرفہ اور ان سب کے نتیجے میں دریوزہ گر تنگیٔ معاش کے شکار ہیں۔

دہلی کی اقتصادی زبوں حالی

دہلی میں ہوڈل وغیرہ بہت سے پرگنے جاگیر میں شامل تھے اور جاگیرداروں کے یہاں ہزاروں آدمی فوج، انتظامی امور اور شاگرد پیشہ کی خدمت پر مامور تھے۔ اب یہ پرگنے اور دیہات و مواضعات انگریزوں نے ضبط کر لئے ہیں اور لاکھوں کسان بے روزگار ہو گئے ہیں۔ بیواؤں کی معاش چرخہ کاتنے رسیاں بٹنے اور چکی پیسنے پر موقوف تھی۔ اب رسی کی تجارت حکومت (کمپنی)

اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہاتھ کی چکیوں کی جگہ پن چکیاں لگ گئی ہیں تو یہ ذریعہ معاش بھی جاتا رہا۔ عوام کی اس بے بضاعتی اور بے روزگاری کی وجہ سے اہل حرفہ اور ساہوکار بے روزگار اور رزق سے محروم ہو گئے ہیں۔

ان سب پر مستزاد اب چارلس مٹکاف نے یہ حکم دیا ہے کہ غریب زرچوکیداری[1] ادا کیا کریں یہ ٹیکس پہلے کبھی نہیں لیا جاتا تھا۔

دوسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر گلی کے دروازے پر پھاٹک لگایا جائے جس کا کوئی فائدہ معلوم و متصور نہیں ہے۔

تیسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ان پھاٹکوں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات مقرر ہوں جس سے ہمیں مشکلات کا سامنا ہے۔

چوتھا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر محلے میں ۵/۵ پنچ مقرر کئے جائیں"۔

اس درخواست سے جہاں مولینا کی سیاسی بصیرت اور عوام کے مسائل اور شہری زندگی کی مشکلات پر ان کی گہری نگاہ کا ثبوت ملتا ہے وہاں یہ بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ انہوں نے ان تمام مشکلات و مصائب کے سرچشمہ پر انگلی رکھ کر صحیح تشخیص کر لی تھی اور اسباب کا تجسس کر کے اس کا تعین فرما دیا تھا۔ کہ یہ سارے مسائل غیر ملکی حکمرانوں کے پیدا کردہ ہیں پھر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ درخواست دہلی کے ریزیڈنٹ کے نام نہیں ہے جو شہر و ضلع کا حقیقی حاکم تھا، بلکہ "حضور جہاں پناہ" کے نام ہے یعنی ساکنان دہلی کے مسائل لال قلعے کے لئے بے اختیار و محروم اقتدار مغل "شہنشاہ" (اکبر شاہ ثانی) کے سامنے پیش کئے گئے ہیں، حالاں کہ لال قلعہ ۱۸۰۳ء سے ویران تھا اور اکبر شاہ ثانی کے والد شاہ عالم

---

[1] چوکیدارہ ٹیکس کا قانون یوپی میں سنہ ۱۸۱۴ء میں نافذ ہوا تھا۔ ممکن ہے دہلی میں بھی اسی سال یا چند سال بعد یہ قانون بعد یہ قانون بعد یہ قانون نافذ ہوا ہو۔ اس سے بھی اس درخواست کے عہد کا تعین ہوتا ہے۔

کی حکومت دہلی سے پالم تک رہ گئی تھی اکبر شاہ ثانی کی تو صرف لال قلعہ تک محدود تھی۔ خود شہنشاہ نے کمپنی کی وظیفہ خواری پر قناعت فرمائی تھی اور عوام بھی اپنی تمام ضروریات کے سلسلے میں نئے حکمرانوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے انہیں کی عدالتوں میں انصاف کے لئے جاتے تھے اور انہی کو سلام کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔ ان حالات میں برعظیم کا ایک عالم دین۔ جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سیاست نہیں جانتا۔ عوام کو دوبارہ لال قلعے کی پھاٹک کی طرف لئے جا رہا ہے اور ان کی طرف سے درخواست لکھ کر ان کے حالات و خیالات کا ترجمان بن کر ان کو حضور "جہاں پناہ" کے دیوانِ عام میں لا کھڑا کرتا ہے اور اس طرح ایک پیچیدہ نفسیاتی تحریک چلاتا ہے جس سے ایک طرف عوام کو دوبارہ اپنے جانے پہچانے مرکز حکومت سے گرہ کشائی اور حل مشکلات کی توقعات پیدا ہوں گی۔ دوسری طرف خود ان جہاں پناہ کی خودی بیدار ہونے کے امکانات ابھریں گے اور ان کی غیرت و حمیت بھی ممکن ہے انگڑائی لے کر جاگ اٹھے۔ تیسری طرف برطانوی حکومت کے کارکن چونکیں گے کہ یہ کیا ہوا ہے؟ سمت قبلہ پھر تبدیل ہو رہی ہے اور چونک کر ایک طرف تو وہ ان مشکلات پر توجہ دیں گے دوسری طرف شاہ کے ساتھ اپنے رویئے میں نرمی اختیار کریں گے اور ان گستاخیوں اور اہانت کوشیوں کو لگام دیں گے جن کا سلسلہ انہوں نے کئی سال سے شروع کر رکھا تھا۔

مولانا کے انگریزوں کے متعلق یہ جذبات صرف وطنیت پر مبنی نہیں تھے یعنی وہ برعظیم پر انگریزوں کے بڑھے ہوئے تسلط کے اس لئے خلاف نہیں تھے کہ وہ ملکی نہیں تھے، غیر ملکی تھے ان کا تعلق ایشیا سے نہیں تھا یورپ سے تھا۔ بلکہ اس کی بنا مذہب پر تھی، ان کو غم انگریزوں کے قبضے کا نہیں، نصاریٰ کے قبضہ کا تھا اور نصاریٰ سے موالاۃ شرعاً ممنوع ہے اور قرآن کریم میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے ولا (دوستی) کی نہی فرمائی گئی ہے (المائدہ ۵۱) ایک قصیدے[1] میں فرماتے ہیں۔

[1] قصائد فتنۃ الهند، قصیدہ ہمزیہ

لم اقترف ذنباً سوی ان لیس لی مع هؤلاء مودة وولاء

نولائهم کفر بنص محکم مافیه للمرء المحق مراء

کیف الولاء وهم اعادی من له خلق السماء الارض والانشاء

میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں نے ان (نصاریٰ) سے محبت اور دوستی نہیں کی کیونکہ ان کی دوستی بنص محکم کفر ہے۔ اس بات میں ایک حق پرست آدمی کے لئے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے بھلا ان سے کیسی دوستی ؟ جو اس ذات گرامی سے عداوت رکھتے ہیں جو وجہ تخلیق ارض و سما ہے۔" (صلی اللہ علیہ وسلم)

مولٰنا ان "النصاریٰ البراطنہ" (برطانوی عیسائیوں) کے عزائم اور اقدامات کا بغور مطالعہ کر رہے اور بڑے دکھ کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔ کہ

هموا بان ینصروا کلاً من قطانها انگریزوں نے ملک کے تمام امیر و غریب

وسکانها درها وجوصها واعیانها چھوٹے بڑے، مقیم و مسافر، شہری

ونالها ونذالها واجلتها وا اور دیہاتی باشندوں کو نصرانی

ذلتها تنصیراً [1] بنانے کا منصوبہ بنایا ہے۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ انگریز اب شعائر دین اور احکام شرع پر عمل میں بھی مزاحم ہو رہے ہیں۔

والی غیر ذلک مما فی قلوبهم من المنی ان (اقدامات) کے علاوہ ان کے دل

اوالاهوا وما تکن صدورهم میں اور بہت سے مفاسد چھپے ہوئے

من الفتن والاسواء کالافتتان ہیں، مثلاً فتنہ کی مخالفت، شریف

---

[1] رسالہ عذریہ

[2] رسالہ عذریہ

بمنع الختان ورفع الحجاب مِن العقائل والخواتین وطمس سائر احکام الدین الحکم المتین[۲]

مستورات میں بے پردگی کا رواج اور تمام احکامِ دینِ متین کو مٹا ڈالنا۔

مولینا یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ انگریزوں کی نظر میں ملک پر ان کے ہمہ گیر تسلط اور ان کی حکومت کے استحکام کے لئے اس ملک کے تمام باشندوں کا صرف ایک مذہب "عیسائیت" ہونا شدید ضروری ہے اور اس مذموم مقصد کے حصول کے لئے وہ نظام تعلیم کو تبدیل کر رہے ہیں اور جگہ جگہ سکولوں کا جال بچھاتے چلے جا رہے ہیں[۳]

مولانا کی طرح ملک کے دوسرے گوشوں میں بہت سے درد مند اور وطن دوست ہندو اور مسلمان، علماء، زعماء اور فوجی بھی ان حالات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے اور برطانوی سامراج کے امنڈتے ہوئے سیلاب کے خلاف جدوجہد کی تیاریاں کر رہے تھے باہم ملاقاتیں ہو رہی تھیں، مشورے کئے جا رہے تھے اور پورے ملک میں بیک وقت ایک تحریک شروع کر دینے کا منصوبہ تیار ہو رہا تھا۔ تاآں کہ اس کے لئے مئی ۱۸۵۷ء کا مہینہ طے کر لیا گیا اور بالآخر دہلی کے قریب ایک فوجی مرکز میرٹھ میں ۱۶ ر رمضان / ۱۰ مئی کو انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی کا آغاز ہو گیا۔

بقیہ: تحریک کا عظیم مجاھد

ہمیں علامہ فضل خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو ہمیشہ زندہ رکھنا چاہیے۔ ان کی تحریک کو علمائے حق نے ہمیشہ زندہ رکھا۔ بالخصوص اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اُن کے مسلک کے عُلماء نے

---

۳ رسالۂ غدریہ

مولانا فضل حق خیرآبادی کے والد مولانا فضل امام خیرآباد کے ممتاز علماء اور اہل علم میں شمار کیے جاتے تھے مولوی فضل حق نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور اس کے بعد شاہ عبدالقادر محدث اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے اصحاب دانش سے حاصل کی وہ اعلیٰ ملازمتوں کے ساتھ ساتھ اپنی علمی سرگرمیوں میں مشغول رہے۔ طالب علموں سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا بعض اوقات بر سر عدالت مقدمات کی سماعت کے دوران بھی ضرورت مند طلبا کو سبق دیتے جاتے تھے۔ مولوی فضل امام کی وفات کے بعد فضل حق کی عمر ۲۸ سال تھی اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔ دہلی میں انگریز ریذیڈنٹ مقرر ہو چکا تھا۔ مولوی فضل حق اس کے محکمہ میں سررشتہ داری کے عہدے پر متعین ہوئے جو اس وقت بہت بڑی بات تھی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا تبادلہ ریذیڈنسی کمشنری میں کر دیا گیا۔ یہ وہ دور تھا جب انگریزوں کی قوت دن بدن بڑھ رہی تھی وہ کسی بڑی سے بڑی ہستی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ علامہ فضل حق جیسی خوددار شخصیت اس کیفیت کو کس طرح گوارا کر سکتی تھی۔ اس لئے انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ نواب فیض محمد خاں والی جھجر نے پانچ سو روپیہ ماہوار کی پیش کش کی۔ آپ نے یہ تجویز منظور کر لی اور دہلی سے جھجر روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر یا قصبہ جانا بڑا واقعہ تصور کرتے اس لئے دہلی کے تمام ہی اہل علم کو صدمہ ہوا۔ ولی عہد سلطنت ابو ظفر محمد سراج الدین ظفر نے اپنا ملبوس دوشالہ آبدیدہ ہو کر اوڑھا دیا۔ مرزا غالب بھی مولوی صاحب کی جدائی سے پریشان تھے۔ جس کا اظہار ان کی اکثر تحریروں میں ملتا ہے۔ ایک عرصہ تک دربار جھجر سے وابستہ رہنے کے بعد آپ مہاراجہ الور سے وابستہ ہو گئے۔ پھر ریاست ٹونک ہوتے ہوئے ریاست رام پور پہنچے اور محکمہ عدالت سے منسلک ہو گئے۔ ریاست رام پور کے مشہور عالم دوست نواب کلب علی خاں آپ ہی کے شاگرد تھے۔ دربار رام پور اور مرزا غالب کے تعلقات مولوی فضل حق کے توسط سے قائم ہوئے۔

۱۸۴۸ء میں مولوی صاحب لکھنؤ پہنچے اور "حضور تحصیل" کے مہتمم قرار پائے "حضور تحصیل"۔ مملکت اودھ کی خصوصی اصلاح کے لئے قائم کی گئی تھی۔

مولوی فضل حق خیر آبادی اور مرزا غالب میں بڑی دوستی تھی۔ ایک عجیب بات یہ مشاہدہ میں آئی کہ دونوں ایک ہی سال اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سلسلہ میں جب علمائے دہلی نے فتویٰ جہاد جاری کیا تو مولانا فضل حق نے بھی دستخط فرمائے۔ لکھنؤ میں آپ کے خلاف مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ دوران مقدمہ آپ نے حیرت انگیز صبر و استقلال زور خطابت اور دلیری کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے اپنی وکالت خود فرمائی۔ پہلے اپنے اوپر فرضی الزامات عائد کئے جو سرکاری فہرست سے کہیں سخت تھے۔ اور پھر ایک ایک کرکے جاندار استدلال سے رد کردیا۔ آخر میں فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے کے جرم کا بڑی دلیری اور جرأت کے ساتھ اقرار کرکے خود حاکم عدالت کو حیرانی میں ڈال دیا، جو چاہتا تھا کہ مولانا کسی نہ کسی بنیاد پر انکار کردیں تو وہ ان کو آزاد کردیں۔ بحث کے دوران سرکاری وکیل اور انگریز لاجواب ہوکر رہ گئے۔ بالآخر حبس دوام بہ عبور دریائے شور سزا سنائی گئی۔ "صدق جدید" لکھنؤ کے مدیر مولانا عبدالماجد دریاآبادی کے دادا مفتی مظہر کریم اور منشی عنایت احمد کاکوروی صدر امین بریلی نیز اور بہت سے علماء فضلاء پہلے سے کالے پانی میں موجود تھے اگرچہ انگریزوں نے ان یگانۂ عصر شخصیتوں کو ذلیل و خوار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان سے مٹی ڈھلوائی ہل چلوائے۔ عام مزدوری کا کام لیا۔ لیکن وہ ان کی ذہنی توانائی کو مجروح کرنے میں قطعاً ناکام رہے اس زمانہ میں ایک انگریز جو سپرنٹنڈنٹ جیل تھا کسی حد تک علمی آدمی تھا وہ مشرقی علوم اور فن ہئیت میں خصوصی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے اپنی ایک فارسی کتاب ایک اور مولوی صاحب کو جو اس کی پیشی میں تھے درست کرنے کو دی لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ جب یہ کتاب مولوی فضل حق کے سپرد ہوئی تو انہوں نے بالکل درست کردی۔ نیز کچھ مفید اضافے بھی کئے جن کے ثبوت میں حاشیہ میں کتابوں کے حوالے بھی لکھ دیئے۔ سپرنٹنڈنٹ مولوی صاحب کی زبردست یادداشت اور قابلیت کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور کہنے لگا "تم بڑا لائق آدمی ہے" اس نے ازراہ مہربانی مولوی صاحب کو مزدوروں کے زمرے سے نکال کر "کلرک" بنادیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ گورنمنٹ میں ان کی رہائی کی سفارش لکھ دی۔ دوسری طرف مولانا کے لائق صاحبزادہ مولانا عبدالحق و خواجہ غلام غوث بے خبر میر منشی لفٹیننٹ گورنر مغربی و شمالی صوبہ اودھ (یوپی) ان کی رہائی کے سلسلے میں کوشاں تھے۔

رہائی کا پروانہ لے کر سعادتمند بیٹا خود انڈمان پہنچا۔ ساحل پہ قدم رکھتے ہی ایک جنازہ پر نظر پڑی جس کے ساتھ مخلوق خدا ٹوٹی پڑتی تھی۔ اتنا عظیم اژدہام دیکھ کر مولانا عبدالحق نے دریافت کیا کہ کس کا انتقال ہوگیا ہے۔ جواب ملا کہ مولوی فضل حق خیر آبادی مجاہد جنگ آزادی عالم باعمل اس جہان فانی سے کوچ کرگئے۔ صاحبزادے نے آسمان کی طرف منہ کرکے دل کو تھام لیا اور جنازہ میں خود بھی

(باقی صفحہ ۱۷۲ پر)

مولانا فضل حق خیرآبادی رام پور میں

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

مولانا فضل حق خیرآبادی، نواب محمد سعید خاں کے سربرآرائے حکومت ہونے کے بعد رام پور تشریف لے گئے۔ نواب محمد سعید خاں ۲۰ راگست ۱۸۴۰ء کو تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے زمام ریاست سنبھالنے کے بعد بعض تجربہ کار اہل کار بلائے، علماء و فضلا کی قدردانی فرمائی۔ نامور علما ان کے دور میں رام پور پہنچے۔ بشیر حسین زیدی سابق چیف منسٹر رام پور لکھتے ہیں[۱]:

"انتظامی امور سے فارغ ہونے کے بعد نواب جنت آرام گاہ
نواب محمد سعید خاں نے سرپرستی علم و ادب کی طرف قدم بڑھایا
مولانا فضل حق خیرآبادی، ملک الشعرا مہدی علی خاں ذکی
مرادآبادی، حکیم احمد خاں فاخر رام پوری اور دیگر علما و ادبا
مختلف کتابوں کے ترجمہ و تالیف پر مامور ہوئے"۔

اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ ۱۸۴۰ء میں مولانا فضل حق رام پور آگئے تھے کیونکہ منشی امیر احمد مینائی نے مولانا خیرآبادی کے رام پور کے قیام کی مدت آٹھ سال لکھی ہے[۱]۔ وہ ۱۸۴۷ء میں رام پور سے لکھنؤ جا چکے تھے۔ لہٰذا مولانا کا قیام رام پور ۱۸۴۰ء تا ۱۸۴۷ء قرار پاتا ہے۔ مولف تذکرہ کاملان رام پور اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات لکھتے ہیں[۲]:

"مولوی نصیرالدین خاں رام پوری کے مرض موت میں نواب
جنت آرام گاہ (محمد سعید خاں) نے مولوی فضل حق خیرآبادی
کو بلایا۔ آپ (مولوی نصیرالدین خاں) کے ایک دوست
مولوی جلال الدین آپ کے ہم سایہ تھے۔ ان سے کہا کہ اگر

---

[۱] مکاتیب غالب مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی (رام پور ۱۹۴۹ء) ص ز

[۱] انتخاب یادگار ص ۲۹۲ [۲] تذکرہ کاملان رام پور ص ۴۱۷

صحت ہو گئی تو میں ان سے گفتگو کروں گا۔ مگر تم ان سے گفتگو
ہرگز نہ کرنا اس لئے کہ وہ نہایت زبردست معقولی ہیں۔ مولوی
فضل حق صاحب جس وقت رام پور پہنچے تو آپ کا انتقال
ہو چکا تھا۔[٣] مولوی فضل حق صاحب آپ کے مکان پر
فاتحہ خوانی کو آئے اور بہت افسوس سے کہتے تھے کہ میرا
آنا نواب صاحب کے حکم سے ہوا ہے مگر زیادہ تر شوق
یہاں آنے کا مولوی صاحب مرحوم (مولوی نصیر الدین خاں)
کی ملاقات کے لئے تھا۔"

مؤلف تذکرہ کاملان رام پور لکھتے ہیں[٤]

"نواب محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ نے جناب نواب
یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں کی تعلیم کے واسطے
بسفارش عبدالرحمٰن خاں، مولوی جلال الدین نابینا اور مولوی
عبدالعلی خاں ریاضی داں اور مولوی محمد رام پوری کو مقرر
فرمایا۔ ہر صاحب اپنے اپنے وقت پر حمد اللہ کے متعلق مختلف
تقریریں کیا کرتے تھے۔ فردوس مکاں (نواب یوسف علی خاں)
کی تسکین خاطر ان تینوں علمائے کے بیان سے نہ ہوئی تو مولانا
فضل حق دہلی سے بلائے گئے اور مولانا سے تعلیم شروع کرائی۔

حافظ احمد علی خاں شوق نے مولوی عبدالعزیز خاں کے حالات میں لکھا ہے۔[٥]

"نواب فردوس مکاں (نواب یوسف علی خاں) نے مولوی
فضل حق خیر آبادی سے یہ شرط کی تھی کہ کتاب کی عبارت ہم نہیں

---

[٣] مولوی نصیر الدین کا سال انتقال تذکرہ کاملان رام پور میں ١٢٦٦ھ لکھا ہے اگر یہ واقع صحیح ہے تو ان کا انتقال ١٢٥٦ھ میں ہونا چاہیئے کیونکہ مولانا خیر آبادی کی رام پور میں آمد اسی سال ہوئی۔ ص ٣

[٤] تذکرہ کاملان رام پور ص ٢٢٨

[٥] تذکرہ کاملان رام پور ص ٢٢٣۔ ص ٢٢٤

پڑھیں گے۔ قرأت کتاب پر مولوی عبدالعزیز خاں کا تقرر ہوا"۔

مولانا فضل حق کے سپرد[1] نواب محمد سعید خاں کے صاحبزادگان

(۱) نواب محمد یوسف علی خاں ولی عہد (ف ۱۲۸۱ھ)

(۲) محمد کاظم علی خاں (ف ۱۲۹۹ھ)

ہوئے اور ان دونوں بھائیوں نے استفادہ کیا۔ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں[2]

"نواب یوسف علی خاں علوم کی طرف بہت رغبت رکھتے تھے۔ کاملوں سے صحبت رہتی تھی۔ علوم عقلیہ منطق و حکمت میں اعلیٰ دستگاہ تھی اور ان علوم کو مولانا فضل حق خیر آبادی سے حاصل کیا تھا"۔

جب نواب محمد یوسف علی خاں اور صاحبزادہ محمد کاظم علی خاں ریاست کے کاموں میں مشغول رہنے لگے تو نواب محمد کلب علی خاں اور نواب محمد یوسف علی خاں (ف ۱۸۷۷ء) اور صاحبزادہ فدا علی خاں ابن محمد کاظم علی خاں کی تعلیم کا سلسلہ مولانا فضل حق سے متعلق ہوگیا۔ مرزا نصیر الدین رام پوری (ف ۱۹۰۹ء) اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں[3]

"اس زمانہ میں مولوی عبدالحق خلف مولوی فضل حق و مولوی سلطان حسن خاں[4] ابن مولوی احمد حسن خاں رئیس بریلی و صدر الصدور، نواب محمد کلب خاں کے ہم مکتب تھے"۔

نواب محمد سعید خاں نے مولوی فضل حق کو محکمہ نظامت اور مرافعہ عدالتین پر مقرر کیا۔ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں[4]

"مولوی فضل حق صاحب فاروقی خیر آبادی ابن مولانا

---

[1] وقائع نصیر خانی ترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری (ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۱ء) ص ۳۰

[2] اخبار الصنادید جلد دوم از حکیم نجم الغنی خاں رام پوری (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۸ء) ص ۲۴

[3] وقائع نصیر خانی ص ۳۱

[4] مولوی سلطان حسن خاں مولانا فضل حق کے خاص شاگرد تھے صدر الصدور کے منصب سے پنشن پائی ۱۲۹۹ھ میں انتقال ہوا ملاحظہ ہو معارف اعظم گڑھ اگست ۱۹۶۷ء ص ۱۰۹

فضل امام صاحب کو آپ نے بلا کر نوکر رکھا۔ محکمہ نظامت
اور پھر مرافعہ عدالتین[۵] پر مامور کیا۔ مولوی صاحب نے
ہدیۂ سعیدیہ فی حکمۃ الطبیعہ زبان عربی میں نواب صاحب
کے نام نامی پر معنون کیا۔"

منشی امیر احمد مینائی رقم طراز ہیں[۱]:

"اس دار الریاست رامپور میں پہلے محکمہ نظامت اور
پھر مرافعہ عدالتین پر مامور تھے۔ جناب مستطاب نواب
محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں انار اللہ
برہانہم کو بھی آپ سے تلمذ رہا ہے اور بندگان حضور پر نور
دام ملکہم و اقبالہم (نواب کلب علی خاں) نے بھی کچھ پڑھا
ہے۔ آٹھ برس بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ رہے تھے یہاں
سے تشریف لے گئے۔"

مولانا فضل حق خیر آبادی نے ہدیۂ سعیدیہ میں نواب محمد سعید خاں اور نواب یوسف علی خاں کا ذکر کرتے ہوئے اس کتاب کو یوں معنون کیا ہے[۲]:

وبعد فهذه جملة جميلة في الحكمة الطبيعة يزري بزهوها بانوار الربيعية، نطقت بها ارتجالا ونمقتها استعجالا وخدمت بها خضرة من خصة الله من عموم الامم بالفضل العمم نيعمم العميم الكرم صاحب السيف القلم مروج	امابعد یہ کتاب حکمت طبیعہ میں ایک خوبصورت ہے جس سے شگوفہ ہائے بہار کا سماں سامنے آجاتا ہے اسے میں نے قلم برداشتہ اور عجلت میں لکھا ہے اور یہ میں نے اس ذات گرامی کو نذر کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام میں سے اپنے فضل عام سے مخصوص فرمایا ہے اور کرم عام سے سرفراز کیا ہے صاحب سیف و قلم، احکام اور حکمتوں کے رائج کرنیوالے نعمتوں کے بخشنے والے، غموں کے دور کرنیوالے، بلند ہمت

۵ دیوانی اور فوجداری کی دونوں عدالتیں مراد ہیں (اخبار الصنادید جلد دوم ص۲)

۱ انتخاب یادگار ص۲۹۲

۲ ہدیۂ سعیدیہ از مولانا فضل حق خیر آبادی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۰ء ۱۳۲۸ھ) ص۶-۸

الحکم والحکم وھاب النعم والنعم
کاشف الھموم لجید الھمم، مرّالباس
حلوالشیم مجلی الظلم والظلم سعید الجدّ
والعلم کاشف الضیر والضر ناشر
الدّر والدُّر محمد سعید خان بہادر
لا زالت ایام دولته ایدیه والاقطار
بقطارجو دندیّه وحضرت بخله الرشید
السعید بن سعید الحمید العید الجید
الجید ذی الجود والتقریب والخرم
البعید والرای السدید والبطش
الشدید والعدة والعدید والکرم المدید
والجد القدیم والجد الجدید والخلق الملیح
الخلق الحلو والایاء المر محمد یوسف
علی خاں بہادر لا زالت سدة السنیه

نبرد آزما، نوش اخلاق، تاریکیوں اور مظالم کے دور کرنے والے، نام اور تقدیر کے اعتبار سے سعید سختیوں اور مصیبتوں کے دور کرنے والے، موتی اور حسن عمل لٹانے والے محمد سعید خاں بہادر اللہ تعالیٰ ان کے عہد حکومت کو ہمیشہ برقرار رکھے۔ اور ان کے باران سخاوت کے تسلسل کو باقی رکھے اور ان کے فرزند رشید و سعید، سردار، طاقت والے بزرگ صاحب ایجاد صاحب سخاوت، صاحب عزم، صاحب رائے صائب اور سخت پکڑ والے، کثیر ساز و سامان والے کرم بے نہایت والے، ہمیشہ سے عظمت والے اچھے اخلاق کے مالک، شیریں اخلاق والے کڑواہٹ کو ناپسند کرنے والے۔

محمد یوسف علی خاں بہادر اللہ تعالیٰ ان کے آستانہ کو باقی رکھے۔

ہدیۂ سعیدیہ میں سب سے پہلے حکمت کی تعریف اور درجہ بندی کی گئی ہے حکمت کے معنی ہیں اشیأ کی اصل حقیقت کا علم حاصل کرنا، جہاں تک کہ وہ انسان کے لئے ممکن الحصول ہے اور ان افعال کو انجام دینا جو مکمل انسان بننے میں مدد دیتے ہیں، اشیا کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) حکمتہ العملیۃ جو ہمارے اختیار میں ہے یعنی ہمارے اعمال اور حکمتہ العملیۃ کی تین ذیلی قسمیں ہیں۔ (۱) تہذیب اخلاق (۲) تدبیر المنزل اور (۳) سیاست المدینہ۔ جو چیزیں انسان کے اختیار میں نہیں ہیں۔ ان سے متعلق علم حکمت کو حکمتہ النظریہ کہتے ہیں۔ اور اس کی تین ذیلی قسمیں کی گئی ہیں۔ (۱) علم الالٰہی (۲) علم الریاضی (۳) علم الطبیعی اور علم الطبیعی کو مزید آٹھ شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے

(۱) علم السماء الطبیعی
(۲) علم السماء العالم
(۳) علم الکون والفساد
(۴) علم الفعل والانفعال

(۵) علم الآثار العلویہ

(۶) علم النفس

(۷) علم النباتات

(۸) علم الحیوان

یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین حصّوں پر مشتمل ہے جن کا نام فنون رکھا گیا ہے مقدمہ میں فاضل مصنف نے طبیعات کے ان مسائل پر بحث کی ہے جو دراصل فلسفہ کے اعلیٰ تر مباحث سے تعلق رکھتے ہیں۔

پہلا حصہ متعدد ذیلی شاخوں پر منقسم ہے اور ان میں خصوصیات اور واردات پر بحث کی گئی ہے جو تمام اجسام کا لوازمہ ہیں۔ خواہ وہ سماوی ہوں یا ارضی۔

دوسرا حصہ بھی کئی ذیلی شاخوں پر تقسیم کیا گیا ہے اور یہ اجرام سماوی سے متعلق ہے اس لئے اس کا عنوان الفلکیات رکھا گیا ہے[1]

تیسرا حصہ عنصریات یعنی مادی عالم سے متعلق ہے اور اس موضوع میں طبیعیات کی باقی ماندہ شاخیں شامل ہیں۔ یہ حصہ بھی کئی ذیلی شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلا ذیلی حصہ تخلیق اور تخریب سے متعلق ہے۔

فاضل مصنف کا نظریہ یہ ہے کہ زمین حرکت نہیں کرتی بلکہ ساکن ہے۔ جیساکہ قدیم فلاسفر کا ایک گروہ تصور کرتا تھا[1]

اس کے بعد مصنف نے چاروں عناصر کی باہم تبدیل پذیری اور باہم تحلیل پر بحث کی ہے۔ اور چاروں عناصر کے توازن کو اس جسد کا مزاج کہا ہے، پھر دھواں، بخارات، ابر، بارش، اولے، گرج بجلی، شہاب ثاقب، قوس قزح، ہالہ اور آندھی وغیرہ پر بحث کی ہے[2] ان مباحث کے بعد معدنیات کی بحث ہے[3] اور پھر نباتات[4] اور حیوانات[5] کا بیان ہے۔ آخر میں نفسیات پر بحث ہے[6] اس کے بعد کتاب

---

[1] الہدیۃ السعیدیہ ص۶۶

[1] الہدیۃ السعیدیہ ص۸۴ امابعد

[2] الہدیۃ السعیدیہ ص۱۲۷ ومابعد

[3] الہدیۃ السعیدیہ ص۱۳۲ ومابعد

[4] الہدیۃ السعیدیہ ص۱۳۵

[5] الہدیۃ السعیدیہ ص۱۵۵

[6] الہدیۃ السعیدیہ ص۲۱۲

ختم ہو جاتی ہے[7]

مولانا فضل حق کے نامور فرزند مولانا عبدالحق نے ہدیہ سعیدیہ کا تکملہ ہدیۃ الہدیہ اور شاگرد رشید مولوی عبداللہ بلگرامی نے "التحفۃ العلیہ" کے نام سے اس کا حاشیہ لکھا، منشی سعداللہ مراد آبادی (ف ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) نے ہدیہ سعیدیہ پر بعض اعتراضات کئے تھے۔ مولوی سلطان حسن خاں بریلوی نے ان اعتراضوں کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جو اسی زمانہ میں چھپ بھی گیا تھا۔ راقم الحروف کے کتب خانہ میں یہ رسالہ محفوظ ہے اور ہدیہ سعیدیہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۶ھ کے آخر میں (ص ۲۴ تا ص ۴۸) یہ رسالہ شامل ہے[8]

برصغیر پاک و ہند کے اکثر عربی مدارس میں ہدیہ سعیدیہ شامل نصاب رہا ہے۔ مولوی عبدالشاہد خاں شروانی نے ہدیہ سعیدیہ کی تقریب تالیف کے بارے میں لکھا ہے[9]

> "خلف الرشید مولانا عبدالحق کو ریزیڈنسی آتے جاتے وقت ہاتھی یا پالکی میں جو سبق دیئے جاتے تھے۔ ہدیہ سعیدیہ ان ہی کا مجموعہ ہے۔ علامہ (فضل حق) روز ایک سبق تحریر فرما لیتے تھے۔ وہی راستے میں صاحبزادے کو پڑھا دیتے تھے فلکیات تک یہی سلسلہ رہا۔ جب معتد بہ حصہ ہو گیا تو تلامذہ نے کتابی شکل دینے پر اصرار کیا۔ علامہ نے طلبہ کی آرزوؤں کو پامال نہ کرتے ہوئے تصنیفی حیثیت سے قلم اٹھایا۔۔۔ سعادت مند فرزند کی مناسبت ہی سے ہدیہ سعیدیہ نام بھی رکھا گیا ہے۔ نواب محمد سعید خاں کی والی رام پور کے نام کا لحاظ بھی ضمناً پیش نظر تھا۔"

عبدالشاہد خاں شروانی نے اپنے اس بیان کی تائید میں کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ کتاب کے فاضل مؤلف

---

[7] ملاحظہ ہو عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ از ڈاکٹر زبید احمد (ترجمہ شاہد حسین رزاقی) (۱۹۷۳ء لاہور) ص ۱۱ ص ۱۶

[8] یہ رسالہ مولانا فضل حق کی نظر سے گزرا اور انہوں نے اپنے ایک خط مورخہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء بنام مفتی سلطان حسن بریلوی میں اس کا ذکر کیا ہے اور مولانا فضل حق کا یہ خط (خطی صورت) میں نیشنل میوزیم آف پاکستان (کراچی) میں محفوظ ہے ہدیہ سعیدیہ کا پہلا ایڈیشن مطبع صدیقی بریلی سے ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوا۔ [9] باغی ہندوستان ص ۱۲۸

مولانا فضل حق نے بالصراحت نواب محمد سعید خاں اور نواب محمد یوسف علی خاں کے نام کتاب کو معنون کیا ہے۔ اس کے تکملہ نگار مولانا عبد الحق اور اس کے مرتب و محشی مولانا عبد اللہ بلگرامی اور مؤید مولوی سلطان حسن خاں بریلوی، کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ سراسر مولوی عبد الشاہد خاں کی من گھڑت کہانی ہے کیونکہ مولانا عبد الحق ۱۲۴۱ھ ۱۸۲۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۵ھ ۱۸۳۱ء میں مولانا فضل حق ریزیڈنسی کی ملازمت سے مستعفی ہوئے۔[1] اور ملازمت سے علیحدگی کے وقت مولانا کی عمر بمشکل سال سوا سال ہوگی۔ لہٰذا یہ کہانی تمام تر بے بنیاد ہے۔ کاش مندرجہ بالا سطور لکھنے وقت مولوی عبد الشاہد خاں، ہدیہ سعیدیہ کی ابتدائی چند سطریں ملاحظہ فرما لیتے تو ایسی بات نہ لکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب باغی ہندوستان میں اکثر بے بنیاد باتیں لکھ دی ہیں کہ جن کا نہ سر ہے نہ پیر:

ع ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

رام پور میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور دوسرے علماء سے مباحثات و مذاکرات بھی ہوتے تھے۔ مؤلف تذکرہ کاملان رام پور نے ایک لطیفہ نقل کیا ہے:[2]

> "مولوی خلیل الرحمٰن سواتی نے نواب یوسف علی خاں سے کہا کہ میں ہر چیز قرآن شریف سے نکالتا ہوں۔ یہ ذکر نواب صاحب نے مولوی فضل حق خیر آبادی سے کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں کہ معجون فلاسفر کے اجزاء تو قرآن سے نکال دیجیے۔ چنانچہ دوسری ملاقات میں یہی سوال کیا۔ مولوی خلیل الرحمٰن سخت پریشان ہوئے ان کو بھی معلوم ہوگیا کہ یہ اشارہ مولوی فضل حق کا تھا۔ اسی لئے ایک روز نواب صاحب کے سامنے مولوی فضل حق سے اصول میں گفتگو کرنے لگے مولوی فضل حق کھینچ تان کر ان کو منطق میں پکڑ لائے اور بند کردیا۔ اسی روز مولوی فضل حق نے کتب اصول کو دیکھنا شروع کر دیا۔"

مولوی عبد الجلیل نعمانی رام پوری شیخ عبد الحق اپنے ایک مضمون "تذکرہ علمائے رام پور"

---

[1] فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون از حکیم محمود احمد برکاتی (برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۷۵ء) ص ۲۰

[2] تذکرہ کاملان رام پور ص ۱۲۳

ہیں لکھتے ہیں:[1]

"مولانا جلال الدین معقولی مرحوم استاد نواب خلد مکاں
یوسف علی خاں..... نہایت ذکی ہیں، مناظرہ میں ید طولیٰ
رکھتے تھے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی جو علوم معقولہ میں ید طولیٰ
رکھتے تھے۔ ان سے ہمیشہ مناظرہ علمی نہایت لطف کیساتھ
ہوا کرتا تھا۔ اور بڑے بڑے علماء مجلس مناظرہ میں حاضر رہتے۔"

شاہ غوث علی قلندر پانی پتی (ف ۱۸۸۱ء) مولانا فضل امام خیرآبادی کے شاگرد اور سیاح معرفت تھے جس زمانہ میں مولانا فضل حق کا قیام رام پور میں تھا تو شاہ غوث علی گھومتے گھامتے وہاں پہنچے۔ مولانا شاہ صاحب کو اپنا مہمان رکھا۔ شاہ غوث علی کا بیان ہے[2]

"جب ہم دوبارہ رام پور پہنچے تو سرے میں ٹھیرے۔ مولوی
فضل حق صاحب سے ملاقات ہوئی۔ نہایت محبت و عنایت
سے پیش آئے اور اپنے نوکر سے کہا کہ جاؤ آپ کا اسباب اٹھا
لاؤ! میں نے کہا کہ حضرت برائے خدا مجھے وہیں رہنے دیجئے
کہ بہت آرام سے ہوں۔ کہا اچھا جہاں آپ خوش رہیں
لیکن بھٹیاری کو کہلا بھیجا کہ ان کے خرچ کا حساب ہمارے
ذمہ ہے اگر پانچ روپے روز بھی اٹھیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہم
دیں گے۔ لیکن یہ شرط ہے کہ میاں صاحب بلا اجازت ہمارے
کہیں چلے نہ جائیں...... غرض ہم رام پور میں مہینے بھر تک
مولوی صاحب کے مہمان رہے۔"

شاہ غوث علی قلندر نے مولانا فضل حق خیرآبادی کی زندگی کے کئی دلچسپ واقعات بھی نقل کئے ہیں[3]

---

[1] ماہنامہ "البلاغ"، بمبئی فروری ۱۹۵۷ء ص ۲۷

[2] تذکرہ غوثیہ مرتبہ شاہ گل حسن قادری (اللہ والے کی قومی دکان لاہور) ص ۱۲۴

[3] تذکرہ غوثیہ ص ۱۲۵، ص ۲۴۵، ص ۲۶۰، ص ۳۷۱

شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ قیام رام پور کے زمانہ میں مولانا فضل حق خیرآبادی قصبہ آنولہ سے ہوتے ہوئے بدایوں گئے تھے۔ آنولہ میں حکیم سعادت علی خاں مدار المہام رام پور (ف ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء) کے یہاں قیام رہا تھا[۴] بدایوں میں مولانا فضل حق خیرآبادی کی آمد کے متعلق مؤلف اکمل التاریخ لکھتے ہیں[۵]

"حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ (مولانا فضل رسول بدایونی) سے آپ (مولانا فضل حق خیرآبادی) کو نہایت خلوص و عقیدت تھی۔ ایک زمانہ میں بدایوں بھی تشریف لائے تھے اکثر اوراد و اشغال کی اجازتیں حاصل کی تھیں۔ مدرسہ عالیہ قادریہ میں مقیم رہے تھے"۔

آخر میں ہم مولانا فضل حق خیرآبادی کے ان تلامذہ کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جنھوں نے رام پور میں مولانا سے تحصیل علم کی۔

(۱) شمس العلماء مولانا عبدالحق خیرآبادی (ف ۱۳۱۶ھ)
(۲) نواب محمد یوسف علی خاں ابن نواب محمد سعید خاں (ف ۱۲۸۱ھ)
(۳) نواب محمد کلب علی خاں ابن نواب محمد یوسف علی خاں (ف ۱۸۷۶ھ)
(۴) صاحبزادہ محمد کاظم علی خاں ابن نواب محمد سعید خاں (ف ۱۲۹۹ھ)
(۵) صاحبزادہ فدا علی خاں ابن محمد کاظم علی خاں
(۶) مولوی ہدایت اللہ خاں ولد رفیع اللہ خاں رام پوری (ف ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) ص ۲۵۲[۱]
(۷) ملا نواب ولد سعد اللہ خاں رام پوری (ف ۱۳۰۹ھ) ص ۴۲۳، ص ۴۲۴
(۸) مولوی محمد موسیٰ خاں ولد احمد خاں رام پوری (ف غالباً ۱۳۲۳ھ) ص ۴۰۴

---

[۴] مولانا عبدالمجید قادری (ف ۱۹۴۳ء) اور حکیم معظم علی خاں رئیس آنولہ (ف ۱۹۵۳ء) نے مولانا فضل حق خیرآبادی کے آنولہ آنے کا اکثر ذکر کیا بلکہ حکیم صاحب کے کتب خانہ میں مولانا خیرآبادی کے بعض آثار علمیہ بھی محفوظ تھے۔

[۵] اکمل التاریخ جلد اول از مولوی محمد یعقوب ضیاء القادری (قادری پریس بدایوں) ص ۸۹

[۱] یہ تمام صفحات تذکرہ کاملانِ رام پور کے ہیں۔

(۹) مولوی حکیم محمد فیاض خاں ولد مولوی بشارت اللہ خاں رام پوری (ف ۱۲۷۲ھ) ص ۳۶۷

(۱۰) مولوی عبد العلی خاں ریاضی داں ولد یوسف خاں رام پوری (ف ۱۳۰۳ھ) ص ۲۲۸

(۱۱) مولوی نور النبی ولد مولوی محمد اسحاق مدرس مدرسہ عالیہ رام پور (ف تقریباً ۱۲۸۷ھ) ص ۲۲۸، ص ۴۳۵۔

(۱۲) مولوی عبد العزیز خاں ولد حاجی جرہ باز خاں مدرس مدرسہ عالیہ رام پور ص ۲۲۳۔ ص ۲۲۴

(۱۳) مولوی سلطان حسن خاں ولد مولوی احمد حسن خاں صدر الصدور بریلوی (ف ۱۲۹۹ھ)

(۱۴) مولوی ہدایت علی بریلوی مدرس اول مدرسہ عالیہ رام پور (ف ۱۳۲۳ھ)

(۱۵) مولوی حکیم الٰہی بخش قادری ولد اشرف الحکماء حکیم عظیم اللہ قادری ساکن قصبہ آنولہ، (ف ۱۳۲۰ھ) [۲]

(۱۶) مولوی احمد حسن مراد آبادی محشی شفائے قاضی عیاض (ف ۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۱ء) [۳]

(۱۷) مولوی حکیم محمد حسن ولد شیخ کرامت علی امروہوی (ف ۱۳۲۳ھ) ص [۴]

(۱۸) مولوی عبد العزیز سنبھلی (۱۲۷۷ھ تک حیات تھے) ص ۲۲۴

(۱۹) مولوی عبد الرشید غازی پوری۔ بروایت امیر شاہ خاں خواجوی (ارواح ثلاثہ ص ۳۵۹)

والی اودھ واجد علی شاہ کے تخت نشین ہونے پر مولانا فضل حق خیر آبادی لکھنؤ تشریف لے گئے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کی دو نسلوں کا تعلق بھی ریاست رام پور سے رہا۔ شمس العلماء مولانا عبد الحق خیر آبادی، نواب محمد کلب علی خاں کے دور میں حاکم مرافعہ اور مدرسہ عالیہ رام پور کے افسر رہے۔ جب نواب حامد علی خاں رئیس بنے تو انہوں نے بھی بلایا اور شرف تلمذ حاصل کیا۔ پھر ان کے بیٹے مولوی اسد الحق مدرسہ عالیہ رام پور کے مدرس اعلیٰ رہے۔ ان کا رام پور ہی میں ۴ اگست ۱۹۰۰ء کو انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے [۱]۔

---

[۲] مظہر العلماء از مولوی محمد حسین بن سید بخشش علی ساکن سید پور ضلع بدایوں المتوفی ۱۹۱۶ء (العلم، کراچی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء) ص ۳۵

[۳] اکمل التاریخ جلد اول ص ۸۹

[۴] تذکرۃ الکرام از مولوی محمود احمد عباسی (جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۲ء) ص ۳۰۲، ص ۳۰۶

[۱] تذکرہ کاملان رام پور ص ۳۶۔ ص ۳۷
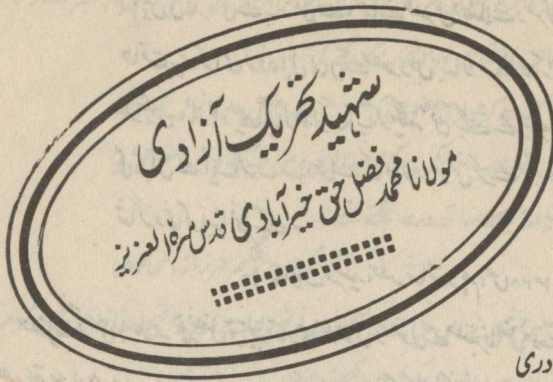
محمد عبدالحکیم شرف قادری

وہ امامِ فلسفہ وہ نازشِ علم و سخن
جس نے زندہ کر دیا تھا قصۂ دار و رسن

حامداً و مصلیاً و مسلماً:

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

جناب صدر گرامی قدر! و معزز حاضرین کرام!

یہ امر باعث مسرت ہے کہ اہل سنت و جماعت اپنے اسلاف کے زریں کارناموں کو منظر عام پر لانے کے لئے سرگرم عمل ہیں، غیر مصنف اراکین اور اہل قلم نے نہ صرف اپنے اکابر کے جھوٹے سچے کارناموں کو پورے زور شور سے پھیلایا بلکہ اکابر اہل سنت و جماعت کے قابل فخر کردار کو مشتبہ اور داغدار بنانے کے لئے پوری طرح زور قلم صرف کیا۔ حیرت ہے کہ مخالفین کے یک طرفہ جارحانہ حملوں کے باوجود ہمیں مجاہدین اہل سنت کی حمایت اور دفاع کی توفیق نہ ہوئی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل علم و قلم حضرات کا ایک بورڈ قائم کیا جائے جو ماحول کی ضروریات کے مطابق لٹریچر پیش کرے اور کامل تحقیق و جستجو کے بعد عمائدین اہل سنت کی عالمانہ اور مجاہدانہ خدمات جلیلہ سے عوام و خواص کو روشناس کرائے۔

آج کی اس مجلس میں مجھے خاتم الحکماء مجاہد جلیل مولانا علامہ محمد فضل حق خیرآبادی کے بارے میں اظہار کے لئے کہا گیا ہے، اپنی کم مائیگی کے اعتراف کے باوجود چند معروضات پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

مخالف و موافق اس بات پر متفق ہیں کہ علامہ کشورِ علم و فضل کے تاجدار اور دور آخر میں منطق و فلسفہ کے مسلم الثبوت امام تھے تیرہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم سے فارغ ہو کر مسند تدریس کو زینت بخشی۔ حافظہ اس غضب کا تھا کہ چار ماہ اور کچھ دنوں میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور علم و فضل میں وہ مقام حاصل کیا جہاں تک معاصرین میں سے کوئی نہ پہنچ سکا سرسید لکھتے ہیں۔

جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا

انہیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے، علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا
طاقت ہے کہ اس گروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ
کرسکیں، بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ کو یگانہ فن سمجھتے تھے جب ان
کی زبان سے ایک حرف سنا دعوائے کمال کو فراموش کرکے نسبت
شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔

(مقالات سرسید، حصہ شانزدہم، ص ۳۲۸)

حضرات گرامی! علامہ محمد فضل حق خیرآبادی معقول و منقول کے معتبر فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ باکمال شاعر بھی تھے عربی میں چار ہزار اشعار آپ سے یادگار ہیں، علامہ کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یا تو سرور کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا ہے اور یا کفار اور بد مذہبوں کی مذمت، مولانا کا بلند پایہ کلام اس لائق ہے کہ اسے ادب عربی کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ مولانا محمد الدین، روضتہ الادبا میں لکھتے ہیں۔

"قصائد غرا آپ کے امراء القیس اور لبید کے قصائد پر فوقیت رکھتے
ہیں۔ نظم و نثر میں آپ کو اس قدر مہارت تھی کہ بلا مبالغہ شاید سلف
و خلف میں چند آدمی آپ کے ہم پلہ ہوئے ہوں گے۔"

(روضتہ الادبا، ص ۱۴۸)

حضرات اہل سنت! مرزا غالب دہلوی جن کی نظر میں بڑے بڑے شعراء نہیں جچتے تھے، شعر و سخن میں مولانا فضل حق سے نہ صرف مشورہ کرتے تھے بلکہ ان کی اصلاح کو بطیب خاطر قبول بھی کرتے تھے مولانا کے ایما پر ہی غالب نے مشکل پسندی کو ترک کیا تھا، مؤلف "آب حیات" کے مطابق موجودہ دیوان غالب مولانا فضل حق خیرآبادی اور مرزا خانی ہی کا انتخاب ہے، علامہ نے نہ صرف غالب کی ادبی راہنمائی کی بلکہ اقتصادی مشکلات حل کرنے میں بھی مرزا غالب کی حتی الوسع امداد کی، علامہ کے احسانات کا اثر غالب کے دل پر بہت گہرا تھا جس کا اندازہ مرزا غالب کی تحریرات سے باسانی لگایا جاسکتا ہے علامہ کی شہادت کے بعد غالب نے شیخ لطیف احمد بلگرامی کو ایک خط لکھا جو روحانی درد و کرب کا نمایاں اظہار اور علامہ سے گہری عقیدت کی عکاسی کرتا ہے، لکھتے ہیں:

فخر ایجاد و تکوین، مولانا فضل حق" ایسا دوست مر جائے۔ غالب
نیم مردہ، نیم جاں رہ جائے۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی ۔۔۔ موت آتی ہے پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی ۔۔۔ اب کسی بات پر نہیں آتی

(نارم سیتاپوری: غالب نام آورم، ص ۹۳ بحوالہ ماہنامہ اردوئے معلیٰ علی گڑھ، دسمبر ۱۹۷۰ء)

شیخ محمد اکرام، غالب پرستی میں یہاں تک کہہ گئے کہ

یہ صحیح ہے کہ مولوی فضل حق کی صحبت سے انہیں (مرزا غالب کو) فائدہ ہوا لیکن ادب اور حکمت کی جن بلندیوں پر مرزا پہنچے وہاں فضل حق یا شیفتہ کیسے ساتھ دے سکتے تھے؛

(محمد اکرام: حکیم فرزانہ، ص ۵۲)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اس عبارت کا سختی سے نوٹس لیا ہے اور واضح الفاظ میں شیخ اکرام کی غلطی کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ شرح دیوان غالب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

اب شیخ محمد اکرام (ایم اے۔ سابق آئی۔ سی۔ ایس۔ حال سی ایس پی) کو کوئی کیونکر سمجھا سکتا ہے کہ ادب اور حکمت کی جن بلندیوں پر مولانا فضل حق خیرآبادی پہنچے غالب ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اُن کی حیثیت مولانا کے سامنے طفل مکتب سے زیادہ نہیں ہے۔

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جو شخص "نمود" اور "نبوت" میں بھی امتیاز نہ کر سکے اسے خاتم الحکماء مولانا فضل حق مرحوم پر فضیلت دینا شیخ صاحب ہی کا حوصلہ ہے اگر اکرام صاحب "کا حاشیہ بر قاضی مبارک" پڑھ لیتے تو اس جسارت کا ارتکاب ہرگز نہ کرتے، سچ تو یہ ہے کہ جب تک فضل حق شامل نہ ہو، انسان مولانا فضل حق کے مرتبہ سے آگاہ نہیں ہو سکتا؛

(مقدمہ شرح دیوان غالب: ص ۲-۱۶۱)

برادران اسلام! مولانا فضل حق خیرآبادی تکمیل تعلیم کے بعد بہ سلسلۂ ملازمت ابتداءً دہلی میں سررشتہ دار رہے بعد ازاں ریاست جھجر، الور، رام پور اور اودھ میں بہ صدعزت و نیکنامی کام کرتے رہے اس کے ساتھ ساتھ درس و تدریس اور حمایت مسلک اہل سنت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ آپ کے ان گنت تلامذہ آسمان علم و فضل کے مہر و ماہ بن کر چمکے اور آج تک آپ کا علمی فیض پاک و ہند کے مدارس کی فضاؤں کو منور کر رہا ہے۔

علامہ فضل حق خیرآبادی راسخ العقیدہ مسلمان اور بیدار دل و دماغ کے مالک تھے انہوں نے قیام دہلی کے دوران اور اس کے بعد گہری نظر سے ماحول کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سفید چمڑی والے سیاہ باطن

انگریز مسلمانوں کو معاشی طور پر مفلوج کر کے ان کی دینی غیرت وحمیت کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ مولانا کے نزدیک اسی بنا پر جہاد آزادی ۱۸۵۷ء معرض ظہور میں آیا، تحریک آزادی کے اسباب وعوامل کو مولانا نے الثورۃ الہندیہ میں کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے۔

(۱) انگریزوں نے بچوں کو اپنا دین اور اپنی زبان سکھانے کے لئے جگہ جگہ اسکول کھولے اور دینی مدارس کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی۔

(۲) ملک کی تمام پیداوار کو خرید لیتے اور پھر غلے کی قیمت اور سپلائی پر اجارہ داری قائم کر لیتے اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ خلق خدا ہماری دست نگر ہو جائے اور بے چون وچرا ہمارے احکام کی تعمیل کرے

(۳) مسلمانوں کو ختنہ کرانے سے روکنے اور پردہ نشین خواتین کا پردہ ختم کرانے کی کوشش کی۔

(۴) مسلمان فوجیوں کو سور کی چربی والے اور ہندوؤں کو گائے کی چربی والے کارتوس دیئے گئے جو منہ سے کاٹنے پڑتے تھے، ان کی نظر میں اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کا یہی طریقہ تھا کہ مذہبی اختلافات ختم کر کے تمام رعایا کو ملت کفر والحاد پر متفق کر دیا جائے۔

اس تجزیئے کے پیش نظر کونسا ایسا مسلمان ہو گا جس کا دل انگریزوں سے متنفر اور بیزار نہیں ہو گا۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ کے دل کے کسی گوشے میں انگریزوں سے محبت اور ہمدردی کے لئے کوئی جگہ نہ تھی بلکہ علامہ قصائد "فتنۃ الھند" میں تو یہاں تک فرماتے ہیں۔

> نص قرآنی سے ثابت ہے کہ ان کی محبت کفر ہے کسی حق پرست انسان کو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ نصاریٰ سے محبت کس طرح جائز ہو سکتی ہے جب کہ یہ لوگ اس ذات اقدس (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دشمن ہیں جن کے طفیل ارض وسما پیدا کئے گئے۔

جنگ آزادی کی ابتدا ارمئی ۱۸۵۷ء میں ہوئی۔ اس وقت مولانا فضل حق خیرآبادی الور میں تھے ایک تو مولانا کے اہل وعیال دہلی میں تھے دوسرا انہیں خاص طور پر بلاوہ آیا تھا۔ غالباً بہادر شاہ ظفر یا جنرل بخت خاں نے فکری رہنمائی کے لئے آپ کو دہلی بلایا تھا) اس لئے مولانا دہلی پہنچے اور مردانہ وار جنگ آزادی میں حصہ لیا، تاریخی روزنامچوں سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا فضل حق خیرآبادی بہادر شاہ ظفر کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور مدبرانہ مشوروں سے رہنمائی کرتے تھے۔ مولانا الثورۃ الہندیہ میں فرماتے ہیں۔

> اپنی عقل اور فہم کے مطابق لوگوں کو اپنی رائے اور مشورہ سے آگاہ کیا، لیکن نہ انہوں نے میرا مشورہ قبول کیا اور نہ میری بات مانی۔

ثسائد فتنۃ الہند میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اپنی شرکت کو بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

میں بیٹھنے والوں کو لڑائی میں برابر آگے بڑھاتا رہا اور لڑائی شروع ہو جانے پر خود بیٹھا رہا۔ میں اپنی سستی کی وجہ سے ایسے موقع سے باز رہا، یہ میں نے بڑا جرم کیا۔ جب نیک بخت حضرات نے مجھے شہادت کے لئے پکارا تو میں حاضر نہ ہوا یا میں شہادت سے محروم رہا جب کہ سعادتمند دل نے جام شہادت نوش کیا۔

اس اقتباس سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ مولانا باقاعدہ مجاہدین کو جہاد کی ترغیب دیتے رہے تھے اگرچہ انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ مجھے میدان جنگ میں شہادت نصیب نہ ہوئی۔

سوء اتفاق کہ منظم طور پر تیاری نہ ہونے اور اپنوں کی غداری اور غفلت کی وجہ سے انگریز دہلی پر مسلط ہو گئے اور دل کھول کر مسلمانوں کی خونریزی کی اس دوران مولانا پانچ دن بھوکے اور پیاسے دہلی میں رہے اور پھر چھپتے چھپاتے اہل وعیال سمیت خیرآباد پہنچ گئے، سقوط دہلی کے باوجود اودھ کی ملکہ حضرت محل نے کمال بہادری کا مظاہرہ کیا۔ بھاگ کر آنے والے فوجیوں کو پناہ دی اور شمالی علاقے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قیام پذیر ہو گئیں افواج کو علاقے کے انتظامات اور دریا کے گھاٹوں کی حفاظت پر مقرر کیا اور حکم دیا کہ اگر دشمن اس طرف رخ کرے تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی یہاں مشیر خاص کے طور پر شریک ہوئے چنانچہ مولانا پر جو مقدمہ قائم کیا گیا تھا اس کے فیصلے میں لکھا ہے کہ

"یہ بات ان ایام میں تمام طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی بیگم (حضرت محل) کے مشیران خاص ہیں۔ باغی فوج میں ان کی "اربعہ شوریٰ" کے نام سے شہرت تھی بلکہ کبھی کبھی انہیں "کچہری پارلیمنٹ" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس شوریٰ میں ملزم (مولانا فضل حق خیرآبادی) بہت ممتاز تھا۔" (ماہنامہ تحریک: ص ۱۶)

فیصلے میں یہ بھی کہا گیا کہ:

وہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس لئے انصاف اور امن عامہ کا تقاضہ ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے۔ (ایضا: ص ۱۶)

مولانا فضل حق خیرآبادی نے اپنی جلاوطنی کے فیصلے کی دو وجھیں بیان کی ہیں۔

(۱) انگریزوں کو اس بات کا علم تھا کہ میں ایمان و اسلام میں راسخ العقیدہ ہوں اور علامۂ وقت ہونے کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہوں۔ مجھے سزا دینے کا مقصد یہ تھا کہ علم دین کے آثار کو صفحات کتب سے بھی مٹا دیا جائے

(۲) حاکم نصرانی کے سامنے دو مرتد سخت دل دشمنوں (عبدالحکیم اور مرتضیٰ حسین) نے چغلی کھائی وہ دونوں میرے ساتھ قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے جس کا حکم یہ ہے کہ نصاریٰ کا دوست بھی نصرانی ہے اور ان دونوں کو نصاریٰ کی دوستی پر اصرار تھا چنانچہ انہوں نے ایمان کے بدلے کفر اپنا لیا۔

مولانا فضل حق خیر آبادی کی مجاہدانہ زندگی کے بارے میں آپ کی تصنیف لطیف: الثورۃ الہندیۃ اور قصائد فتنۃ الہند" سے بڑھ کر کوئی دستاویز نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ انمیں بجائے تفصیل کے اجمال اور اشارات سے کام لیا گیا ہے لیکن آپ اول سے آخر تک مطالعہ کر لیجئے کہیں بھی آپ کو یہ بات نہیں ملے گی کہ مولانا نے اپنے آپ کو تحریک آزادی ۱۸۵۷ء سے غیر متعلق کہا ہو یا یہ کہا ہو کہ مجھے دوسرے شخص کے شبہے میں سزا دی جا رہی ہے۔ اس وضاحت کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ بعض لوگوں (مثلاً امتیاز علی عرشی رامپوری اور مالک رام) نے گزشتہ چند سالوں سے یہ پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے کہ مولانا نے تحریک آزادی میں علمی یا عملی طور پر کوئی حصہ نہیں لیا، مولانا کی زندگی اور ان کی تصانیف پر نظر رکھنے والا تاریخ کا طالب علم ایسے پروپیگنڈے کو قبول نہیں کر سکتا ہے جناب نادم سیتاپوری بجا طور پر لکھتے ہیں۔

> آج کی نئی ریسرچ نے تحقیق نے محققانہ زاویۂ نگاہ سے کم۔ آزادی اور جوابی نقطۂ نظر سے زیادہ اس بات سے انکار کیا ہے کہ مولانا خیر آبادی نے اس جنگ آزادی میں کسی قسم کا حصہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں کئی مضامین سامنے آچکے ہیں جن کی فاضلانہ اور محققانہ بصیرت افروزی کے اعتراف کے باوجود میں اپنے آپ کو اس "زاویۂ نگاہ" سے متفق نہیں کر سکا۔"
>
> (غالب نام آورم: ص ۹-۱۰۸)

دیکھا آپ نے ہماری طرف سے اپنے اکابر کے مجاہدانہ کارناموں کے متعارف کرانے کی کبھی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی اس کے باوجود مخالفین ہمارے اسلاف کی مسلمہ کوششوں کو ہمیشہ غلط ثابت کرتے رہتے ہیں۔ خدارا ذرا سوچئے تو سہی کہ ہماری غفلت اور ناعاقبت اندیشی ہمیں کہاں لے جائے گی۔

حضرات گرامی: اگرچہ مولانا فضل حق خیر آبادی نے انگریز دشمنی کی پاداش میں جزیرۂ انڈیمان میں جام شہادت نوش کیا لیکن انہوں نے اپنی جان کی قربانی دے کر حریت و آزادی کی راہ متعین کر دی جس پر چل کر مجاہدین نے پاکستان ایسی منزل پا لی۔ خدا کرے کہ آج پھر ہم میں ان مجاہدین کا جوش اور جذبہ ہو تاکہ ہم اپنے دین و ایمان اور ملک پاکستان کی حفاظت کر سکیں۔

مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی

مُجاہدِ تحریکِ آزادی علاّمہ فضل حق خیر آبادی

برصغیر کی تاریخ کو مسخ کرنے کے لئے جہاں بنیا برہمن سامراج نت نئی تعبیرات پیش کر رہا ہے۔ اور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ انگریزی استعمار کے خاتمہ کے لئے جو جدوجہد ہوئی وہ موہن داس کرم چند گاندھی اور اس کے رفقاء کے ذریعہ ہوئی ہے۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، حکیم محمد اجمل خاںؒ، قائداعظم محمد علی جناحؒ اور دیگر قائدین اسلامیانِ ہند ثانوی رتبہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت اور اس سے قبل مختلف مواقع پر مسلمانوں کے ایثار اور قربانی کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ ان لوگوں کے پھیلائے ہوئے باطل تصورات کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج کل کئی مسلمان لیڈر (ولی خاں وغیرہ) پاکستان کو انگریزی دماغ کی اسکیم اور نظریۂ پاکستان کو معاشی تصورات کی ظلمات میں گم کر کے ملتِ واحدہ کی سالمیت اور استحکام کے درپئے آزار ہیں۔ اور مختلف قومیتوں کے نعرے بلند کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہو رہا ہے اس لئے ہم ان تعریفی، انحرافی، اعتزالی اور خروجی رجحانات کو ختم کرنے کے لئے تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں خیر الامم کا تصور پیش کر سکتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر خطرناک المیہ یہ ہے کہ انگریز نے بکمالِ عیاری اور مکاری انقلاب ۱۸۵۷ء کے مجاہدین اور اس سے پہلے کے صحیح الفکر صاحبِ فراست قائدینِ اسلام کی سوانح حیات کو مسخ کر کے ایسے لوگوں کی تحریکِ حریت کا علمبردار بنا دیا ہے جنہیں سوادِ اعظم اہلِ اسلام نے مسترد کر دیا تھا۔ مثلاً آج اکثر نئی روشنی اور لارڈ میکالے کے نظام تعلیم سے فیض یاب اہلِ علم اسلامیانِ ہند کی تحریک آزادی کی ابتدا مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی سے شروع کرتے ہیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمدؒ

کاکورویؒ، مولانا کفایت علی کافی شہید، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، جنرل بخت خاں، مولانا شاہ نقی علی خاں بریلوی بریلوی۔ اکابر قائدین ملت اسلامیہ سے تاریخ کے صفحات خالی ہیں۔ حالانکہ فرنگی استعمار کے استیصال اور خاتمہ کے لئے جو عدیم المثال قربانیاں ان زعماء اسلام نے پیش کی ہیں، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ضرورت اس امر کی ہیکہ ہماری نصابی کتب میں مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کی ناکام اور نافرجام مساعی کے مقابلے میں امت محمدیہ کے صحیح اولوالعزم مدبرین و مفکرین کے کارنامے نمایاں سے نئی نسل کو آگاہ کیا جائے۔ سردست ہم اس سلسلۂ عالیہ ذہبیہ کے درِ شاہوار علامہ فضل حق خیر آبادی کی جدوجہدِ آزادی اور تبلیغ دین متین کے چند گوشے نمایاں کریں گے۔

مجاہد اعظم علامہ فضل حق خیر آبادی کے علمی و ادبی کمالات مسلم ہیں۔ حزم و ثبات کے پیکر، بلند پایہ محقق، معقولات و منقولات کے بحر ذخار اور عشق رسالت مآب سے سرشار اور حقائق و معارف علوم اسلامیہ کے علمبردار تھے۔ اور بمقام خیر البلاد خیر آباد ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء میں کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ آپ کے والد ماجد فضل امام خیر آبادی دار السلطنت دہلی میں صدر الصدور رہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب تینتیسویں پشت میں امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔

آپ کے علمی مرتبہ کے متعلق سرسید احمد خاں نے (جو اُن سے عقائد میں اختلاف رکھتے تھے) یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

"مستجمع کمالاتِ صوری و معنوی، جامع فضائل ظاہری و باطنی، بنا رفضل افضال بہار آرائے چمنستانِ کمال ۔۔ مبطلِ باطل و محقق حق، مولانا محمد فضل حق جمیع علوم

لہ محمد عبدالشاہد خاں شروانی: باغی ہندوستان، طبع پاکستان ۱۹۷۴ء

وفنون میں یکتائے روزگار ہیں۔ اور منطق وحکمت کی تو گویا انہی کی فکرِ عالی نے بنا ڈالی ہے۔ علمائے بعد میں فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہلِ کمال کے حضور میں بساطِ مناظرہ آراستہ کر سکیں۔ بار بار دیکھا گیا ہے۔ کہ جو لوگ اپنے کو یگانۂ فن سمجھتے تھے جب اُن کی زبان سے ایک حرف سُنا۔ دعویٰ کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔ بایں ہمہ کمالاتِ علم وادب میں ایسا عَلَمِ سرفرازی بلند کیا ہے۔ کہ فصاحت کے واسطے ان کی عبارتِ شستہ محضرِ عروجِ معارج ہے۔ اور بلاغت کے واسطے ان کی طبعِ رسا دست آویزِ بلندی مدارج ہے۔ سحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایۂ خوش بیانی اور امراء القیس کو اُن کے افکار بلند سے دست گاہِ عروج معانی، الفاظ پاکیزہ ان کے رشکِ گوہرِ خوش آب اور معانی رنگین ان کے غیرت لعل ناب ہیں"۔

(آثار الصنادید، ص ۱۱۔ سید الاخبار مطبوعہ ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۷ء)

سید سلیمان ندوی نے علامہ کے فضل وشرف کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔ اور دیکھیے کہ اُن کے کردار کی عظمت کے نقوش کتنے گہرے ہیں۔

"مرحوم مولانا فضل امام کے جانشین صاحبزادے اور شاگرد مولانا فضل حق خیر آبادی تھے۔ جن کے دمِ عیسوی نے معقولات میں ایسی روح پھونکی کہ ابن سینائے وقت (ابو علی سینا) مشہور ہوئے۔ دیار واطراف سے طلباء نے اُن کی طرف رجوع کیا۔ اور انھوں نے منطق وفلسفہ کو نئے طور سے ملک میں رواج دیا۔ غدر (جنگ آزادی) کے ہنگامہ میں (فتویٰ جہاد کی پاداش میں) گرفتار ہو کر جزیرہ انڈمان (کالا پانی) بھیجے گئے۔ اور وہیں ۱۲۷۸ھ میں وفات پائی۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے تلامذہ اور در تلامذہ نے سارے ملک میں پھیل کر علوم معقول کو بڑی رونق دی۔ اور بڑے باکمال مدرسی ثابت ہوئے۔" (حیاتِ شبلی، ص ۲۲ - ۲۳)

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ ڈائریکٹر اسلامک انسائیکلوپیڈیا و سابق پرنسپل اورنیٹل کالج لاہور علامہ فضل حق خیرآبادی کی مجاہدانہ شخصیت کی بابت یوں رطب اللسان ہیں :
" ۱۸۵۷ھ کے انقلاب دہلی کا حال سب کو معلوم ہے اس کے اسباب اور روز افزوں بے چینی کے کوائف اس وقت زیر بحث نہیں ۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف دینی حلقوں کی طرف سے پہلی منظم کارروائی ، علامہ فضل حق کی تقریر جامع مسجد دہلی سے شروع ہوئی ۔ جس میں انھوں نے علماء سے فتویٰ پوچھا اور جہاد پر فتویٰ صادر کرایا ۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا ، لمبی کہانی ہے ۔ مختصر یہ کہ شکست کے بعد علاّمہ کو ۱۸۵۹ھ میں فتویٰ جہاد کی پاداش میں سیتا پور سے لکھنؤ لایا گیا ۔ جہاں ان پر مقدمہ چلا ۔ قابل ذکر یہ کہ علامہ کے خیرخواہ اُن کے فتوے کے بارے میں ازراہ خیرخواہی تاویلیں کرتے تھے ۔ مگر علامہ ایسی ہر صفائی پر تردید کرکے فتوے کا اقرار کرتے جاتے ۔ اس پر حبس دوام کی سزا ملی ۔ اور انھیں انڈمان بھیج دیا گیا ۔ انڈمان میں بارکوں کی صفائی اُن سے کرائی جاتی تھی ۔ بہرحال اسی عالم اسیری میں ان کا انتقال ہُوا ۔ "

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اور یہ صرف ایک عالم نہ تھا جس نے برطانوی استعمار سے آزادی کے لئے جان دی ۔ بلکہ اُن کے ہمراہ کئی اور اہلِ علم شمع آزادی پر قربان ہو گئے ۔ انہیں میں امام بخش صہبائی بھی تھے جنھیں خاندان سمیت گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا ۔

اور اُن کا جرم کیا تھا ؟ یہی کہ یہ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیابی چاہتے تھے ۔ یہ اسلام کی رونق کے طلبگار تھے ۔ یہ اس شجر کی حفاظت چاہتے تھے ۔ جو محمدؐ بن قاسم کے ہاتھوں اس سرزمین میں لگا تھا ۔ یہ اس اصول پر جان

دے رہے تھے، کہ اسلام غلام ہوکر نہیں رہ سکتا، اور کوئی شخص مسلمان ہوکر شرع کی حکمرانی کے بغیر مسلمان بن نہیں سکتا۔ انہی اصولوں پر علامہ فضل حق نے بھی جان دے دی۔

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔

بلاشبہ فضل حق آج بھی زندہ ہیں۔ اُن کی دعوت آج بھی وہی ہے جو ایک سو تیس سال پہلے تھی۔ دعوتِ دین، دعوتِ جہاد"۔

(ماہنامہ شام وسحر، لاہور، نومبر ۱۹۸۴ء، ص ۱۳ بعنوان: مولانا فضل حق خیرآبادی)

آج آپ قائدینِ ملت کی شخصیات پر غور کریں تو آپ کو ایک عجیب خلا نظر آئے گا۔ جو علومِ جدیدہ کے ماہر ہیں۔ وہ علومِ قدیمہ سے قطعاً نابلد ہیں اور جو دینی علوم سے بہرہ ور ہیں۔ وہ عہدِ حاضر کی سیاسی، اقتصادی اور نظریاتی تحریکات سے کماحقہٗ آگاہ نہیں۔ کارل مارکس مصنف کتاب "سرمایہ" نے جدلیات کو عنوان بنا کر جو تاریخ کی تعبیر کی ہے۔ اس کا ان کو کوئی علم نہیں۔ اور نہ ہی مارکس کے علاوہ عہدِ حاضر کے دوسرے مفکرین فرائیڈ، ہیگل، ایڈلر وغیرہ کی تعلیمات اور تضادات سے آگاہ ہیں۔ ماڈرن لیڈر انگریزی جانتے ہیں۔ عربی نہیں جانتے۔ اردو کی شُدبُد ہے۔ تو فارسی سے نابلد، اُن کے سامنے فارسی یا عربی کا کوئی شعر پڑھ دیں تو بھونچکے رہ جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس درس نظامی کے فارغ التحصیل علماء علوم حاضرہ کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔ ان کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ اس وقت ملتِ اسلامیہ پاکستان میں بعض ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اس زمانے میں ناقابلِ عمل ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ سارا مذہب ہی ڈھکوسلا ہے، جو یا تو اقتصادی حالات کا نتیجہ ہوتا ہے یا دبی ہوئی جنسی خواہشات کا ردِ عمل۔ یہ کارل مارکس اور فرائڈ کے ذہنی غلام بن چکے ہیں۔ اور بھی کئی قباحتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ اس لئے جب تک حکیم الاُمت

حضرت علامہ اقبالؒ کی طرح قدیم و جدید علوم پر حاوی کوئی مفکر یہ نعرۂ مستانہ بلند نہ کرے ہے

طلسمِ عصرِ حاضر را شکستم | ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانندِ براہیمؑ | بنارِ او چہ بے پروا نشستم

کے مصداق حصولِ احکامِ دینیہ کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں پیش کرنا ضروری ہے۔ ہمارے اسلاف میں یہ خوبی تھی کہ علومِ دینیہ کے ساتھ ساتھ علومِ عصریہ پر بھی حاوی تھے۔ اور ہر دور میں انھوں نے ملتِ اسلامیہ کی صحیح راہنمائی کی۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ نے علامہ فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کو جامع جمیع کمالات قرار دیتے ہوئے انھیں سراپا فضل، سراپا حق، سراپا خیر بیان فرمایا۔ اُن کی شخصیت کا نقشہ اب دل و دماغ میں قائم رکھ کر عصرِ حاضر کی پستی سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اللہ اللہ، ہمارا معاشرہ بھی کیا منبع علم و تہذیب تھا۔ اس میں جسے دیکھو آسمانِ فضیلت کا ماہتاب و آفتاب پاؤ گے۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جو جامع کمالات تھے۔ یک فنّے نہ تھے۔ اطرافِ علم پر حاوی تھے۔ کمال میں دریا کے مانند وسیع مگر قلب میں تواضع کا وہ رنگ کہ خود کو قطرۂ آشنا سمجھتے تھے۔ ہر ایک شخص قلزمِ علم اور اقلیمِ ہنر تھا۔ ان کی زندگیاں بھرپور تھیں۔ وہ جامع جمیع صفات ہوتے تھے۔ اپنی ذات میں مکتب بھی تھے۔ مدرسہ بھی تھے۔ اور خانقاہ بھی۔ صاحبِ قلم بھی تھے۔ صاحبِ سیف بھی۔ مگر ہائے زمانے نے وہ بساط الٹ ڈالی۔ وہ بزرگ تو کہاں سے آئیں گے، اُن کی منزلت جاننے والے بھی گم ہیں۔"

جائے کہ بود آں دلستاں بادوستاں در بوستاں
شد گرگ و روبہ را مکاں شد بوم و کرگس را وطن
(بحوالہ ماہنامہ شام و سحر، لاہور نومبر ۱۹۸۴ء، ص ۱۱)

غیر مقلدین کے مشہور ہفت روزہ الاعتصام "لاہور، جنگ آزادی نمبر شمارہ ۲۴ - مئی ۳۱، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۴ پر علامہ کی شخصیت کا یوں تعارف کراتے ہیں:۔

"مولانا فضل حق اپنے عصر کی ممتاز شخصیت تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ درس و تدریس میں یگانۂ روزگار تھے۔ معقولات پر اُن کی نظر گہری تھی۔ سیاسیات سے کنارہ کش رہتے تھے۔ لیکن انگریزی کی مخالفت کے بعض محرکات و اسباب اُن کو بھی میدان میں لے آئے۔ بڑی مدلل اور مبرہن گفتگو کرتے تھے۔ انگریز کے خلاف جہاد کے حق میں مولانا نے جو فتویٰ دیا تھا اُس کا مضمون انھیں نے ہی تیار کیا تھا۔[1]

گرفتاری کے بعد انھیں بغاوت کے جرم میں عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ جہاں انھوں نے ۱۹ اگست ۱۸۶۱ء (۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ) کو داعئ اجل کو لبیک کہا۔"

ایک زبردست المیہ:۔ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ غیرت اسلامی کا پیکر اور عشق رسالت مآب کے شعلہ جوالہ تھے جنھوں نے انگریز کے پروردہ کالے پادریوں "(سرکار پرست مولویوں) کی تحریک تنقیص رسالت کے خلاف سینہ سپر ہو کر "تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ" اور "امتناع نظیر" جیسی معرکۃ الآرا کتب لکھیں، اور اہل اسلام کے سینوں کو تعظیم و توقیر اور عزت و عظمت نبوت سے منور کیا۔ آج بیگانے تو بیگانے رہے، اپنے بھی اُن کے خلاف گمراہی اور وسوسہ اندازی کی مہم چلا کر منحوس خناسیت کا پارٹ ادا کر رہے

---

[1] غلام رسول مہر: ۱۸۵۷ء کے مجاہد، ص ۱۳۳

ہیں۔ اُن کے ساتھ یہ ٹریجڈی ہوئی۔ کہ اوّل تو اُن کی شخصیت اور جدوجہد استخلاصِ وطن کے متعلق بہت کم کام کیا گیا۔ اور جو کچھ ہوا ہے۔ وہ بھی اُن کے مقام و مرتبے سے فروتر ہے۔ اپنوں نے مذہبی مخالفت کی بنا پر ان پر رکیک حملے کئے ہیں۔ اور اُن کے بلند و بالا کردار کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔

جنابِ نادم سیتاپوری نے اس المیہ کے متعلق لکھا ہے:۔

"مولانا فضل حق خیر آبادیؒ گذشتہ انقلابی صدی کا وہ "مظلوم کردار" ہے جسے دشمنوں سے زیادہ دوستوں نے نقصان پہنچایا۔ انگریز اور اُن کے ہوا خواہ تو مولانا سے اس لئے ناراض تھے کہ انقلاب سن ستاون (۱۸۵۷ء) کے سلسلہ میں کسی نہ کسی نہج سے اُن کا نام آگیا تھا۔ لیکن خود مسلمانوں کا ایک "پروپیگنڈسٹ گروپ" (کالے پادریوں کا گروپ) مولانا سے اس لئے بیزار تھا۔ کہ وہ اُن کے مذہبی نظریات کے خلاف عالمانہ مجاہدہ کر چکے تھے۔ (انکارِ شفاعت اور امکانِ نظیر جیسے گمراہ کن عقیدے کے خلاف) یہ باوقار علمی مباحثے کوئی ذاتی اور عامیانہ جنگ نہیں تھی۔ جس کا سہارا لے کر مولانا خیر آبادی کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر دیا جاتا۔ لیکن ہوا کچھ ایسا ہی۔

مولانا کے اکثر سیرت نگاروں نے نادانستہ نہیں، دانستہ مولانا کا تذکرہ اس انداز سے کیا کہ خود "مدح" اور "ہجو ملیح" سر بگریباں ہو گئے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج جب ریسرچ اور تحقیق کی نگاہیں تاریخ کے ان اوراق تک پہنچیں تو دنیا ہی بدلی ہوئی نظر آئی"۔

(غالب نام آورم مطبوعہ ۱۹۶۹ء، ص ۱۰۱)

مولانا امتیاز علی عرشی رامپوری اور اس قسم کے چند دوسرے علماء نے علامہ فضل حق خیر آبادی کے فتویٰ جہاد اور جہادِ آزادی میں شرکت سے انکار کیا بلکہ یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ جب فضلِ حق نے جہادِ آزادی میں حصہ

لیا۔ وہ فضل حق شاہجہانپوری ہیں۔ (وغیرہ ذالک من الخرافات) لالہ مالک رام نے بھی عرشی صاحب کی تقلید میں الزام تراشیاں کی ہیں۔ مگر اس کے مقابلے میں اہلِ حق کے ایک جمِ غفیر نے مولانا فضلِ حق خیر آبادیؒ کو فتوئ جہاد اور جہاد آزادی کے رُوح رواں قرار دیا ہے۔

مشہور مؤرخ رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں کہ :-

فضل حق خیر آبادیؒ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے۔ اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے ہر منظم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے پر دل وجان سے آمادہ رہتے تھے۔ چنانچہ جب غدر (جنگ آزادی) شروع ہوا تو مولانا بے تامل شریک ہو گئے۔ وہ بہادر شاہ ظفر کے معتمد، مقرب اور مُشیر تھے۔ اُن کے دربار میں شریک ہُوا کرتے تھے۔ انھیں اہم مسائل و معاملات پر مشورے دیتے تھے، اور اس بات کے ساعی تھے کہ آزادی کی یہ تحریک کامیاب ہو اور انگریز اس دیس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائے۔ مولانا نے غدر میں دلیری اور جرات کے ساتھ علانیہ حصہ لیا۔ انھوں نے متعدد والیانِ ریاست اور امرائے ہند کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کی جس جس والئ ریاست سے ان کے ذاتی تعلقات اور مراسم تھے۔ اُن کی تائید اور حمایت حاصل کی۔ اور مالی امداد کے لئے مجبور کیا۔"

(بہادر شاہ ظفرؒ اور اُن کا عہد، ص ۸۹۲)

مولانا محمود الرحمٰن صاحب اپنی کتاب "آزادی کے مجاہد" صفہ ۳۵ پر لکھتے ہیں :-

دہلی پہنچتے ہی علامہ سیدھے لال قلعے میں گئے۔ اور بہادر شاہ ظفر سے ملاقات کی۔ جنگ کی صورتِ حال کے متعلق گفتگو کی۔ فوجوں کا جائزہ لیا۔ آزادی حاصل کرنے کے لئے جو لوگ کمر کس چکے تھے اُن سے ملے۔ اور پھر روہیلوں کے

سرنڈر از جنرل بخت خاں کے پاس گئے۔ ۱۸۵۹ء میں مولانا فضل حق خیرآبادی کو مغلیہ حکومت کی وفاداری اور انگریزوں کے خلاف "بغاوت" میں شریک ہونے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا"۔

مولانا غلام رسول مہر (۱۸۵۷ء کے مجاہد) خورشید مصطفیٰ رضوی (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء) ناصر کاظمی پسند مفتی صدرالدین آزردہ (خیال، لاہور سن ستاون نمبر) انتظام اللہ شہابی (غدر کے چند علماء) محمد اسمٰعیل پانی پتی لیل و نہار جنگ آزادی نمبر سہ ماہی "التدبیر" بہاولپور، محمد عبدالشاہد خاں شروانی، مقدمہ باغی ہندوستان پروفیسر محمد ایوب قادری جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد فیض احمد بدایونی (.... جنرل بخت کے مشورے سے علامہ فضل حق خیرآبادی نے بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں جہاد کی اہمیت اور ضرورت پر تقریر کی۔ اور جہاد کا استفتاء مرتب کر کے پیش کیا۔ جہاد کے فتویٰ کی تیاری میں جنرل بخت خاں کی مساعی کو کامیاب بنایا۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی "خیال" لاہور سن ستاون نمبر، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، مولانا عبدالسلام ندوی اور مولانا ریاست علی (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۳۱۲) وغیرہ کئی حق پرست مؤرخین نے علامہ فضل حق خیرآبادی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ نیز یہ تذکرہ ایک لحاظ سے نامکمل رہے گا۔ اگر ہم پاکستان میں دیوبندی مکتبۂ فکر کے آرگن ہفت روزہ خدام الدین لاہور اور اسی مکتبۂ فکر کے علامۂ اجل اور شیخ الاسلام حسین احمد مدنی کا نکتۂ نگاہ پیش نہ کریں۔ قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے اقتباسات علی الترتیب درج ذیل ہیں:-

"برا ہو تاریخ کا۔ اس نے اپنے حافظہ سے ایسی ایسی جانباز، حق گو، بہادر جامع کمالات شخصیتوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا جنھوں نے اپنے دور

میں وقت کے تیز و تند طوفانوں سے بے خوف و خطر ٹکر لی۔ اور پیٹھ نہیں دکھائی۔ مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کے ان جواں مرد اور نڈر مجاہدین میں سے تھے جن کی جُرأت و ہمت اور حق گوئی و بے باکی نے دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ مگر تاریخ کے صفحات میں اُن کو شایانِ شان کیا، کوئی معمولی جگہ بھی نہیں مل سکی۔ (العجب ثم العجب)

مولانا فضل حق خیرآبادی نے "افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جابر" کا فریضہ ادا کیا۔ اور اپنی عمرِ عزیز انڈمان میں حبس دوام کی نذر کر دی۔۔۔ علامہ فضلِ حق خیرآبادیؒ وغیرہ نے انگریزوں کے خلاف فتاوی دے کر مسلمانوں کو عدم تعاون پر آمادہ کیا۔۔۔۔۔۔

مولانا فضل حق خیرآبادیؒ بھی باغی قرار دیئے گئے۔ سلطنت مغلیہ کی وفاداری۔ فتوئ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخود کر کے سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔"

(ہفت روزہ خدام الدین، لاہور ۲۳، نومبر ۱۹۶۲ء، ص ۹، ۱۰)

مولانا نے اپنے اوپر حسبعدر الزام لئے تھے۔ ایک ایک کر کے سب رد کر دیئے۔ جس مخبر نے فتویٰ کی خبر کی تھی۔ اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی۔ فرمایا "پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا۔ اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی۔ اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہوگیا۔ اور جھوٹ بولا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔" جج بار بار علامہ کو ٹوکتا تھا۔ کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخبر نے عدالت کا رُخ اور علاّمہ کی بارعب و پُر وقار شکل دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا۔ کہ یہ وہ مولانا فضل حق نہیں۔ وہ دوسرے تھے۔ گواہ حسنِ صورت اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متاثر ہو چکا تھا۔ مگر علاّمہ کی شانِ استقلال کے قربان جایئے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے۔ "وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت

بھی میری وہی رائے ہے۔

نالہ از بہرِ رہائی نہ کند مرغِ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود"

(نقشِ حیات از حسین احمد مدنی، ص ۴۶۲)

مولانا فضل حق صاحب خیر آبادیؒ کو جو کہ تحریک کے بہت بڑے رکن تھے۔ اور بریلی، علی گڑھ اور اس کے ملحقہ اضلاع کے دوران تحریک میں گورنر تھے، آخر ان کو گھر سے گرفتار کیا گیا۔ جس مخبر نے ان کو گرفتار کرایا تھا، اس نے انکار کر دیا۔ کہ مجھے معلوم نہیں۔ فتوئ جہاد پر جس نے دستخط کئے ہیں۔ وہ یہ فضلِ حق ہیں یا کوئی اور ہیں۔۔۔۔۔ مولانا نے فرمایا کہ مخبر نے پہلے جو رپورٹ لکھوائی تھی وہ بالکل صحیح تھی۔ کہ فتوئ میرا ہے۔ اب میری شکل و صورت سے مرعوب ہو کر یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ قربان جائیے علامہ کی شانِ استقلال پر، خدا کا شیر گرج کر کہہ رہا ہے کہ "میرا اب بھی یہی فیصلہ ہے کہ انگریز غاصب ہے۔ اور اس کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے"۔ خدا کے بندے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہ جان کی پروا کئے بغیر سربکف ہو کر میدان میں نکلتے ہیں۔ اور لومڑی کی طرح ہیر پھیر کر کے جان نہیں بچاتے بلکہ شیروں کی طرح جان دینے کو فخر سمجھتے ہیں"۔

(تحریک ریشمی رومال از حسین احمد مدنی، ۶۴، ۶۵)

علامہ فضلِ حق خیر آبادیؒ نے نہ صرف فتوئ جہاد کا اعلان کیا۔ بلکہ جہاد کی تبلیغ کر کے لوگوں کو جہاد میں شامل کیا۔ اس وقت جو ملک کی اقتصادی زبوں حالی تھی۔ اور فرنگیوں کے زہرہ گداز مظالم کا تذکرہ کر کے تحریکِ آزادی کے لئے بنیاد فراہم کی۔ بہادر شاہ ظفرؒ کو مرکزی حیثیت سنبھال کر تحریکِ آزادی کی قیادت کے لئے تیار کیا۔ عیش و عشرت اور فسق و فجور میں مستغرق شاہزادوں کو خوفناک

انجام سے آگاہ کر کے جہاد کیلئے تیار کیا۔ مختلف علاقوں سے مجاہدین آزادی کے دستوں کے درمیان ربط وضبط اور مرکزیت پیدا کی ہندوؤں کی استمالتِ خاطر کیلئے ایک شاہی فرمان سے گاؤکشی بندکر دی گئی۔ اس شاہی فرمان پر ایسے عمل ہوا کہ عید الضحیٰ کے موقع پر بھی رضاکارانہ طور پہ گائے کی قربانی سے اجتناب کیا گیا۔ مرکز میں ایک سیکریٹریٹ قائم کیا مجاہدین کی اعانت کے لئے سامان رسد کی فراہمی اور مالی امداد کا بندوبست کیا۔ اہلکار و حکام کا تقرر، مالگذاری کی تحصیل کا انتظام اور ہمسایہ والیانِ ریاست کو جنگ میں اعانت و شرکت کے لئے آمادہ کیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مولانا نے تحریک آزادی کا ایک جامع و مانع دستور مرتب کیا۔ اس دستور کی بنیاد جمہوریت پر تھی۔ اور رعایا کو کاروبار سلطنت میں شریک کرنے کے لئے دفعات مرتب کی گئیں۔ اخبار دہلی کا مرتب جیون لال لکھتا ہے۔ کہ مولوی فضل حق اپنے مواعظ سے "عوام کو مسلسل جہاد کے لئے بھڑکا رہے ہیں۔ انگریزوں کے ایک مخبر تراب علی نے رپورٹ دی کہ مولوی فضلِ حق جب سے الور آئے ہیں وہ نوجیوں اور شہریوں کو برطانیہ کے خلاف بھڑکانے میں مسلسل مصروف ہیں۔ اور مولوی فضل حق کی اشتعال انگیزیوں سے شاہزادے بھی میدان میں نکل آئے ہیں۔ اور سبزی منڈی کے پل والے محاذ پر صف آراء ہیں۔" [1]

مولانا کی مجاہدانہ سرگرمیاں صرف مشوروں ہدایات، منصوبہ بندی، فکری قیادت اور انتظامی امور و معاملات میں شرکت تک محدود نہیں رہیں۔ بلکہ اس سے جہاد میں عملاً شمولیت اور محاذ آرائی تک کا بھی سراغ ملتا ہے۔ ڈاکٹر مہدی حسین لکھتے ہیں:۔

"اگر جیون لال کے بیان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ تو مولوی فضل حق نے شاہی فوج کی کمان بھی کی ہے۔ آپ "کنگ کونسل" یا "پریوی کونسل" کے رکن مقرر کیے گئے تھے۔ آپ کے علاوہ جنرل بخت خاں اور مولوی سرفراز علی صاحب

---

[1] اخبار دہلی۔ رپورٹ تراب علی، رپورٹ مورخہ ۲۸ اگست ۱۸۵۷ء

بھی اس کونسل کے رکن تھے۔ آپ نے ایڈمنسٹریشن کورٹ" کے نام سے تحریک آزادی کا ایک منشور مرتب کیا تھا۔ جس کے قواعد و ضوابط کی تفصیلات موجود ہیں۔

مخالف و موافق آرار سے قطع نظر انگریزنے مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کے متعلق جو فیصلہ دیا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت پیش کرنیکی ضرورت نہیں۔

مسٹر جارج کیمپل جوڈیشل کمشنر، اودھ اور میجر بارد قائمقام کمشنر، خیر آباد نے ۴ مارچ ۱۸۵۹ء کو فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھا:۔

"بغاوت شروع ہونے کے وقت وہ الور میں ملازم تھا۔ یہاں دیدہ و دانستہ دہلی آیا۔ اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بہ قدم چلتا رہا۔ ایسے شخص کو سخت ترین سزا ملنی چاہیئے۔ اور اسے خاص طور پر ہندوستان سے خارج کر دینا چاہیئے۔" [1]

"حبس دوام کی سزا دینے کے بعد ناز و نعمت میں پلے ہوئے علامہ فضل حق خیر آبادی کو جیل کی بارکیں صاف کرنے اور گندگی دور کرنے کی ڈیوٹی پر لگا دیا گیا تھا۔ آپ کو ایسا لباس پہنا دیا گیا۔ جس سے آپ کا نرم و نازک بدن چھل گیا۔ آپ نے خود لکھا ہے کہ میرے دشمن میری ایذا رسانی میں کوشاں اور میری ہلاکت کے درپئے رہتے ہیں۔ میرے دوست میرے مرض کے مداوا سے لاچار ہیں۔ دشمنوں نے پوری دشمنی برتی۔ بغض و کینہ کا کھلا مظاہرہ کیا۔ اپنی تدبیروں کے انقطاع پر نا امید و مایوس اور جال میں پھنسے ہوئے شکاری پرندے کی طرح حیران اور پریشان ہوں۔ میں نے خدا کے سوا سب سے کنارہ کشی کر لی۔ اس کے سوا کسی دوسرے سے بخشش اور امداد کی امید نہیں ہے۔ اس بادشاہ عادل کی رحمت کا میں امیدوار ہوں۔ اے پروردگا، اس عاجز اور خستہ کو ستودہ صفات، احمد حماد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کافر دشمنوں کے چنگل سے نکال۔ تو نے انہیں تمام مخلوق کی طرف رہبری اور ہدایت عطا اور اعانت کے لئے رحمتِ عالم بنا کر بھیجا ہے

---

[1] ماہنامہ تحریک، دہلی: ص ۱۷

مصیبت و عذاب رد کرنے لیے پکارنے والوں کے فریاد رس، روزِ نجات میں ہماری پناہ گاہ اور مجلس میں بڑے سخی اور جوا دہیں، وہ گمراہ کے لئے ہادی، نابینا کے حامی، فریادی کے مددگار، سفارش چاہنے والے کے شفیع اور سائل کو عطیات سے نوازنے والے ہیں۔ وہ غمگین کے فریاد رس۔ طالب بارش کے لئے بادل اور گھاٹ پر آنے والے کے لئے دریا۔ چارہ اور پانی کے متلاشی کے لئے سرسبز میدان ہیں۔ اے میرے محافظ اور راہنما اس بات کی بھی دُعا کیجئے کہ خدا میری موت آپ کی اقامت گاہ کے جوار میں شہادت کی موت مقرر کر دے۔ یہ قصائد "فتنۃ الہند" کے اشعار ہیں۔

میں عہدِ حاضر میں علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے پایہ کی کسی انسان کی مثال دوں، رنج و غم، مصائب و نوائب اور آفات و بلیات کو برداشت کرنے کے لئے اپنی تاریخ سے نہیں دے سکتا۔ صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ اور حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسی نفاست پسند، اعلیٰ معیارِ زندگی بسر کرنے والی شخصیتوں کو جزیرہ انڈمان میں بند کر دیا جائے۔ اُن کو ٹاٹ کا لباس پہنا دیا جائے۔ فرشِ زمین پر سونے پر مجبور کر دیا جائے، ناقص خوراک دی جائے، اور جیل کی بارکوں کی گندگی اور غلاظت صاف کرنے کے لئے مقرر کر دیا جائے۔ تو ان پر کیا گذرے گی۔ حضرت علامہ فضلِ حق رحمۃ اللہ علیہ نے اس اذیت ناک ماحول میں بھی رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا روحانی رشتہ قائم رکھا اور اللہ کی رحمتوں سے ناامید نہ ہوئے۔ غور کیجئے ایک وہ لوگ ہیں جو انگریزی کی اطاعت اور غلامی کو دین سمجھ رہے ہیں۔

" اثنائے قیام کلکتہ ایک روز مولانا اسمٰعیل شہید وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد درست ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ "ایسی بے رُو ریا اور غیر متعصب سرکار انگریزی پر کسی طرح بھی جہاد درست نہیں" (تواریخ عجیبہ، ص ۷۳)

"..... مولوی اسمٰعیل دہلوی نے فرمایا اگر کوئی انگریزوں پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس حملہ آور سے لڑیں۔ اور اپنی انگریزی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں" (حیاتِ طیبہ، صفحہ ۲۹۶)

اور اُن کے پیر و مرشد نام نہاد امیر المومنین سید احمد بریلوی فرماتے ہیں کہ ہم اور ہمارے متبعین سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں۔ اور خلافِ اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرا دیں۔ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے۔ نہ انگریزوں کا اور نہ سکھوں کا۔" (بحوالہ تاریخ عجیبہ صفحہ ۹۱)

(مسلمانوں سے لڑکر ان کا ملک چھیننا جہاد اور ان کی جانب سے تقویۃ الایمان کی کفریات کا ردّ بغاوت قرار دیا گیا۔ العجب ثم العجب (مرتب)

اور یہی خود ساختہ امیر المومنین انگریزوں کے وفادار گماشتے کا پارٹ ادا کرتے ہیں:۔

لارڈ ہیسٹنگز، سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے نہایت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اس میں جن آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگز۔ اور سید احمد صاحب تھے۔ سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشے میں اُتارا تھا" (حیاتِ طیبہ از مرزا حیرت دہلوی۔ صفحہ ۲۹۴)

آپ اس کے مقابلے میں مجاہد فضلِ حق کا کردار ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کو بغاوت کے جرم میں گھر سے گرفتار کر کے مقدمے کے لئے لکھنؤ بھیج دیا گیا اور اُن پر سلطنت مغلیہ سے وفاداری اور فتویٰ جہاد نافذ کرنے کے جرم بغاوت کے لئے مقدمہ چلایا گیا۔

مولانا موصوف کے فیصلے کے تئے جیوری بیٹھی۔ ایک اسیسر نے واقعات سُن کر بالکل چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ سرکار کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے۔ بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزامات اپنے اوپر خود عائد کئے۔ اور پھر خود ہی مثل تارِ عنکبوت تمام الزامات عقلی و قانونی دلائل سے توڑ دیئے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا۔ اور اُن سے ہمدردی بھی تھی۔ کیونکہ اس نے صدر الصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا۔ وہ مولانا کی عظمت اور تبحر علمی سے بھی واقف تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں۔ کرے تو کیا کرے۔ بظاہر یہ نظر آرہا تھا۔ کہ مولانا بری ہو جائیں گے۔ سرکاری وکیل بھی لاجواب تھے

دوسرا دن مقدمہ کی سماعت کا آخری دن تھا۔ مخبر بھی عدالت میں موجود تھا۔ اُس نے عدالت میں آنے کے خوف سے پھر علّامہ کی پُر وقار اور بارعب شخصیت سے متاثر ہو کر یہ کہہ دیا کہ یہ وہ فضلِ حق نہیں جس نے فتویٰ دیا ہے۔ لیکن علامہ صاحب نے اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کرنے سے انکار کرتے ہوئے اُس کے پہلے قول کی تائید کی اور فرمایا:

"پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا۔ اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی۔ اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ اور جھوٹ بولا ہے۔ وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہُوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میں اس پر قائم ہوں۔ اور میری انگریزی حکومت کے متعلق وہی رائے ہے جو پہلے تھی"۔

اس جرأت مندانہ موقف، عزیمت و استقلال کے بارے میں ہی شاعر کہتا ہے۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علامہ فضلِ حق خیر آبادیؒ نے مولوی اسمٰعیل دہلوی کے مندرجہ ذیل عقائد

باطلہ و فاسدہ پر تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ" اور "امتناع النظیر" تصنیف فرمائیں۔ مناظرے میں مولوی اسمٰعیل کو چیلنج کیا۔ جو شیر بیشہ حق و صداقت کی گرج کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ اور راہِ فرار اختیار کی۔ اُس مفرور عن المناظرہ کے عقائد ملاحظہ فرمائیں جن کا رد پیش کیا گیا۔

۱۔ خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔ (رسالہ یک روزی۔ مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی)

۲۔ اللہ تعالیٰ کو غیب کا علم ہر وقت نہیں رہتا۔ بلکہ جب چاہتا ہے تو غیب کی بابت دریافت کر لیتا ہے (تقویۃ الایمان)

۳۔ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا (نبی ہو یا ولی) اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (ص ۱۹ و ص ۲۶)

۴۔ اپنی اولاد کا نام عبدالنبی۔ عبدالرسول۔ علی بخش۔ نبی بخش۔ پیر بخش۔ غلام محی الدین۔ معین الدین رکھنا شرک ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۸)

۵۔ سب انبیاء و اولیاء اللہ کے سامنے ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں۔ تقویۃ الایمان، ص ۷۵)

۶۔ رسول اللہ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (تقویۃ الایمان، ص ۷۵)

۷۔ رسول اللہ کو غیب کی کیا خبر۔ (تقویۃ الایمان، ص ۷۵)

۸۔ رسول اللہ مر کر مٹی میں مل گئے ہیں۔ (تقویۃ الایمان، ص ۷۵)

۹۔ جس کا نام محمدؐ یا علیؓ ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں (تقویۃ الایمان ص ۷۵)

۱۰۔ رسول کا خیال نماز میں لانا اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے۔ صراط مستقیم)

۱۱۔ اللہ کے سوا اور کسی کو نہ مان۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۳)

۱۲۔ اللہ کو ماننے اور اس کے سوا کسی کو نہ ماننے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۱۹)

۱۳۔ اولیاء و انبیاء، امام زادہ اور پیر و شہید جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں

سب انسان ہی ہیں۔ اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر اللہ نے اُن کو بڑائی دی، اور بڑے بھائی ہو گئے۔ تقویۃ الایمان ص ۷۰)

اور اس کے مقابلہ میں فتوے کی تفصیلات لکھیں، جن کا مرکزی نقطہ سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کا طواف عشق و اطاعت ہے:۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اعزاز و اکرام اور فضائل جمیلہ و مناسب جلیلہ عطا فرمائے ہیں، ان میں سے بعض آپ نے ملاحظہ کر لئے۔ اب گوشِ دل اور کامل توجہ سے سنیئے۔ کہ جب معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ کبریا میں وہ وجاہت و عزت مرتبہ محبوبیت حاصل ہے کہ اس میں اولین و آخرین اور انبیاء و مرسلین میں سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت اور ہمسری حاصل نہیں ہے۔ اور اس سے پہلے بھی معلوم ہو چکا کہ وجاہت، عزت اور رتبۂ محبوبیت، شفاعت اور سفارش کی مقبولیت کا سبب ہے۔ تو اب جان لینا چاہیئے کہ شفاعت کبریٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص منصب ہے۔ حضور کی شفاعت بلاشبہ مقبول و مستجاب ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تمام جہانوں کے لئے رحمت، جنوں، انسانوں اور فرشتوں کے لئے ملجأ و ماویٰ ہے۔ مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ فائض الجود کی برکت سے مکہ مکرمہ میں عذابِ الٰہی سے محفوظ رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ؕ الخ

"اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ کفار مکہ کو عذاب دے، جبکہ اے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اُن میں موجود ہو۔"

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو عذاب میں مبتلا فرما دیا۔ مومنوں کو اُن پر غالب

دمسلط فرما دیا۔ مسلمانوں کی تلواریں ان کے لئے حاکم بنا دیں، اور اُن کی زمینیں علاقے اور مال مُسلمانوں کو بطور غنیمت عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا لَهُمْ اَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ . . . . الخ

"اُن کی کیا حیثیت ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب نہ دے اب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ہیں۔ جن کی ذاتِ مبارکہ اُن کے باعث امن تھی۔" (تحقیق الفتویٰ اردو ترجمہ ص ۱۱۰، ۱۱۱)

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں اپنے اس مفصل و مدلل فتویٰ (جو ۱۸۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے) کا خلاصہ خود تحریر فرمایا ہے۔ جو درج ذیل ہے:۔

خلاصۂ فتویٰ: جب چاروں مقام مکمل ہو گئے تو اب خلاصۂ فتویٰ اور استفتار کا جواب سُنیئے! سائل نے تین سوال کئے تھے:

(۱) یہ کلام حق ہے یا باطل؟

(۲) اس کا یہ کلام حضرت سید الاولین و الآخرین افضل الانبیاء والمرسلین آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے والوں کی پاکیزہ ترین صلوٰۃ، سلام بھیجنے والوں کا بہترین سلام، فرشتوں اور مسلمانوں کا پسندیدہ ترین ہو، کی شانِ عالی اور قدر جلیل و جمیل کی تنقیص و تخفیف ہے یا نہیں؟

(۳) اگر یہ کلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان کی قباحت پر مشتمل ہے تو اس کے مرتکب کا حال اور حکم شرعاً کیا ہے۔ اور وہ دین و ملت کے لحاظ سے کون ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قائل کا کلام مذکور سرتاپا جھوٹ، دروغ فریب اور دھوکہ ہے۔ کیونکہ وہ گناہگاروں کی نجات کے لئے شفاعت کے سبب ہونے کی نفی کرتا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، دیگر انبیاء و ملائکہ

علیہم السّلام اور اصفیاء سے شفاعتِ وجاہت اور شفاعتِ محبت کی نفی کرتا ہے۔ اس کا یہ عقیدہ کتاب مبین، احادیثِ سید المرسلین اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔ جیسے مقام اوّل میں تفصیلاً ثابت ہُوا۔ اور مقام ثانی میں اس کلام کے کچھ حصّوں کا بُطلان دلائل سے واضح ہُوا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا کلام بلاشبہ بارگاہِ الٰہی کے مقربین کے سردار، دیگر انبیاء، ملائکہ، اصفیاء، مشائخ اور اولیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان پر مشتمل ہے۔ اور استخفاف پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے مقام ثالث میں مذکور ہُوا۔ اور اس سے پہلے دلائل سے ثابت ہوا۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس بیہودہ کلام کا قائل از روئے شریعت کافر اور بے دین ہے۔ اور ہرگز مسلمان نہیں ہے۔ اور شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے۔ جو شخص اس کے کفر میں شک و تردد لائے یا اس استخفاف کو معمولی جانے کافر بے دین اور مسلمان ولعین ہے۔ مگر کفر اور بے دینی میں اس شخص سے کم ہے۔ جو اس گمراہانہ کلام کو قابلِ تحسین جانتا ہے۔ اور اس کلام کے اعتقاد کو ضروریاتِ دین میں سے شمار کرتا ہے۔ ایسا شخص کفر میں قائل کے برابر ہے۔ بلکہ استخفاف میں اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اُس نے نبی اکرم دیگر انبیاء، ملائکہ اور اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے استخفاف کو مستحسن جانا اور اسے ضروریات دین میں سے گمان کیا۔ اسی طرح جو شخص ظاہراً یا باطناً ایسے مسائل میں اس قائل کی طرفداری روا رکھتا ہے۔ اور اہل علم میں اس کی عزت کے تحفظ کے لئے دُور از کار تاویلات اختیار کرتا ہے۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخفیفِ شان کا مرتکب ہوا ہے۔ کہ ایک بے دین کی طرفداری کو سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت پر ترجیح دی۔ اور ملامت کے خوف بلکہ بقتضائے بدبختی اس کلام کے ثابت کرنے کے درپے ہُوا۔ جو نبیِ

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخفیف شان پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ سب کفر اور الحاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک کے طفیل اس سے محفوظ رکھے۔ چوتھے مقام میں ان مقاصد کے ثابت کرنے سے فراغت حاصل ہوئی پس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔"

امتناع نظیر کے متعلق آپ نے مفصل اور مضبوط دلائل دیئے ہیں۔ یہاں پر اس کے اعادہ مضمون میں زیادہ طوالت پیدا کرے گا۔ اس لیئے علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اثر مرزا اسد اللہ خاں غالب کے مندرجہ ذیل اشعار پر اکتفا کرتے ہیں۔ جن میں انھوں نے ثابت کیا ہے۔ کہ حضور کو اللہ جل شانہٗ نے ۔۔۔ خاتم النبیینؐ بنایا ہے۔ اس لئے اس عالم میں حضور کا نظیر پیدا ہونا محال اور ممتنع بالذات ہے۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم للعالمین نذیراً للعالمین اور رحمۃ للعالمین ہیں تو یہ جہان چھوڑ اور بھی کئی جہان ہوں، لاکھوں کروڑوں جہان ہوں۔ لاتعداد جہان ہوں۔ خاتم الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی رہیں گے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی کا یہ کہنا کہ اللہ چاہے تو کروڑوں محمدؐ جیسے پیدا کر سکتا ہے۔ نری گمراہی، ضلالت، حماقت ہے۔ غالب نے اپنے ان اشعار میں امکان نظیر کے خیال کو رد کرتے ہوئے علامہ فضل حق خیر آبادی کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ اور اسی رائے سے اپنی موافقت ظاہر کرتے ہوئے جس مدلل طریقے پر ثابت کیا ہے۔ یہ غالب ہی کا حصہ ہے:۔ ؎

در یکے عالم دو تا خاتم مجوے ۔۔۔ صد ہزاراں عالم و خاتم بگوئے

غالب! ایں اندیشہ نپذیرم ہمی ۔۔۔ خردہ ہم بر خویش می گیرم ہمی

اے کہ ختم المرسلینش خواندۂ ۔۔۔ دانم از روئے یقینش خواندۂ

ایں الف لامے کہ استغراق راست	حکم ناطق مغنئ اطلاق راست
مثار ایجاد ہر عالم یکے است	گر دو صد عالم بود خاتم یکے است
منفرد اندر کمالِ ذاتی است	لاجرم مثلش "محالِ ذاتی" است

(باغیِ ہندوستان ۔ص ۱۳۰)

"امیر الروایات" کی روایت اس لئے قابلِ اعتبار نہیں کہ مولانا نے اپنے "فتویٰ" اور "امتناعِ نظیر" میں اختیار کردہ موقف سے سرمُو انحراف نہیں کیا۔ بلکہ مصیبت کے دوران بھی انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے اپنی جس غلامانہ وابستگی اور شیفتگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی موجودگی میں وہ کس طرح مولوی اسمٰعیل کی فکریات سے اتفاق کر سکتے ہیں۔ پھر یہ بھی تو دیکھیں کہ مولوی اسمٰعیل حکومتِ انگلشیہ کا آلۂ کار بن کر اسلامی مرکزی خلافت کے مقابلے میں ایک نیا امیر المومنین گھڑتا ہے۔ سرحد آزاد کے جنگجو پٹھانوں میں خلفشار پیدا کرکے اُن کی لڑکیوں سے جبراً نکاح کے احکامات صادر کرکے اُن عمائدین میں خلل ڈال کر ان کے خلاف خانہ جنگی کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیتا ہے۔ انگریزوں کے دشمن سکھوں پر دباؤ ڈال کر انھیں انگریزوں سے مصالحت کے لئے مجبور کرتا ہے۔ خود مسلمانوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا جاتا ہے۔ اور اس کا پیر اپنے آپ کو غائب کر دیتا ہے۔ اور آج تک پتہ نہیں کہ اُن کا کیا انجام ہوا۔ ان حالات میں "امیر الروایات" مصنفہ اشرف علی تھانوی میں مذکور افسوس اور ندامت کی وجہ سے آہ و زاری ایک افسانہ اور طوطا مینا کی کہانی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

مولوی اسمٰعیل اور اس کے پیرو مرشد سید احمد بریلوی کا سکھوں کے خلاف جہاد جو حیثیت رکھتا ہے اور جس طرح تاریخ گھڑی گئی ہے۔ اس کا پردہ محمد محبوب علی خاں لکھنوی نے "تاریخ اعیانِ وہابیہ" میں دلائل و براہین سے چاک کیا ہے:۔

"اسمٰعیل دہلوی اور اُن کے مرشد سید احمد بریلوی کی اس جنگِ زرگری سے برٹش کو حسبِ ذیل فائدے ہوئے :-

(۱) دہلی اور ہندوستان کے دیگر بلاد آسانی کے ساتھ بہادر اور غیرت مند مسلمانوں سے اکثر خالی ہو گئے۔

(۲) مغل سلطنت کے جاں نثار اس کے قرب میں کم ہو گئے۔

(۳) سلطنتِ ہند کی قوت کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی۔

(۴) ہندوستان پر مکمل قبضہ کرنا انگریزوں کو آسان ہو گیا۔

(۵) ان دونوں کی ایجنٹی سے انگریزوں کی قوت بڑھی۔

(۶) ان کی جنگِ زرگری سے پنجاب پر بھی انگریزوں کا تغلب آسان ہو گیا۔

(۷) سرحدی مسلمانوں میں ان دونوں نے پھوٹ ڈال دی۔

(۸) آزاد قبائلیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، انھیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا۔

(۹) قبائلی مسلمانوں کے قتل کے فتوے بار بار لکھے اور شائع کئے۔

(۱۰) پٹھانوں کی طاقت کمزور کرا دی۔

(۱۱) کافروں کے مقابل ان کی ہوا خیزی کرا دی۔

(۱۲) کتاب "تقویۃ الایمان" کے ذریعہ مسلمانوں میں نفاق و شقاق کی آگ بھڑکائی۔

(۱۳) دوسری ریاستوں اور حکومتوں کو بھی خطوط و سفیر بھیج بھیج کر پنجاب کی طرف متوجہ کیا۔ اور سلطنتِ مغلیہ کی مدد سے غافل کر دیا۔

(۱۴) فرقہ بندی شروع کرائی۔ گھر گھر لڑائی کرائی۔ کچھ دنوں بعد ہی برٹش نے تغلب حاصل کیا۔ اور کچھ دنوں بعد اُن کی مدد کی بنا پر انگریزوں نے نہ صرف دہلی بلکہ تمام ہند پر تسلط جما لیا۔"

آخر میں حکومتِ پاکستان کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کے جہاد کی حقیقت واضح کرنے کے لئے ایک "ہسٹاریکل ریسرچ

بورڈ معززکرے اور اس کے دور کی تاریخ از سر نو مرتب کی جائے۔ اور مندرجہ ذیل حقائق کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھا جائے:۔

۱۔ فضل حق کی دین کی رو سے اسلام کے دشمنوں اور ملک کے غاصبوں پر جہاد واجب تھا۔ جبکہ اسمٰعیل دہلوی کے مذہب کی رو سے یہ بات فرض تھی کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں کبھی شریک نہ ہوں۔

۲۔ فضل حق کا جہاد صرف انگریز کے خلاف تھا۔ مگر اسمٰعیل دہلوی بحث میں جب عالم سے عاجز آ جاتے، اس کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیتے۔

۳۔ فضل حق جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے عظیم رہنما تھے۔ جنگِ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں انگریزوں نے مسلمانوں پر ظلم و استبداد کی انتہا کر دی۔ اس کے مقابلے میں اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد کا اعلان تھا۔ کہ سرکار انگریزی گو منکرِ اسلام ہے، مگر مسلمانوں پہ کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی۔ اس کے خلاف جہاد نہیں۔

۴۔ فضلِ حق اور اُن کے ساتھیوں نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ خادم اور نام لیوا کی حیثیت سے جنگِ آزادی میں حصہ لیا۔ جبکہ سید احمد بریلوی نے اپنے آپ کو مامور من اللہ کہا۔ اپنے اوپر الہام ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اسمٰعیل دہلوی کو سید احمد کا خلیفہ بمنزلہ حضرت عمرؓ قرار دیا گیا۔

۵۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں فضل حق خیرآبادی کی خدمات جلیلہ کا اعتراف غیر جانبدار مورخین کے علاوہ جانبدار وہابیوں کو بھی کرنا پڑا۔ وہ اس جنگ کے ہیرو کہلائے۔ اس کے برعکس سید احمد اسمٰعیل دہلوی اور ان کے ساتھی "مجاہدین" کو سندھ اور سرحد کے لوگ انگریز کا جاسوس سمجھتے تھے۔

۶۔ فضلِ حق کے خلاف استغاثے کے گواہ شہادت سے منحرف ہو گئے۔

تو خود انھوں نے اقبالِ جرم کر کے کالے پانی اور شہادت کو خوش آمدید کہا. لیکن اسمٰعیل و سید احمد کے خلاف اس شکایت کی تردید انگریز افسروں نے خود کی کہ یہ انگریز کے مخالف ہیں.

۷. انگریزوں کی حکومت فضلِ حق کے جہاد کا ہدف تھی۔ اس کے مقابلے میں اسمٰعیل دہلوی کے جہاد کی راہ میں گورنمنٹ انگلیشیہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ ہر طرح کی معاونت کی،

۸۔ اسمٰعیل دہلوی مرہٹوں اور ٹیپو سلطان کے انگریزوں کی راہ سے ہٹ جانے کے بعد سکھوں کو اُن کی راہ سے ہٹانے کے لئے سرگرم عمل رہے۔ ان کی کوششوں سے سکھ حکومت پر انگریز حکومت فتح یاب ہوئی، جبکہ صرف مغل حکومت باقی تھی۔ جسے بچانے اور انگریز کا اقتدار ختم کرنے کے لئے فضلِ حق نے جان کی بازی لگادی۔

۹۔ فضل حق نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا. اور اس جہاد میں باقاعدہ حصہ لیا. اسمٰعیل دہلوی نے حضور پُر نور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھنے والے مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر جہاد کا فتویٰ دیا. اور اہلِ اسلام اور سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔

۱۰۔ فضلِ حق کو انگریز غاصبوں نے کالے پانی کی سزا دی. جہاں مصائب و شدائد کو برداشت کرتے ہوئے وہ شہید ہوگئے. اور اسمٰعیل دہلوی اور اُن کے تمام ہمراہیوں کو "جہاد" کے لئے تیار کرنے کی خاطر انگریزوں نے کھانے کھلائے. سرحد میں اُن کے لئے ہنڈیاں بھیجی ایئں. اور ہر طرح ان کو مضبوط و مستحکم کیا.

۱۱۔ فضلِ حق نے عدالت میں اپنے فتویٰ جہاد پہ اصرار کیا. اسمٰعیل دہلوی نے انگریزوں کی خوشحال رعایا ہونے کا اقرار کیا۔

۱۲۔ فضلِ حق نے مہاراجان ریاست کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور سید احمد بریلوی نے سرحدی امراء کو خط لکھے، جن میں سکھوں اور مخالف مسلمانوں کے قلع قمع کے عزائم کا اظہار کیا۔

۱۳۔ فضلِ حق نے مسلمانوں کو دین کی اصل پر قائم اور متحد رکھنے کے لئے کام کیا۔ اور اسمٰعیل صاحب نے مسلمانوں کی تکفیر کی۔ اور ان میں پھوٹ ڈالی۔

۱۴۔ فضلِ حق غیر ملکی غاصبوں سے نفرت کرتے تھے۔ اسمٰعیل دہلوی غیر ملکی غاصبوں کی فرمانبرداری پر مفتخر تھے۔

۱۵۔ فضلِ حق جنگ آزادی کے سرکردہ لیڈر جنرل بخت خاںؒ اور بہادر شاہ ظفرؒ کے معتمد اور مشیر تھے۔ اور اسمٰعیل وسید احمد انگریز حکام کے معتمد تھے۔ سرحد میں ان کے جاسوس سمجھے گئے۔ اور انگریزوں نے انھیں ہر قسم کی مراعات دیں۔

۱۶۔ فضلِ حق بہادر شاہ ظفرؒ پر زور دیتے تھے۔ کہ مجاہدین میں جنگ آزادی کی ہمت افزائی کریں اور انھیں بہتر معاوضہ دیں۔ اسمٰعیل وسید احمد سرحدی قبائل کی نوجوان لڑکیوں سے زبردستی نکاح کرتے تھے۔ اور ان کے انکار پر ان کے خلاف ہی "جہاد" کا علَم اُٹھا لیتے رہے۔

سوادِ اعظم اہلِ سنّت کی ذمہ داری:۔ سوادِ اعظم اہلِ سنّت کی تمام سیاسی مذہبی، تعلیمی، تمدنی، تہذیبی، معاشرتی تنظیموں کا فرض ہے کہ وہ علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی تاریخ ساز شخصیت سے قوم کو روشناس کرائیں۔ اور جس طرح اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملّت کی شخصیت کو متعارف کرایا ہے۔ اس سلسلۂ عالیہ کے سرخیل علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی خدمات جلیلہ خاص طور پر تحفظِ ناموس رسالت۔ کے سلسلہ میں ان کی مساعیٔ عظیمہ کو تحریر وتقریر سے قوم کے سامنے لائیں:۔

مولوی رحمٰن علی مرحوم

مولوی فضل حق خیرآبادی

مولوی فضل حق خیرآبادی، عمری، حنفی، ماتریدی، چشتی ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد مولوی فضل امامؒ کے شاگرد تھے۔ حدیث مولانا عبدالقادر دہلویؒ سے پڑھی۔ قرآن مجید چار ماہ میں حفظ کر لیا۔ تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ شاہ دھومن دہلویؒ کے مرید تھے۔ علومِ منطق، حکمت، فلسفہ، ادب، کلام، اصول اور شاعری میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے اُن کی نظم چار ہزار اشعار سے زیادہ پر مشتمل ہوگی۔ دور دور کے شہروں سے طلباء آتے اور اُن سے مستفید ہوتے۔ ۱۳۶۴ھ (۱۸۴۸ء) میں، میں اُن کی خدمت میں لکھنؤ حاضر ہوا تو عین حقہ پینے اور شطرنج کھیلنے کی حالت میں ایک طالب علم کو افق المبین کا سبق دے رہے تھے۔ اور کتاب کے مطالب کو بہت خوبی کے ساتھ طالب علم کو ذہن نشین کرا رہے تھے۔ اُن کی اعلیٰ تصنیفات ہیں انگریزوں نے ان کو فسادِ ہند (۱۸۵۷ء) کے زمانہ میں قید کر کے جزیرہ رنگون بھیج دیا۔ وہیں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) میں فوت ہوئے۔

تصانیف:- الحسن الشافی فی شرح الجواہر العالی، حاشیہ شرح مسلم قاضی مبارک، حاشیہ افق المبین حاشیہ تلخیص الشفاء، الہدیۃ السعیدیہ در حکمت طبیعی، رسالہ تحقیق العلم والمعلوم، الروض، تاریخ غدر ہندوستان۔ ان کے خلف رشید مولوی عبدالحق ہیں جو اپنے والد کے کمالات کا آئینہ ہیں ... ریاست سے تعلق ہیں (تذکرہ علمائے ہند)

از قلم :۔ وفا راشدی انبالوی

مولانا فضل حق خیرآبادی

۱۸۵۷ء میں جن علمائے کرام کو باغی قرار دیکر عبور دریائے شور کی سزا دی گئی ہے۔ ان میں اپنے زمانے کے متبحر عالم مولانا فضل الحق خیرآبادی بھی تھے۔ اور کچھ دوسرے علمائے کرام بھی انڈیمان میں اپنی سزائے قید بھگت رہے تھے۔ مولانا فضل الحق خیرآبادی سے انتقاماً وہ کام لئے جاتے جو کسی طرح ایک عالم دین تو درکنار عام مسلمان کے لئے گوارا نہ تھے۔ لارڈ میو یہ دیکھنے کے لئے کہ انگریزوں کے کشتگانِ ناز سے انڈیمان میں کوئی رعایت تو نہیں برتی جاتی۔ خود انڈیمان گئے تھے۔

مولانا فضل حق خیرآبادی کے ہاتھ میں جھاڑو اور بغل میں ٹوکرا دیکھ کر اکثر لوگوں کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ عمر قیدیوں میں سرحد کا رہنے والا ایک غیرت مند جوان شیر علی بھی تھا۔ اس نے جب مولانا فضل الحق کی مشقت کا حال سنا اور دیکھا تو اس کی آنکھوں میں پانی کی جگہ خون اُتر آیا اور جب اس نے لارڈ میو کی انڈیمان میں آمد کا غلغلہ سُنا تو دل میں بدلہ لینے کا تہیہ کیا۔ وائسرائے کے جلوس کے لئے جو راستہ مقرر ہوا اس راستے پر ایک گھنے درخت کے گُدّے پر چھپ کر بیٹھ رہا۔ وائسرائے چار گھوڑوں کی بگھی پر سوار جب وہاں سے گزرا تو شیر علی نے درخت سے چھلانگ لگائی کہ اس کے پاؤں بگھی پر اور اس کی تلوار اسی وقت لارڈ میو کی گردن پر، گردن کٹ کر علیحدہ ہو گئی تو شیر علی نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور تلوار ہاتھ سے پھینک دی۔ اور خود درندوں کے ہاتھوں میں جا پڑا۔

اسی لارڈ میو کی نشانیوں کو علی حالہٖ پاکستان میں اس کے نام سے منسوب رکھنا کم از کم فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا لیکن لارڈ میو اس لحاظ سے بڑا ہی سنگدل تھا کہ وہ بچشم خود اپنے تیر اقتدار کے گھائل اور تیغِ انتقام سے بسمل اسیروں کا تماشا خود دیکھنے انڈیمان گیا۔ اور شیر علی کے ہاتھوں فی النار ہوا۔

(اسرار ہے "نوائے وقت" ۲۳ ۹/۶ ۷۸ء)

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

مولانا فضلِ حق خیرآبادی پہلودار شخصیت

مولانا فضلِ حق خیرآبادی نابغۂ روزگار تھے۔ اور مختلف الانواع اور پہلودار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ جہاں علم و دانش اور فلسفہ و حکمت کے بحر بے کنار تھے، گلستان شعر و ادب کی نسیم و بہار بھی تھے۔ وہ علوم عقلی و نقلی کے ساتھ ساتھ، علوم طریقت و ولایت کے رازدار بھی تھے۔ انھوں نے فخرالدین رازی کی طرح غبارِ راہ کے بگولوں کا لطف بھی لیا ہے۔ اور مولانا رومیؔ کی مانند پردۂ محمل اٹھا کر لیلیٰ مقصود کا دیدار بھی کیا ہے وہ جہاں میدانِ جنگ کے نشیب و فراز اور فنونِ حرب کے رموز و اسرار سے آگاہ تھے۔ گلشن امن و دوستی کے محرم اسرار بھی تھے۔ گلشنِ یاراں میں نسیم نرم رَو اور بیابان اعدا میں سیلابِ بلاخیز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں چیتے کا جگرا اور شیر کا دل دیا تھا۔ اور یہ الٰہی کا حوصلہ تھا۔ کہ جب سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل کا انگریزی طاقت کے آگے پتا پانی ہو گیا تھا۔ انھوں نے اس وقت کے غاصب انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ نہ صرف جہاد کا فتویٰ دیا۔ بلکہ عملاً جہاد میں حصہ لیا۔ اور جنرل بخت خاں اور جنرل محمود خاں کے قریبی ساتھی رہے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے دُوسرے علماء کو بھی فتویٰ جہاد میں اپنے ساتھ شامل کیا۔ اور مفتی صدرالدین آزردہ مولوی فیض احمد بدایونی، مولوی وزیر خاں اکبرآبادی وغیرہ کے انگریز کے خلاف فتویٰ جہاد پر دستخط کرائے۔ اور آخر اس کو جرم بنا کر ہی انگریزوں نے مجاہدین میں سے بعض کو عبور دریائے شور کی سزا دی۔ اور بے وطنی کے عالم میں فوت ہو کر مدفون ہوئے۔ اس کے مقابلے میں آج کے پراپیگنڈے کے زور پر بنائے گئے مجاہدین سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل نے انگریز کے خلاف

تلوار اُٹھانے اور جہاد کرنے کو حرام قرار دیا۔ اور یہاں تک کہ اعلان کیا کہ انگریز کے عہد میں ہم امن و امان سے رہ رہے ہیں۔ اس کے ثبوت کے لئے مقالات سرسید حصہ نہم ص ۱۴۲ اور سوانح احمدی (مصنفہ مولانا جعفر تھانیسری) ص ۱۴۱ یہ مرزا غلام احمدؑ قادیانی کے اس قسم کے فتوے کا اولین نقش تھا۔ اور آپ کے لئے شاید یہ بات بھی حیران کن ہو گی کہ سکھوں کے خلاف لڑنے والے اُن مُجاہدوں میں سے ایک مجاہد کا مزار ایک سکھ امر سنگھ نے بنوایا تھا۔ اس کا انکشاف حاجی امداد اللہ صاحب مکیؒ نے کیا ہے۔ ان کا یہ بیان قارئین کی اطلاع کے لئے نقل کیا جاتا ہے:۔

"آدمیوں نے سید احمد بریلوی کا صرف بدن پایا۔ ان کا سر جو بموجب وصیت اُن کے سر سے جُدا کر دیا گیا تھا، نہیں ملا۔ امر سنگھ نے بہ تعظیم و اکرام عام مزار تیار کیا۔" (امداد المشتاق ص ۹۳)

میں نے مولانا فضل حق خیر آبادی کی جن مختلف حیثیتوں کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ اور اُن کی وضاحت میں ان چند اہم اشخاص کی آراء کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ جو یا تو ان کے ہم عصر تھے۔ اور یا اُن کے بالکل قریبی زمانے کے تھے۔ کیونکہ ان سے بڑھ کر صحیح رائے دینے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

مولوی رحمٰن علی تذکرہ علمائے ہند (۲۰۴/۳۰۸) میں کہتے ہیں "منطق، حکمت، فلسفہ، ادب، کلام اور اصولِ شعر جیسے علوم میں بیان سے بالا صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کی نظم چار ہزار اشعار سے زائد پر مشتمل ہو گی۔" (ترجمہ از فارسی)

سر سید احمد خاں کہتے ہیں:۔

جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار اور منطق و حکمت کی تو گویا انہی کی فکر عالی نے بناڈالی ہے۔ باین ہمہ کمالات علم و ادب میں ایسا عَلَم سرفرازی

بلند کیا کہ فصاحت کے واسطے اُن کی شستہ محضر عروج معارج ہے۔ اور بلاغت کے واسطے اُن کی طبعِ رسا دست آویز بلندیٔ معارج ہے۔ سحبان کو اُن کی فصاحت سے سرمایہ خوش بیانی اور امرا القیس کو ان کے افکارِ بلند سے دستگاہ عروج معانی الفاظِ پاکیزہ اُن کے رشکِ گہر خوش آب اور معانی رنگین ان کے غیرت لعلِ ناب سروِ ان کی سطورِ عبارت کے آگے پا بہ گل اور گل اُن کی عبارتِ رنگین کے سامنے خجل۔ نرگس اگر ان کے سواد سے نگاہ ملا دیتی۔ مصحفِ گل کے پڑھنے سے عاجز نہ رہتی۔ اور سوسن اگر ان کی عبارتِ فصیح سے زبان کو آشنا کرتی۔ صفتِ گویائی سے عاری نہ ہوتی۔ (آثار الصنادید ص ۲۸۱)

مرزا غالب مرحوم مولانا کے بڑے معتقد تھے، مولانا محمد حسین آزاد نے آبِ حیات (ص ۵۱۲) میں لکھا ہے کہ مولانا فضلِ حق اور مرزا خانی نے دیوانِ غالب سے مشکل اشعار خارج کردیئے۔ اور دو ثلث کے قریب حصہ نکال دیا۔ ان کی رہنمائی سے غالب نے اس روش پر چلنا ترک کردیا۔ خود مرزا غالب ایک خط میں شیخ لطیف احمد بلگرامی کو مولانا فضلِ حق کے فوت ہونے پر لکھتے ہیں:۔

" کیا لکھوں اور کہوں۔ نور آنکھوں سے جاتا رہا۔ اور دل سے سرور ہاتھ میں رعشہ طاری ہے۔ اور کان سماعت سے عاری ہیں۔

عتابِ عروساں در آمد بجوش
صراحی تہی گشت و ساقی خموش

فرا ایجاد و تمکین مولانا فضلِ حق ایسا دوست مرجائے، غالب نیم مردہ نیم جان رہ جائے۔" ؎

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی — موت آتی ہے پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی

(بحوالہ ماہنامہ اردوئے معلیٰ علی گڑھ دسمبر ۱۹۰۷ء ص ۲۶)

منیر شکوہ آبادی جو مولانا فضل کے ساتھ جزائر انڈمان میں انگریز کے خلاف جہاد کرنے کی سزا بھگت رہے تھے۔ اور اُردو کے عظیم قصیدہ نگار بھی تھے۔ اپنے ایک قصیدہ میں جو انھوں نے دوران قید لکھا تھا۔ مولانا موصوف کی شان میں کہتے ہیں۔ ؎

رشک زلیخا ہوئی بحر صفت جوش زن :: غرق ہوا نیل میں یوسف گل پیرہن
مخزن فضل و کمال عالم عالی مقام :: ناقد تازی زبان فیض شناس سخن
مولوی بے نظیر فضل حق اسم شریف :: دہلی سے تا لکھنؤ مشتہر و موتمن
قید میں ہیں اور وہ رہتے تھے ایک ہی جگہ :: عین سمندر میں تھے غرقہ بحر محن
نصف قصیدہ کیا ہے سامنے ان کے رقم :: ختم ہوا جب تھے وہ ہمدم گور و کفن

وقائع عبد القادر خانی جلد اول مترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی کے صفحہ ۲۵۶ پر لکھا ہے کہ جنگِ آزادی میں مولانا فضل حق نے مردانہ وار حصّہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے۔ فتح ہوئی تو وہ گرفتار ہوئے۔

مولوی رحمٰن علی نے تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۳ پر تقریباً یہی عبارت لکھی ہے۔ اور آخر میں یہ فقرہ مستزاد کیا ہے کہ (مولانا فضل حق) پر مقدمہ چلا۔ عبور دریائے شور کی سزا پائی۔

انگریزوں نے اس وقت کا جو یادداشتیں لکھی ہیں۔ اور مولانا فضلِ حق پر مقدمے کے سلسلے میں جو باتیں کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز مولانا فضل حق کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولانا مرحوم کے مقدمہ کی رپورٹ میں غاصب انگریز کی عدالت نے لکھا ہے۔

یہ بات ان ایام میں عام طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی بیگم حضرت محل کے مشیرانِ خاص ہیں۔ پنجی فوج میں ان کو "آدھیہ شوری" کے نام سے شہرت تھی بلکہ کبھی کبھی انھیں کچہری پارلیمنٹ کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ...... وہ خطرناک

ترین آدمی ہے۔ جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس لئے انصاف اور امن عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے۔

مولانا کو گرفتار کر کے جب انگریزی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس عدالت کا انگریز جج، مولانا کی شخصیت سے ایسا مرعوب ہوا کہ اس میں اُن کو بری کرنے کی خواہش بیدار ہوگئی۔ جج چاہتا تھا کہ کسی طرح مولانا یہ کہہ دیں کہ وہ مولانا فضل حق نہیں جنھوں نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ گواہوں سے بھی شناخت پر یہ کہلوا دیا گیا۔ کہ وہ مولانا نہیں۔ جن کی انھوں نے مخبری کی ہے۔ لیکن جرأت دیکھیئے کہ اس چیتے کے جگر اور شیر کے دل والے مجاہد مولوی کی کہ خطرناک ترین انجام سامنے ہوتے ہوئے بھی کہہ رہا ہے۔ کہ یہ فتویٰ مَیں نے ہی دیا تھا۔ مَیں ہی وہ مولانا فضل حق ہوں۔ میرا اب بھی یہ فتویٰ ہے کہ انگریز غاصب ہے۔ سہ ماہی رسالہ "الزبیر" بہاولپور کے تحریک آزادی نمبر ۱۹۷۰ء ص ۹۲ پر یہ عبارت موجود ہے کہ مولانا کہہ رہے تھے کہ وہ فتویٰ صحیح ہے۔ اور میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری یہی رائے ہے۔ مخبری کرنے والے گواہ کے متعلق مولانا کہنے لگے۔ یہ گواہ اب عدالت کے سامنے میری صورت سے مرعوب ہو کر جھوٹ بول رہا ہے۔ اور مزید کہا کہ جب مخبر نے میرے فتویٰ کی خبر کی ہے۔ اس کے بیان کی میں توثیق کرتا ہوں۔ کہ یہ میرا ہی لکھا ہوا ہے۔ اور میرے ہی مشورے سے دوسرے علماء نے اس پر دستخط کئے ہیں۔ مجھے خدا کے حضور جانا ہے۔ میں غلط بات مذہب کے معاملے میں نہیں بول سکتا۔ یہ بات کتاب "ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء" ص ۵۳ پر بھی موجود ہے۔

اس دور کے بہت سے لوگوں کے لئے شاید یہ بات بھی نئی ہو۔ کہ مولانا فضل حق اور ان کے ساتھی مجاہدین آزادی کہ جو اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔ آج کے پروپیگنڈے کے زور پر بنائے گئے مجاہدین سید احمد

بریلوی اور شاہ اسمٰعیل کے پیروکار لفنگے اور تلنگے کہتے ہیں۔ اور پہلے سے خراب شدہ عاقبت کو مزید خراب کر رہے ہیں۔ یقین نہ آئے تو عبارتوں کو دیکھیے۔

"نواب محمد صدیق حسن خاں ترجمان وہابیہ (ص۶) میں لکھتے ہیں۔

پس فکر کرنا ان لوگوں کا جو اپنے حکم مذہبی سے جاہل ہیں۔
اس امر میں کہ حکومت برٹش ہٹ جائے۔ اور یہ امن
و امان جو آج حاصل ہے۔ فساد کے پردے میں جہاد کا نام لے کر اٹھا دیا جائے
سخت نادانی اور بے وقوفی کی بات ہے۔ بھلا ان ناعاقبت اندیشوں کا
چاہا ہوگا۔ یا اس پیغمبر صادق کا فرمایا ہوا۔"
یعنی نواب مذکور کے نزدیک انگریزوں کے خلاف جہاد نہ کرنا پیغمبر صادق کے فرمان کے مطابق ہے یہ انگریز دوستی اور انگریز پرستی میں حماقت اور ذلالت کی حد تک بڑھ جانا نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کتاب کے ص ۵۵ پر نواب صدیق حسن خاں نے مزید لکھا ہے کہ زمانہ غدر میں سواروں اور تلنگوں لا بعض مولویوں سے زبردستی جہاد کے مسئلہ پر مہر کرائی۔ اسی طرح مولوی محمد حسین بٹالوی جو وہابیوں کے مناظر عالم ہوئے ہیں۔ اپنی کتاب "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" میں کہتے ہیں۔ کہ جن مسلمانوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ وہ قرآن و حدیث کے رُوبرو مفسد، باغی اور بدکردار تھے۔ ان میں سے جو علماء کہلاتے تھے وہ بھی قرآن و حدیث سے بے بہرہ۔ نافہم اور بے سمجھ تھے۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا مفتی صدر الدین آزردہ۔ مولانا فیض احمد جیسے بزرگوں اور ان کے ساتھی اور مجاہدوں کو تلنگے لفنگے، بے علم، بدکردار اور قرآن و حدیث سے بے بہرہ کہنا کس علم عقل فکر مسلک مذہب کی رُو سے مناسب ہے۔ کوئی جواب دے تو کہا جائے گا کہ فرقہ واریت پھیلائی جا رہی ہے

مولانا وسایا الخطیب
جماعت اہلسنت کراچی

بطلِ حریت علامہ

فضل حق خیرآبادی کی سیاسی بصیرت

ہندوستان کی صد سالہ مکمل غلامی میں کتنی مرتبہ مسلمانوں پر مصائب و شدائد کے پہاڑ توڑے گئے اس کا اندازہ فرمایئے کہ اسی حکومت برطانیہ کے ہاتھوں سرزمین حجاز و شام کے ٹکڑے ہوئے، اسی کے ہاتھوں ترکی کا مرد بیمار گرفتار آزار ہوا۔ اسی نے قبلۂ اول بیت المقدس جیسے پاک خطہ کو ناپاک بنانے کی سازش کی۔ اسی کی بدولت ترکی اور عرب کے مسلمانوں پر ہندوستانی فوجوں نے گولیاں چلائیں۔ موپلہ قوم کی بربادی کی ذمہ دار بھی بدنام حکومت تھی، انڈونیشیا اور وزیرستان پر بمباری و فوج کشی کرنے والی یہی سلطنت تھی۔ خلافت کی چادر کے ٹکڑے ٹکڑے اسی دولت برطانیہ نے کئے تھے، ان تمام دردناک مصائب کے باوجود ہندوستان کا مسلمان عیش پرست و جاہ پسند طبقہ امراء خواب غفلت میں سوتا رہا۔ بلکہ ظلم کی انتہا ہے کہ مسلمانان ہند اور مقامات مقدسہ کے مسلمانوں کے سینوں کو چھلنی کرانے کے لئے رنگروٹوں کی بھرتی کرائی۔ حیثیت سے زیادہ برطانیہ حکومت کو چندے دیئے، اور اس طرح وفاداری کا پورا پورا مظاہرہ کیا۔ اس کے عوض بڑے بڑے عہدے اور خطابات حاصل کئے۔ انعام میں جاگیریں پائیں۔ علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی بصیرت اور فطری فہم و فراست کا اندازہ رسالہ "الثورۃ الہندیہ" سے لگایئے، علامہ نے اس میں بتایا ہے۔ کہ ہندوستان پر تسلط کے بعد انگریز بقاء سلطنت کے لئے دو اسکیموں پر عمل کرنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا،

اول یہ کہ پچھلے زمانہ کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب اسلامیہ مٹانے کے بعد اسکولوں کی یکساں تعلیم کا رواج جس سے ہر مذہب و ملت کے افراد ایک ہی رنگ میں رنگ جائیں۔

دوم یہ کہ غلہ پر کنٹرول کر کے خدا کی مخلوق کو سر جھکانے پر مجبور کر دیا جائے، چنانچہ

علامہ لکھتے ہیں:۔

" انگریزوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیاد پر فرقوں کا اختلاف تسلط و قبضہ کی راہ میں سنگِ گراں ثابت ہوگا۔ اور سلطنت میں انقلاب پیدا کر دے گا۔ اس لئے پوری تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مذہب و ملت کو مٹانے کے لئے طرح طرح کے مکر و حیلہ سے کام لینا شروع کیا۔ انھوں نے بچوں اور ناسمجھوں کی تعلیم اور اپنی زبان و مذہب کے لئے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کئے۔ پچھلے زمانہ کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔"

دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقات پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے۔ کہ زمین بھر کے غلہ کی پیداوار کاشتکاروں سے خرید کر نقد دام ادا کئے جائیں۔ اور ان غریبوں کو خرید و فروخت کا کوئی اختیار نہ دیا جائے۔ اس طرح نرخ کے گھٹانے اور بڑھانے اور منڈیوں تک اجناس پہنچانے اور نہ پہنچانے کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھے۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا کی مخلوق مجبور و معذور ہو کر ان کے قدموں میں آ پڑے اور خوراک وغیرہ نہ ملنے پر ان کے ہر حکم کی تعمیل اور ہر مقصد کی تکمیل کرے "!

پہلی اسکیم کے متعلق لارڈ میکالے کے یہ جملے سند کے لئے کافی ہیں۔ کہ

" ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیئے کہ جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو۔ اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیئے کہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، زبان اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔"

بعد میں انگریز نے ان اسکیموں کو عملی جامہ پہنایا۔ جو مسلمانوں کی بربادی کا سبب بنیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ مومن کی فراست سے ڈرتے رہو۔ یہ اللہ کے نور سے سب کچھ دیکھ اور سمجھ لیتا ہے۔

ان لوگوں کو ہوش آجانا چاہیئے۔ جو کہتے ہیں کہ مولوی کو سیاست نہیں آتی۔ آیئے

علامہ کا رسالہ "النور الہندیہ" کا مطالعہ کیجئے۔ یہ درست ہے کہ مولوی کی سیاست غلام دماغ نہیں سمجھ سکتا۔ انگریز سمجھتا تھا۔ ذرا غور کریں اور سوچیں انگریز کی ان اسکیموں پر عمل پیرا ہونے سے پہلے سارے دفاتر پر اسی طبقہ کا قبضہ تھا۔ علماء، مشاہیر وقت سرکاری اور شاہی محکموں پر قابض تھے۔

مولانا فضل امام خیر آبادی صدر الصدور دہلی، مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی، مفتی عنایت احمد کاکوروی منصف و صدر امین کول و بریلی۔ مولوی فضل رسول بدایونی سررشتہ دار کلکٹری صدر سہوان، مفتی انعام اللہ گوپاموی۔ قاضی دہلی و سرکاری وکیل الہ آباد، مولانا مفتی لطف اللہ علیگڈھی سررشتہ دار ریزیڈنسی دہلی و صدر الصدور لکھنؤ و مہتمم حضور تحصیل اودھ، مولوی غلام قادر گوپاموی ناظر سررشتہ دار عدالت دیوانی و تحصیلدار گوڑگاؤں، مولوی قاضی فضل اللہ کشمیری سررشتہ دار صدر الصدور دہلی وغیرہم یہ سب اپنے وقت کے بے نظیر و عدیم المثال اکابر علماء تھے، حکومت کی باگ ڈور انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ انھیں مسلمانوں کی سلطنت کی بربادی کب برداشت تھی۔ موقع کا انتظار تھا۔ ۱۸۵۷ء کا وقت آیا۔ تو سب میں پیش پیش یہی اکابر تھے۔ والیان ریاست اور ارکین دولت میں ناقوس حریت پھونکنے والے یہی حضرات تھے۔ عوام کو ابھارنا اور فتویٰ جہاد صادر کرنا انھیں کے حصے میں آیا۔ اور انقلاب ۵۷ء کے بعد سب سے زیادہ مصائب اٹھانے اور آتش حریت میں جلنے والے یہی شمع شبستان آزادی کے پروانے تھے۔ انگریز نے ایک ایک کر کے ان کو تمام عہدوں سے سبکدوش کر کے ان کے خلاف محاذ قائم کیا۔ اپنی ایک مخصوص جماعت خوشامدی قسم کے مسلمانوں پر مشتمل تھی چھوڑی جس کا سب سے بڑا مقصد علماء کی تذلیل و توہین کے ساتھ ساتھ انھیں سیاست سے نابلد بتا کر اور دقیانوسیت کا الزام لگا کر قوم کی زمام قیادت پر قبضہ کرنا تھا۔

یہی روح کارفرما تھی۔ جبکہ اسی قسم کے ایک میر اعظم نے ۱۸۶۳ء میں کلکتہ سے فخریہ نداد

میں اعلان کیا۔ کہ "ہم نے علماء کے وقار کو ختم کر دیا ہے"

اے کاش کہ مسلمان قوم سوچتی کہ انگریز کی صد سالہ اسکیم کو اس پردے میں عملی جامہ پہنا رہی ہے۔ وہ اپنے مجاہدین اور سرفروش علماء کی تذلیل ان سرکاری ایجنٹوں کے اشارے پر نا وابستگی سے کر کے اپنے پاؤں پر اپنے ہی ہاتھوں کلہاڑی مار رہی ہے۔

تاریخ کے جھروکوں سے جھانک کر دیکھئے، مسلمان قوم جب بھی کسی ابتلا میں پھنسی ہے یا غیروں کی سازش کا شکار ہوئی، اس طبقہ کے علماء نے اپنی بصیرت سے قوم کی کشتی کو کنارے لگایا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہندوستان کی اسلامی سلطنتوں کی تباہی انھیں "میروں" کی بدولت ہوئی۔ جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء کے بعد میر جعفر نے شاہ عالم کے ساتھ بھی ڈرامہ کھیلا تھا۔ اور اس طرح صوبہ بنگال ہاتھ سے نکلا۔ دکن میں میر صادق نے ۱۷۹۹ء میں شیر میسور سلطان ٹیپو کو دھوکہ دے کر شہید کرایا۔ اور ہندوستان کی غلامی کا دائمی پٹہ انگریز کو لکھ دیا۔ ؎

جعفر از بنگال صادق از دکن
ننگ آدم ننگِ دیں ننگِ وطن

علامہ نے واقعہ ہنومان گڑھی دیدۂ عبرت سے دیکھا۔ اکبر شاہ ثانی اور بادشاہ ظفر کی بے بسی اور واجد علی شاہ والی اودھ کی معزولی دیکھی کی علت پر نظر جمائی۔ دوسری طرف عمالِ حکومت ہندوستانی تہذیب و کلچر کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ عیسائیت کی تبلیغ کا ڈنکا بجنے لگا تھا۔ عیسائی مشنریاں، مدارس، ہسپتال اور دوسرے پبلک اداروں سے مذہبی اشاعت اپنا فرض منصبی سمجھ رہی تھیں۔ ان کی دیدہ دہنی کا شکار مذہب اسلام تھا۔ پادری فنڈر کا آئے دن علماء کو مناظروں کا چیلنج اور پھر ان مناظروں سے ہلچل مچی ہوتی تھیں۔ عوام کو خیال ہونے لگا کہ حکومت تو گئی۔ اب مذہب بھی ہاتھ سے جانے لگا ہے۔ مسلمانوں کی اصل متاع مذہب ہے۔ مسلمان تمام نقصان اور مصیبتیں برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن مذہب پر آنچ نہیں آنے دیتا۔ سلسلہ یہاں تک پہنچا۔ کہ ۱۸۵۰ء میں

کلکتہ سے پادری صاحبان ای ایڈمنڈ نے تمام سرکاری ہندوستانی عہدیداروں کے نام
گشتی چھٹی بھیجی تھی۔ کہ "برٹش راج میں تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی ہے۔ تار برقی
سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی ہے۔ ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمدو رفت ایک
ہوگئی۔ مذہب بھی ایک چاہیئے۔ اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی بن کر
ایک مذہب ہو جاؤ۔"

علامہ کا بچپن اور کھولت دہلی میں گذرے، آخر میں لکھنؤ پہنچے۔ وہاں کی حالت دہلی
سے بھی بر تر پائی، بادشاہ دہلی اور والیٔ اودھ برائے نام حکمران تھے۔ مسجد ہنومان
گڑھی شہید ہوئی۔ مسلمان مجاہدین کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ امیر علی شاہ توپ سے
اڑائے گئے۔ ناموس اسلام کی بے عزتی اور اسلامی شعائر کی بربادی پر بھی واحد علی شاہ
کو عیش و عشرت کی پڑی تھی۔ علامہ صدر الصدور تھے۔ ان واقعات سے متاثر ہوکر
لکھنؤ چھوڑ کر ۵۶ء میں الور چلے گئے، مگر دل بے چین رہا۔ دربار دہلی سے راجاؤں
کے نام خطوط بھی روانہ ہوئے۔ علامہ نے راجہ الور سے بھی گفتگو کی۔ مگر وہ رام نہ ہوا۔
علامہ نے الور کو چھوڑ دیا۔ اور راستے میں زمینداروں کو تلقین کرتے ہوئے چلے۔ اس
سے قبل مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ مدراسی سے سرگوشیاں ہو چکی تھیں دلاور
جنگ فیض آباد چلے گئے۔ علامہ الور سے نشر و اشاعت کرتے ہوئے ۱۸۵۷ء میں
دہلی پہنچے۔ میرٹھ اور دوسری چھاؤنیوں میں کارتوسوں کا قضیہ زور پکڑ چکا تھا گائے
اور سؤر کی چربی کی آمیزش کی خبر سے ہندو اور مسلمان فوجی بگڑ بیٹھے۔ میرٹھ سے
دہلی پر "باغی" فوج نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو حملہ کر دیا۔ قتل اور غارتگری کا بازار گرم ہوا۔
بادشاہ دہلی سرگرمیوں کا مرکز بنے۔ علامہ بھی شریک مشورہ رہے۔ عمائدین شہر میں دو گروہ
تھے۔ ایک بادشاہ کا ہمنوا اور دوسرا حکومت کمپنی کا بہی خواہ۔ ایک جماعت
مجاہدین کی تھی۔ یہ جنرل بخت خاں کی سرداری میں داد شجاعت دے رہی تھی۔ علامہ
سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے۔ مشورہ کے بعد علامہ نے نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد

میں علماء کو خطاب کیا۔ اور استفتا پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی۔ مولوی عبد القادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی۔ ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی اور سید مبارک شاہ رامپوری نے دستخط کر دیئے۔ اس فتوٰی کے شائع ہوتے، ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی تھی جنرل بخت خاں کی اسکیموں میں مرزا مغل آڑے آتے تھے، جس کی وجہ سے فوج میں پھوٹ پڑگئی۔ جنرل بخت خاں سے لوگ بگڑ گئے۔ کمپنی کی فوج نے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہر دہلی پر حملہ کر دیا۔ اور ۱۹ ستمبر کو مکمل طور پر قابض ہوگئے۔ علامہ دہلی سے ۲۴ ستمبر کو روانہ ہوگئے مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور، مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ بھی دھر لئے گئے۔ سید اسمٰعیل حسین شکوہ آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی کو بجرم بغاوت کالے پانی کی سزا ہوئی۔ علامہ فضل حق خیرآبادی کو باغی قرار دے دیا گیا۔ اسیر فرنگ ہوکر بند ہوئے۔ ۱۸۵۹ء میں لکھنؤ میں مقدمہ چلا۔ علامہ کے ثبات و استقلال، صداقت و حقانیت اور بلند ہمتی کے لئے "تذکرہ العلماء" کی یہ عبارت کافی ہے۔

۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتوٰی جہاد کی پاداش یا جرم یا بغاوت میں مولانا ماخوذ ہوکر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا۔ مولانا موصوف کے فیصلہ کے لئے جیوری بیٹھی۔ ایک اسیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ سرکاری وکیل کے مقابل مولانا خود بحث کرتے تھے۔ بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزامات اپنے اوپر خود قائم کئے۔ اور پھر خود ہی شش تار عنکبوت عقلی و قانونی دلائل سے توڑ دیئے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا۔ اور ان سے ہمدردی بھی تھی۔ جج نے صدر الصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا۔ وہ مولانا کی عظمت اور تبحر سے بھی واقف تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا۔ کہ مولانا بری ہو جائیں۔ ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ بری ہو جائیں گے۔ سرکاری وکیل لاجواب تھے۔ دوسرا دن آخری دن تھا۔

مولانا نے اپنے اوپر جتنے الزام لئے تھے۔ ایک ایک کر کے سب رد کر دیئے۔ پھر جس
مخبر نے فتویٰ کی خبر دی تھی اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی۔ پھر فرمایا۔ پہلے اس
گواہ نے سچ کہا تھا۔ اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی۔ اب عدالت میں میری صورت
دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ اور جھوٹ بولا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج
اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔

جج بار بار علامہ کو روکتا تھا، کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخبر نے عدالت کا رخ اور
علامہ کی پارعب اور پُر وقار شخصیت سے متاثر ہو کر شناخت کرنے سے گریز کرتے
ہوئے کہہ دیا تھا۔ کہ یہ وہ مولانا فضل حق نہیں۔ وہ دوسرے تھے۔ گواہ حسن سیرت
سے انتہا متاثر ہو چکا تھا۔ مگر علامہ کی شان استقلال کے قربان جایئے۔ آپ فرماتے
ہیں کہ "وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری
وہی رائے ہے۔"

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

علامہ کے اقرار و توثیق کے بعد گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی۔ عدالت نے حبس
دوام بہ عبور دریائے شور کا حکم سنایا۔ آپ نے کمال مسرت اور خندہ پیشانی سے
سنا۔ آخرش جزیرہ انڈمان روانہ کر دیئے گئے۔ علامہ کو انڈمان میں کیسے ذلت
آمیز برتاؤ سے سابقہ رہا۔ الثورۃ الہندیہ اور قصائد میں اس کا مفصل بیان موجود
ہے۔ ادھر علامہ کے صاحبزادے اور خواجہ غلام غوث سرگرم سعی تھے۔ آخر پروانہ
رہائی حاصل کر کے آپ کے صاحبزادے انڈمان روانہ ہو گئے۔ جہاز سے اتر کر شہر
میں گئے۔ تو ایک جنازہ نظر آیا۔ اس کے ساتھ عوام کی کثرت تھی۔ دریافت کرنے
پر معلوم ہوا کہ کل ١٢ صفر ١٢٧٨ھ مطابق ١٨٦١ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی کا
انتقال ہو گیا۔ اب سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں۔ یہ بھی بصد حسرت و یاس شریک دفن ہوئے۔

محمد صادق قصوری

علامہ فضل حق پر اتہام طرازی
ڈاکٹر ثریا ڈار کے مضمون کا تجزیہ

جناب ڈاکٹر صاحبہ

سلام و رحمت۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

"فکر و نظر" اسلام آباد شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر ثریا ڈار کا مضمون "علامہ فضل حق خیر آبادی" نظر سے گذرا۔ ان کی محنت کی داد نہ دینا ظلم ہوگا کیونکہ ان کے مضمون سے عیاں ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت سی کتابوں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اشہب قلم دوڑایا ہے۔ میں انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔

لیکن نہایت افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنے کی جسارت بھی کرنے دیجیے کہ انہوں نے مجاہد کبیر حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے انصاف نہیں کیا ہے۔ بعض جگہوں پر نہایت ناروا اور دل آزار الزامات لگا کر حضرت مولانا کی روح کو بے قرار کیا ہے۔ اور اُن کے عقیدتمندوں کی دل آزاری کی ہے۔ جو کسی لحاظ سے بھی مستحسن نہیں ہے مثلاً۔

(۱) صفحہ ۶۱ پر انھوں نے تحریر فرمایا کہ علامہ، شاہ اسمٰعیل کی مخالفت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اور ایک درخواست علامہ فضل حق کی تائید کے ساتھ انگریز حاکم کے سامنے پیش کی گئی" وغیرہ وغیرہ۔"

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ انہوں نے نہایت جانبداری سے کام لیا ہے۔ اگر انہوں نے نگاہِ انصاف سے کام لیا ہوتا تو یہ الفاظ ہرگز ہرگز صفحہ قرطاس پر نہ بکھیرتیں اور مخالفین کی الزام تراشیوں کا سہارا نہ لیتیں۔ علامہ فضلِ حق نے جب بھی کسی کی مخالفت کی اصولوں کی بناء پر کی۔ شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان، افراط و تفریط کا مجموعہ تھی۔ اگر اس پر علامہ نے تنقید کی تو کوئی جرم نہیں کیا۔ خود شاہ اسمٰعیل نے تسلیم کیا تھا کہ

"میں جانتا ہوں کہ اس (تقویۃ الایمان) میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی ہیں شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ شورش ضرور پھیلے گی"۔[۱]

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی اس کتاب سے اکناف و اطراف میں شورش برپا ہو گئی، ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ شاہ صاحب کے قدردان اور پرانے ساتھی بھی اُن کی مخالفت کئے بغیر نہ رہ سکے۔ علامہ فضل حق اگر ایسے موقعہ پر پہلوتہی اور خاموشی اختیار فرماتے تو یہ گناہِ عظیم ہوتا۔ لہٰذا انہوں نے سب سے پہلے یہی کوشش کی کہ دونوں اطراف کے اس ہنگامہ اور مسلمانوں کی باہم جنگ وجدل کو قانونی طور پر روک دیا جائے تاکہ ایک طرف عوام بھی مطمئن ہو جائیں اور دوسری طرف شاہ اسمٰعیل کے لیے بھی بارِ خاطر نہ ہو۔ علامہ کے اس اقدام میں خلوص تھا، درد تھا اور ملّت اسلامیہ کی فلاح کا جذبہ تھا نہ کہ کوئی ذاتی منفعت۔ بات اتنی تھی جس کو انہوں نے بڑھا چڑھا کر افسانہ بنا دیا۔

اس کے بعد شاہ اسمٰعیل نے امکان نظیر کا مسئلہ چھیڑ دیا بھلا اس کی ضرورت کیا تھی۔ شاید شاہ صاحب اس مسئلہ کو چھیڑ کر ملت اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے تھے یہ بھی ہو سکتا ہے اس کی تہہ میں کچھ اور اغراض پوشیدہ ہوں۔ بھلا ایسے موقعہ پر علامہ فضل حق جیسا حق گو اور عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسے خاموش رہ سکتا تھا۔ شاہ صاحب کی رائے یہ تھی کہ خاتم النبیین کا مثل ممکن بالذات ہے اور ممتنع بالغیر ہے۔ علامہ فضل حق ممتنع بالذات مانتے تھے۔ اس مسئلہ پر حضرت علامہ نے امتناع النظیر کے نام سے کتاب لکھی جس کا جواب آج تک شاہ صاحب اور اُن کے عقیدتمندوں پر اُدھار چلا آرہا ہے۔ اس کتاب میں حضرت علامہ نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر کے ممتنع بالذات ہونے پر جو دلائل وبراہین قائم کئے ہیں انھیں دیکھ کر بے ساختہ مرحبا و احسنت زبان پر آتا ہے۔ علمی وفنی حیثیت سے وہ گلگاریاں کی ہیں کہ صفحاتِ کتاب تختۂ چمنستان بن گئے ہیں (باغی ہندوستان ص ۱۱۷)

اگر ڈار صاحبہ کا اب بھی یہی خیال ہے کہ حضرت علامہ نے شاہ اسمٰعیل کی مخالف بلاوجہ کی تو یہ علامہ فضل حق سے اُن کے بغض کا اظہار ہے۔ کیا ان سے یہ پوچھنے کی جسارت کی

---

[۱] ۔ عبدالشاہد خاں شروانی، باغی ہندوستان مطبوعہ بجنور ۱۹۴۷ء، ص ۱۵۱

جاسکتی ہے کہ شاہ اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان لکھ کر اور مسئلہ امکانِ نظیر چھیڑ کر اسلام کی کون سی خدمت کی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے۔

۲۔ صفحہ ۵۹، ۶۲ پر ڈاکٹر صاحبہ کا ارشاد ہے کہ مباحثوں میں آخر کار شاہ صاحب بازی لے جاتے تھے۔ گویا مباحثوں اور مناظروں میں علامہ فضل حق شکست کھاتے تھے اور شاہ اسمٰعیل فتح یاب ہوتے تھے۔ یہاں حقیقت سے آنکھیں بند کر کے شاہ صاحب کی عقیدت و محبت میں غلو کی حد تک سرشار ہو کر بالکل خلافِ واقعہ بات لکھ دی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ کسی مباحثہ کا ذکر کرتیں اور ثابت کرتیں کہ علامہ فضلِ حق لاجواب ہوئے۔ مگر چونکہ ایسا نہیں ہے لہٰذا "کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے" کے مصداق کوئی دلیل کہاں سے لاتے ایک طرف تو اپنے مضمون کے صفحہ ۶۰ پر سرسید کے یہ الفاظ نقل کرتی ہیں کہ "فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہلِ کمال کے حضور میں بساطِ مناظرہ آراستہ کر سکیں۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو یگانۂ فن سمجھتے تھے جب اُن کی زبان سے ایک حرف سنا، دعوئ کمال کو فراموش کر کے نسبتِ شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔"[۱]

لیکن دوسری طرف حضرت علامہ کو شاہ اسمٰعیل کے سامنے بے بس بتاتی ہیں۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سی بات کو درست مانیں اور کون سی بات کو غلط۔ اے کاش آپ حق و باطل میں امتیاز کر سکیں لیکن ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۳۔ اپنے مضمون کے صفحہ ۶۲ پر "امیر الروایات" کے حوالے سے لکھا ہے کہ علامہ فضل حق، جزائر انڈیمان میں دورانِ قید بہت نادم تھے، روتے تھے اور فرماتے تھے مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے مولوی اسمٰعیل صاحب کی مخالفت کی۔ وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا۔ مجھ پر جو یہ مصیبت پڑی ہے یہ میرے انہی اعمال کی سزا ہے۔ میری مولوی اسمٰعیل سے دوستی تھی اور میں بھی اُن کے ساتھ شہید ہوتا مگر کیا کیجئے۔ بدایوں والوں نے

---

[۱] محمد اسمٰعیل پانی پتی، مقالات سرسید حصہ شانزدہم مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء ص ۳۲۸

ابھار کر ان سے جھگڑوا دیا اور میں علم کے غرہ میں حق کو باطل کرنے پر تُل گیا۔ تم لوگ گواہ رہنا کہ میں اپنے خیالاتِ باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور میں اگر رہا ہوگیا تو اپنی توبہ شائع کروں گا۔"

ڈاکٹر صاحب! خوفِ خدا بڑی چیز ہے، آپ نے "امیر الروایات" سے یہ جھوٹ کا پلندہ نقل کرتے وقت جس دیدہ دلیری کا مظاہرہ کیا ہے وہ انتہائی قابلِ افسوس ہے علامہ فضل حق کے نادم ہونے، رونے اور پچھتانے اور توبہ کرنے کا قصہ اُن کے مخالفین یعنی شاہ اسمٰعیل دہلوی کے پیروکاروں کا طبع زاد ہے۔ علامہ فضل حق کی شاہ اسمٰعیل سے کوئی ذاتی مخالفت یا عداوت نہ تھی۔ کوئی دنیاوی جھگڑا نہ تھا۔ کہ علامہ بعد میں پچھتاتے کہ محض دنیا کی خاطر جھگڑتے رہے اور بے مقصد مخالفت کرتے رہے۔ یہاں تو جھگڑا تھا مقامِ مصطفےٰ کا۔ شاہ اسمٰعیل صاحب مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناآشنا تھے۔ انہوں نے تقویۃ الایمان لکھ کر شانِ رسالت میں بے شمار گستاخیاں کیں۔ مقامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹانے کی سعئ نامشکور کی۔ انھیں غلامانِ رسولؐ کی ہر بات میں شرک نظر آتا تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ "بڑا بھائی" سمجھتے تھے[1] اور فرماتے تھے کہ "جس کا نام نام محمدؐ یا علیؓ ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔[2] اور ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے"۔[3]

علامہ فضل حق نے شاہ صاحب کے ان عقائد باطلہ کی دلائل و براہین سے تردید کی اور شاہ صاحب کی لغویات کا برسرِعام پردہ چاک کیا۔ شاہ مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد رشید الدین خاں۔ شاہ احمد سعید دہلوی، مفتی صدر الدین آزردہ، شاہ محمد موسیٰ دہلوی جیسے بے شمار منتخب روزگار علامہ صاحب کے ہمنوا و مؤید تھے۔[4] لہٰذا اُن کے نادم ہونے یا پچھتانے کا سوال چہ معنی دارد؟

حضرت علامہ کے مخالفین کے قربان جاؤں کہ انھوں نے شاہ اسمٰعیل کو حق پر اور

---

[1] ۔ شاہ اسمٰعیل دہلوی، تقویۃ الایمان مطبوعہ اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور ص ۱۱

[2] ۔ ایضاً ص ۸۲ ۔ [3] ایضاً ص ۳۱ ۔ [4] شاہ ابوالحسن زید فاروقی، مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء ص ۷۱

علامہ کو غلطی پر ثابت کرنے کے لئے مفتی عنایت احمد کاکوروی کے حوالے سے کیا خوب داستان گھڑی ہے کہ حضرت علامہ نے مفتی صاحب کے ہاتھ کہلوا بھیجا تھا کہ "میں اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرتا ہوں مجھ پر جو مصیبت پڑی ہے وہ شاہ صاحب کی مخالفت کی سزا ہے۔ واپس آکر توبہ نامہ شائع کراؤں گا"۔

ڈاکٹر صاحب! میں بڑے ادب واحترام کے ساتھ آپ سے سوال کرتا ہوں کہ صاحبِ امیرالروایات نے مفتی عنایت احمد کاکوروی سے یہ پیغام کب وصول کیا، مفتی صاحب نے خود کیوں نہ اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا اور نہ اُن کے معاصرین نے نقل کیا۔ اور پھر آج تک امیرالروایات کے علاوہ کسی اور کتاب میں آپ کے اکابرین کے اس طبع زاد افسانے کا تذکرہ نہ ملا۔ اگر علامہ صاحب نے مفتی صاحب کو گواہ بنا کر توبہ کی تھی اور رہا ہو کر توبہ نامہ شائع کرانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو مفتی صاحب کو ہی "توبہ نامہ" لکھ کر کیوں نہ دے دیا کہ وہ میری طرف سے واپس ہندوستان جاکر شائع کروادیں۔ توبہ نامہ کی اشاعت کو اپنی رہائی کی اُمید پر التواء میں کیوں رکھا۔ اگر حضرت علامہ، جزائر انڈمان سے قید وبند کے دوران اپنی کتاب "رسالہ عذریہ" (باغی ہندوستان) مفتی صاحب کے ہاتھ اپنے صاحبزادے مولانا عبدالحق کو بھیج سکتے تھے تو توبہ نامہ بھیجنے میں کون سا امر مانع تھا؟

مفتی عنایت احمد کاکوروی کی وفات ۱۸۶۳ء/۱۲۷۹ھ میں ہوئی [۱] اس وقت صاحب امیرالروایات کی عمر کیا تھی، کیا ان کی مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی اگر ہوئی تو کہاں؟ امید ہے کہ یہ عقدہ حل کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا جائے گا۔

جہاں تک میرے ناقص علم کا تعلق ہے صاحب امیرالروایات نے شاہ سے زیادہ شاہ پرست بننے کے شوق میں اپنی طبع زاد کہانی کو مفتی صاحب سے منسوب کرکے خیراتی وکیل کا کردار ادا کیا ہے۔ لیکن تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ آج شاہ اسمٰعیل اور علامہ فضل حق خیرآبادی دونوں کے کردار قوم کے سامنے ہیں۔ لوگ جان چکے ہیں کہ انگریز کا وفادار کون تھا اور انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے جہاد کا فتویٰ ایک میدانِ عمل میں آنے والا کون ہے۔ لہٰذا ایسی بے سروپا اور جھوٹی داستانیں گھڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے،

---

[۱] حکیم نثار احمد علوی، سخنورانِ کاکوری مطبوعہ کراچی ۱۹۷۸ء ص ۲۷۲

پروفیسر محمد ایوب قادری، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء ص ۸۴

۴۔ ڈار صاحبہ نے مضمون کے صفحہ ۶۳ پر جہادِ ہنومان گڑھی کے خلاف علامہ فضل حق کے فتویٰ کا ذکر کر کے تجاہل عارفانہ کا ثبوت دیا ہے۔ نہ معلوم حقائق سے کن ردیہلی مصلحتوں کی بناء پر چشم پوشی کی گئی ہے۔ علامہ نے جہادِ ہنومان گڑھی کے خلاف کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ علامہ کے مخالفین نے اُن کی عظمت کے مینار کو گرانے کیلئے جہاں اور دھر باتیں کیں وہاں اس فتویٰ کا الزام بھی عائد کر دیا۔ سب سے پہلے یہ الزام سید کمال الدین حیدر نے عائد کیا ہے، جو انگریزوں کے خاص آدمی تھے اور جنہوں نے مسٹر الیٹ (مشہور مؤرخ) کی فرمائش پر اودھ کی تاریخ قیصر التواریخ مرتب کی تھی اور اس تاریخ کی بنا پر وہ واجد علی شاہ کے معتوب اور ملازمت سے برطرف ہوئے تھے اور اسی الزام کو مولوی نجم الغنی خاں نے برسوں بعد اپنی تاریخ اودھ (مطبوعہ ۱۹۱۹ء) میں من و عن نقل کر دیا۔

مسجد پر ہندوؤں کے قبضے اور قرآن کریم کی بے حرمتی کے خلاف جہاد کی تحریک شروع ہوئی تو اودھ کی حکومت نے اس کی مزاحمت کیلئے علماء کی خدمات حاصل کیں۔ اور ایک استفتا مرتب ہوا۔ جس کے جواب میں علماء نے مجاہدین کے مقابلے میں حکومت کے نقطۂ نظر کی تائید کی۔ اس فتوے پر دستخط کرنے والے علماء میں سید کمال الدین نے مولانا فضل حق کا بھی نام لیا ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ اسی کتاب میں جہاں وہ فتویٰ نقل کیا ہے اس پر مولوی محمد یوسف، مولوی احمد اللہ، مولوی خادم احمد، مولوی محمد سعد اللہ، مولوی تراب علی کے دستخط ہیں۔ علامہ فضل حق کے نہیں ہیں۔ مولوی نجم الغنی خاں نے بھی تاریخ اودھ میں یہ فتویٰ نقل کیا ہے مگر یہاں بھی علامہ فضل حق کے دستخط نہیں ہیں۔ حدیقۃ الشہدا میں بھی جو مولوی امیر علی امیر المجاہدین کے ایک رفیق کی تالیف ہے اور اُسی سال شائع ہوئی تھی، علماء کے فتوے درج ہیں لیکن مولانا فضل حق کا نہ فتویٰ ہے نہ دستخط، پھر آخر صاحب قیصر التواریخ کا یہ بے اصل بیان کیسے تسلیم کر لیا جائے خصوصاً جب کہ انہی کی اسی کتاب میں فتوے پر علامہ کے دستخط نظر نہیں آتے۔[1]

---

[1] حکیم محمود احمد برکاتی، فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ء ص ۱۲۵ تا ۱۲۷

حدیقۃ الشہداء اب بالکل نایاب ہو چکی ہے۔ سید رئیس احمد جعفری نے اس کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر اپنی کتاب واجد علی شاہ اور اُن کا عہد مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور میں کاملاً نقل کر دی ہے۔ میرے پیشِ نظر اشاعت دوم ۱۹۶۷ء ہے جس کے صفحہ ۲۱۱ تا ۲۴۵ پر یہ کتاب (حدیقۃ الشہداء) محیط ہے۔ صفحہ ۲۳۶ پر استفتاء اور فتویٰ موجود ہے۔ مگر اس میں نہ تو علامہ فضل حق کا نام ہے نہ دستخط اور نہ ہی کہیں ذکر۔ لیجئے استفتا اور فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

استفتا:۔ بادشاہ باعث فساد حاکم بالا دست مجبور شدہ براہ مصلحت چند ایام منع روانگی مے فرمائد۔ دریں حال اگر مولوی امیرالدین علی صاحب کوچ سازند و مقابلہ و مجادلہ از مجاہدان و افواج سلطان اسلام بوقوع آید پس مرگ مسلمانان طرفین چگونہ خواہد بود؟

جواب:۔ دریں حال جماعت مولوی امیرالدین علی را، ہرگز قتل روا نیست بل دریں قولہ تعالیٰ داخل شد سنت کذ فی العالمگیر، کتبہٗ محمد سعد اللہ عفی عنہ، فی الواقع عزیمت ہمیں باید و در شہادت دغدغہ است۔ کتبہٗ محمد یوسف صحیح الجواب حررہ حسین احمد صح الجواب کتبہ لحظ عبید اللہ۔ اگر از حاکم بالادست سلطنت و اجرائے کلمۃ النصاری بظن قوی متصور شلیقن باشد بحکم آنکہ من ابتلی ببلیتین ماجور و مثاب واللہ اعلم بالصواب و علیہ التکلان حررہ افقر العباد ابوالحسن عفاعنہ[1]

حدیقۃ الشہدا میں یہ ضرور درج ہے کہ حکومت نے اس سلسلے میں ایک پنچایت بنائی تھی جس کے چار ثالث مقرر کئے تھے۔ ان میں سے ایک مولانا فضل حق بھی تھے، مگر حکومت نے اس پنچایت کی کوئی میٹنگ ہی نہیں بلائی۔ اس لیے اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ علامہ فضل حق کا اس سلسلے میں کس طرف رجحان تھا۔

مولانا سید محمد میاں اپنی کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی" میں لکھتے ہیں کہ "حکیم نجم الغنی مصنف تاریخ اودھ اور مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی مصنف ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء نے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ مولانا امیر علی شاہ صاحب کے خلاف جو فتویٰ مرتب کیا گیا تھا، اس میں مولانا فضل حق خیر آبادی نے بھی دستخط کئے تھے۔ لیکن اسی واقعہ کے متعلق سوال اور

---

[1] رئیس احمد جعفری، واجد علی شاہ اور اُن کا عہد مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۶۷ء ص ۲۳۶

شیعہ سنی علماء کے فتاویٰ (تفسیر التواریخ جلد دوم) میں موجود ہیں اور حکیم صاحب نے بھی اپنی تاریخ میں نقل کئے ہیں۔ اُن میں حضرت خیر آبادی کا نام بحیثیت مجیب ہے۔ نہ تائید و تصویب کرنے والوں میں [1]

پروفیسر محمد ایوب قادری نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ تصفیہ کے لئے جو چار ثالث مقرر ہوئے تھے ان میں علامہ فضل حق خیر آبادی بھی شامل تھے مگر اس ثالثی کونسل کی کوئی میٹنگ نہ ہوئی پھر آگے چل کر پروفیسر صاحب مولانا نجم الغنی کے حوالے سے لکھتے ہیں دوسرے علماء کے ساتھ علامہ فضل حق نے بھی جہاد کے خلاف فتویٰ پر دستخط کئے مگر کتاب میں نقل کردہ فتوے میں علامہ کے دستخط یا تائید نہیں ہے [2] چونکہ پروفیسر صاحب نے مولوی عبدالغنی کے حوالہ سے مکھی پر مکھی ماری ہے۔ اور یہ خیال نہیں کیا کہ جو فتویٰ درج کر رہا ہوں اس میں تو علامہ کے دستخط نہیں ہیں۔ اس مقام پر اگر میں یہ کہوں کہ تعصّب نے ان لوگوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب! خدارا میری معروضات پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے۔ اور قبول حق کو عار نہ سمجھئے۔ خوامخواہ اکابرین پر الزام تراشی کسی لحاظ سے بھی مستحسن نہیں ہے، کسی ایک شخصیت سے عقیدت کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ دوسری شخصیت کی پگڑی اچھالی جائے۔ امید ہے کہ میری اس عبارت کو گستاخی پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

اندازِ بیاں گرچہ میرا شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

---

[1] مولانا محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم مطبوعہ مکتبہ محمودیہ لاہور سنہ ۱۹۷۷ء ص ۶۰۹ (حاشیہ)
[2] پروفیسر محمد ایوب قادری، جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء، کراچی سنہ ۱۹۷۶ء ص ۱۰۳، ۱۰۸ تا ۱۱۰

بقیہ صفحہ ۱۵ سے آگے

ہم جواب کیا دیں گے، ان کا جواب خود ان مجاہدین کی روشن سیرت اور تاریخ ہے۔

آسمانِ علم و فضل کا آفتاب درخشندہ

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رح

امامِ حکمت و منطق شہیدِ آزادی حضرت علامہ محمد فضل حق خیر آبادیؒ کا شمار ہماری ملی تاریخ کی ان تابناک ہستیوں میں ہوتا ہے جو اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لیے ایک مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور جن کا عظیم کردار تبحر علمی اور جذبۂ جہاد و شہادت آج بھی مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ ۱۲۱۲ھ بمطابق ۱۷۹۷ء دہلی میں —— حضرت مولانا فضلِ امام خیر آبادی کے گھر پیدا ہوئے آپ کے والد محترم اپنے وقت کے اکابر علماء میں سے تھے۔ اور وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے ہم عصر تھے۔ روایات میں ہے کہ علامہ فضلِ حق خیر آبادیؒ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والدِ محترم سے حاصل کی۔ ابتدائی علوم کی تکمیل و تحصیل کے بعد آپ نے درس حدیث کے لیے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ حضرت خواجہ غلام فخرالدین سیالوی نے ایک دفعہ حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی کا ذکر کرتے ہوئے —— بیان فرمایا کہ جب آپ کے والد آپ کو حضرت محدث دہلویؒ کے سپرد کرنے کے لئے لے گئے تو انہوں نے حضرت محدث دہلوی سے دوران گفتگو بیان فرمایا کہ فضل حق کو شعر و شاعری کا بہت شوق ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے نئے کم سن تلامذہ سے فرمایا کہ "کلام سناؤ" تو علامہ نے امراء القیس کی زمین میں لکھا ہوا اپنا کلام سنایا جس پر قبلہ شاہ صاحب نے ایک لفظ کے بارے میں فرمایا کہ یہ غریب ہے (کلام عرب میں کم استعمال ہونے والے لفظ کو غریب کہتے ہیں) علامہ نے فوری طور پر عربی کے استاد شعراء کے مختلف قسم کے ایسے بیس اشعار سنائے جن میں وہ لفظ ادا ہوا تھا تو قبلہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ "صاحب زادے تم ٹھیک کہتے ہو مجھے سہو ہوا ہے"۔ حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تکمیل کر لی جس کے بعد آپ نے چار ماہ اور کچھ دنوں میں قرآن پاک حفظ کیا اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت دھومن شاہ دہلویؒ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔

منطق و حکمت میں آپ کا کوئی ہم عصر ہم پلہ نہ تھا۔ اور آپ کو تمام معاصرین پر علوم نقلیہ و عقلیہ میں فوقیت و برتری حاصل تھی۔

سر سید احمد خاں لکھتے ہیں کہ "جمیع علوم و فنون میں وہ یکتائے روزگار تھے۔ اور منطق و حکمت کی گویا انہوں نے ہی بنا ڈالی تھی۔ علمائے عصر اور فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ خود کو یگانۂ فن سمجھتے تھے جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا تو دعوئ کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔

منشی محمد جعفر تھانیسری حیات سید احمد شہید میں لکھتے ہیں کہ علامہ فضل حق خیر آبادی افلاطون، وسقراط و لقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے۔

حکیم عبدالحیٔ لکھنوی مورخ لکھتے ہیں کہ (علامہ فضلِ حق) کا فنون حکمیہ اور علوم عربیہ میں کوئی ہم پلہ نہ تھا۔

علامہ دینی علوم میں بحر ذخار ہونے کے ساتھ ساتھ شعر و ادب سے بڑا گہرا لگاؤ اور ذوق رکھتے تھے۔ آپ کے چار ہزار سے زائد اشعار میں جو عربی ادب کا ایک قیمتی سرمایہ ہیں آپ اگرچہ اردو میں شعر نہیں کہتے تھے لیکن نقاد کی حیثیت سے آپ کی رائے سند کا درجہ رکھتی تھی تحقیق الفتویٰ کے ترجمہ میں مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں کہ مرزا غالب آپ کے مشوروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور غالب کا موجودہ اردو دیوان علامہ فضل حق خیر آبادی اور مرزا خانی ہی کا انتخاب ہے

روضۃ الادبار میں مولانا محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ "قصائد عز آپ کے امرأالقیس اور لبید کے قصائد پر فوقیت رکھتے ہیں۔ نظم و نثر میں آپ کو اس قدر مہارت تھی کہ بلا مبالغہ شاید سلف و خلف میں چند آدمی آپ کے ہم پلہ ہوئے ہوں گے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مقدمہ شرح دیوان غالب میں لکھتے ہیں کہ "ادب و حکمت کی جن بلندیوں پر مولانا فضل حق خیر آبادی پہنچے۔ غالب ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی حیثیت مولانا کے سامنے طفلِ مکتب سے زیادہ نہیں ہے"۔

تحصیل علوم دینیہ کے بعد حضرت علامہ فضل حق خیر آبادیؒ ہندوستان کے مختلف شہروں

میں اعلیٰ عہدوں اور بلند مناصب پر فائز رہے۔ لکھنؤ اور رامپور میں آپ نے منصب صدارت کو بھی زینت بخشی۔ ان تمام تر مصروفیات اور ذمہ داریوں کے باوجود آپ تشنگان علم کو بھی سیراب فرماتے رہے اور آپ کے فیض یافتہ بے شمار علماء آسمان علم و فضل پر مہر و ماہ بن کر چمکے اور پاکستان و ہندوستان میں آج بھی کوئی ایسا دینی مدرسہ نہ ہو گا جہاں آپ کا فیض جاری نہ ہو۔ آپ کے چند ایک مشہور شاگردوں میں علامہ عبدالحق خیرآبادی (فرزند) مولانا علامہ ہدایت اللہ خان جونپوری (استاد صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی صاحب بہار شریعت) محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا ہدایت علی بریلوی، مولانا محمد عبداللہ بلگرامی، مولانا عبدالعلی رامپوری (استاد امام احمد رضا بریلوی) نواب یوسف علی خان رامپوری اور نواب کلب علی خان رامپوری شامل ہیں۔

حضرت علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی بہت سی تصانیف ہیں جو ان کے تبحرّ علمی پر گواہ ہیں ان کی چند ایک تصانیف یہ ہیں (۱) تاریخ فتنۃ الہند فارسی (۲) الجنس الغالی فی شرح الجواہر العالی (۳) حاشیہ افق المبین (۴) حاشیہ تلخیص الشفاء (۵) حاشیہ قاضی مبارک شرح مسلم (۶) رسالہ فی تحقیق الکلی الطبعی (۸) الروض المجود (۹) الہدیہ السعیدیہ (۱۰) تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ (فارسی) (۱۱) امتناع النظیر (فارسی) حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی شریعت محمدی اور سنت مطہرہ پر پوری طرح کاربند تھے اور عابد شب زندہ دار تھے۔ آپ ہر ہفتہ باقاعدگی سے قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے اور جب لوگ سو رہے ہوتے تو آپ نوافل میں مصروف ہوتے۔

میرٹھ میں ہونے والی فوجی بغاوت کے نتیجہ میں جب دہلی میں انگریزوں کے خلاف اعلانِ جہاد ہوا اور بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو دوبارہ مسندِ شاہی پر بٹھا دیا گیا اس وقت مولانا فضل حق خیرآبادی الور میں تھے۔ جونہی آپ کے پاس اطلاع پہنچی فوراً دہلی تشریف لے آئے اور جہاد آزادی کی قیادت کی۔ بادشاہ کو خصوصی طور پر مشورے دیتے۔ جہاد کی راہ نمائی کرتے۔ بہت سے والیان ریاست کو آپ کے مشورے کے مطابق خطوط لکھے گئے۔ آپ کے حکم سے لال قلعہ کے دارالانشاء (سیکرٹریٹ) سے حکم نامے جاری ہوتے۔ آپ نے اسلامی مملکت کا از سر نو دستور و آئین تیار کیا اور لڑائی میں شاہی فوج کی قیادت بھی کرتے۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے نظم و نسق چلانے کے لئے جو کنگ کونسل قائم کی تھی وہ تین افراد پر مشتمل تھی۔

(باقی صفحہ ۱۴۰ پر)

ادارہ

علامہ خیر آبادی رح کا علمی مقام

حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمت کا تعلق چونکہ علمی گھرانے سے تھا اور آپ کا نسبی سلسلہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا تھا لہٰذا اسی بنا پر آپ کو علمی فکری علوم و معارف وراثتہً ملے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا فضل امام خیر آبادی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۲۴۰ھ) کی تربیت کا اثر تھا کہ آپ کم سنی کے عالم میں منتہی کتابوں تک پہنچ گئے جیسے رحمان علی کاکوری کی زبانی سنیئے۔

"شاگرد پدر خود مولوی فضل امام است حدیث از مولانا عبدالقادر دہلوی رح اخذ کردہ قرآن مجید در چہار ماہ یاد گرفتہ و فروغ علمی بعمر سیزدہ سالگی حاصل نمود"[۱]

قرآن کریم چار مہینوں میں حفظ کیا اور تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل بن گئے اور آپ کے علوم و فنون کے کمالات کی یہ کیفیت تھی کہ

"در علوم منطق و حکمت و فلسفہ و ادب و کلام و اصول و شعر فائق الاقران و استحضارے فوق البیان داشت"[۲]

علوم و منطق و حکمت کے علاوہ بے شمار ایسے علوم تھے جن پر آپ نے عبور حاصل کیا تھا یہی وجہ ہے کہ

"از بلاد بعیدہ و طلبہ علوم آمدہ از مستفید می شدند"[۳]

آپ کے علمی مقام کا اندازہ کیجیئے کہ محمد اسحاق (غیر مقلد) ایڈیٹر الاعتصام لاہور آپ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"مولانا فضل حق اپنے عصر کی ممتاز شخصیت تھے بہت بڑے عالم تھے، درس تدریس

۱؎ رحمان علی کاکوری، تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۴، مطبوعہ منشی نول کشور لکھنو۔

۲؎ ۔ " " "

۳؎ " " " "

میں یگانہ روزگار تھے، معقولات پر ان کی نظر گہری تھی"[۱]

حضرت علامہ مرحوم کے بارے میں مشہور ادیب و شاعر منشی امیر احمد مینائی رقمطراز ہیں۔

" افضل الفضلاء اکمل الکملا، فضائل دستگاہ، فواضل پناہ جناب مولانا فضل حق صاحب فاروقی بردالله مضجعہ، فنون حکمیہ میں، مرتبۂ اجتہاد، بڑے ادیب، بڑے منطقی، نہایت ذہین، نہایت ذکی وذلیق، انتہا کے صاحب تدقیق و تحقیق"[۲]

حضرت مینائی کے تبصرہ کے بعد حضرت مولانا فقیر محمد جہلمی علیہ الرحمت حضرت علامہ پر ان کے علمی و فکری مقام کے بارے میں خراج تحسین ملاحظہ ہو۔

" مولانا فضل حق بن فضل امام عمری خیرآبادی بڑے عالم فاضل، فقیہہ، محدث خصوصاً علم وادب ولغت وحکمت وفلسفہ میں گویا امام ورئیس تھے"[۳]

اور آپ کے درس و تدریس کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ طالب علموں کے علاوہ اہل علم و فضل بھی آپ کے حلقہ درس میں حاضر ہو کر اکتساب علم کرتے تھے۔

" دور دور سے لوگ آپ کے درس میں آتے تھے چنانچہ آپ سے ایک جماعت کثیرہ نے علم اخذ کیا"[۴]

مشہور مصنف مفتی انعام اللہ خاں شہابی آپ کے علمی و فکری کمالات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

" برادرم مولوی فضل حق از قول علماء، زمانِ یگانۂ دوران است، خصوصاً در علوم عقلیہ گوئے سبقت ربودہ بود در علم و دانش در اطراف بغایت دریں وقت مشہور است"[۵]

مفتی صاحب چونکہ آپ کے معاصرین میں سے تھے اور آپ کے علمی کمالات سے اچھی طرح آگاہ تھے لہٰذا بنابریں آپکی خداداد قابلیت کے پیش نظر حسن الفاظ و کمالات کے

۱۔ محمد اسحاق، الاعتصام ص ۸، ۲۴ مئی ۱۹۷۵ء

۲۔ منشی امیر احمد مینائی انتخاب یادگار

۳۔ حضرت مولانا فقیر محمد، حدائق الحنفیہ ص ۴۸۰، مطبوعہ نامی منشی نول کشور لکھنؤ

۴۔ حضرت مولانا فقیر محمد، حدائق الحنفیہ ص ۴۸۱، مطبوعہ نامی منشی نول کشور لکھنؤ

۵۔ مفتی انتظام اللہ شہابی، ص

ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ آپ کے علمی تبحر کا ایک نمونہ ہے
مرزا اسد اللہ غالب آپکی خدمت میں دست بستہ حاضر ہو کر علمی استفادہ کرتے رہے
جن کا تذکرہ شیخ محمد اکرام ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"مولوی فضل حق غالب کے سب سے بڑے محب اور محسن تھے، انہوں نہ صرف مرزا کی شعر و سخن کے میدان میں راہنمائی کی، جو اُن کا اصل دائرہ عمل تھا بلکہ اُن کی مالی مشکلات دور کرنے کی بھی کوشش کی" [۱]

مجاہد الحسینی حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمت کے علمی مقام پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دہلی کے دوران قیام میں مولانا فضل حق اور مفتی صدر الدین خاں آزردہ کے مکانات شعراء اور علماء کی نشستگاہ تھے، جہاں دہلی کے تقریباً تمام قابل ذکر حضرات تشریف لاتے تھے۔ مولانا آزاد کے قول کے مطابق والد مرحوم (مولانا خیر الدین دہلوی) شب کی نشستوں میں جب کبھی اس عہد کا ذکر کرتے تو بار بار یہ شعر پڑھتے اور آبدیدہ ہو جاتے [۲]

تَمَتَّعْ مِنْ شَمِیْمِ عَرَارِ نَجْدٍ   فَمَا بَعْدَ الْعَشِیَّةِ مِنْ عَرَارِ نَجْدٍ

یعنی عرار نجد

مجاہد الحسینی نے حضرت علامہ خیر آبادی علیہ الرحمت کے شعر و سخن کے متعلق لکھا ہے۔

"اپنے ہم عصر علماء کی روایت کے خلاف مولانا فضل حق خیر آبادی کو سخن فہمی اور سخن گوئی میں خاص ملکہ تھا، عربی اور فارسی میں اشعار کہے تھے، فارسی میں فرقتی تخلص کرتے تھے۔ عربی زبان میں پچاسوں قصیدے کہے جن میں زیادہ حصہ نعت کا ہے۔ نثر نگاری میں بھی ادب کی ہر صنف پر انہیں قدرت حاصل تھی [۳]

---

[۱] : شیخ محمد اکرام ، غالب نامہ ص ۵۴
[۲] : مجاہد الحسینی ، اخبار نوائے پاکستان لاہور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر میں ۱۱/ مئی ۱۹۵۷ء
[۳] : " " " " "

مجاہد الحسینی نے حضرت علامہ خیر آبادی کی زندگی جزیرہ انڈمان کے بارے میں لکھا ہے۔
" انڈمان میں مولانا سے طرح طرح کے دقت آمیز اور مشقت آمیز کام لئے
جاتے تو خوش قسمتی سے سپرٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا۔ لیکن وہ مولانا کی حیثیت
سے واقف نہیں تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی بھی تھے۔ ایک دن
سپرنٹنڈنٹ نے ہیئت کی ایک کتاب ان مولوی صاحب کو اصلاح عبارت کے لئے
دی۔ یہ مولوی صاحب کے بس کا روگ نہیں تھا۔ انہوں نے مولانا فضل حق سے
امداد کی درخواست کی مولانا نے اصلاح کے ساتھ بہت سے مسائل کا بھی اضافہ کیا اور
حاشیوں پر دوسری بہت سی کتابوں کے نام لکھ دیئے۔ جب مولوی صاحب نے
یہ کتاب سپرنٹنڈنٹ کو دی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور انکی کافی تعریف و ستائش
کی۔ انہوں نے صحیح اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اصل حقیقت بیان کر دی۔ سپرنٹنڈنٹ
کو بھی ملنے کا شوق ہوا۔ اور مولوی صاحب کے ہمراہ مولانا فضل حق کی بارک میں آئے
مولانا موجود نہیں تھے لیکن تھوڑی دیر کے بعد دیکھتے کیا ہیں کہ مولانا بغل میں ٹوکرا
دبائے چلے آ رہے ہیں۔ اس دردناک منظر کو دیکھ کر خود سپرنٹنڈنٹ بھی آبدیدہ
ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور کافی معذرت کے بعد انہیں کلرکی میں لے لیا"[1]
آپ کے علمی کمالات کا اعتراف اغیار کو بھی ہے جن کا ذکر ماضی قریب کے لوگوں نے
کیا ہے۔ مگر اب نہ معلوم کن مصالح کی بنا پر حضرت خیر آبادی کو فرنگی گماشتہ قرار دے کر
دوسروں کو تحریک آزادی کا ہیرو بنانے کی اور حضرت علامہ خیر آبادیؒ کے علمی مقام کو گھٹانے
کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ عامۃ الناس آپ کو ایک عام انسان قرار دیں حالانکہ
خود ان لوگوں کی کتابوں اور رسائل و اخبارات میں حضرت علامہ خیر آبادی علیہ الرحمت کے
علمی اور حربی کمالات کا ذکر موجود ہے۔ جیسے کہ مولانا محمد حسین آزاد اپنی کتاب آب حیات
میں مرزا غالب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
" مولانا فضل حق کی تحریک سے مرزا نے اپنے اردو کلام میں سے جو اس
وقت موجود تھا دو ثلث کے قریب نکال ڈالا اس کے بعد اس روش پر بالکل

---

[1] مجاہد الحسینی، نوائے پاکستان، ۱۸۵۷ء جنگ آزادی نمبر ص ۱۱، ۲ مئی ۱۹۵۷ء

چلنا چھوڑ دیا۔ مرزا غالب نے اسی سے متاثر ہو کر یہ رباعی کہی

مشکل ہے زبس کلام مرا اے دل، سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کرنے کی کرتے ہیں فرمائش، گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل "[۱]

عربی فارسی کلام کے علاوہ اردو پر بھی حضرت علامہ کو کس قدر عبور حاصل تھا کہ مرزا غالب جیسے شاعر بھی آپ کے سامنے زانوائے ادب طے کرکے اپنے کلام کی تصحیح کراتے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

آپ کے علمی کمالات پر خود آپ کی تصانیف شاہد ہیں جو عربی زبان پر مشتمل ہیں بالخصوص رسالہ الثورۃ الہندیہ منظوم جو آپ نے جزیرہ انڈمان میں تحریر فرمایا۔ چنانچہ آپ کے علمی کمالات کے بارے میں میرزا غالب لکھتے ہیں۔

" زبان قلم نے ان کے کمالات پر نظر کرکے فخر خاندان لکھا ہے اور فکرِ دقیق نے جب سرکار کو دریافت کیا فخر جہاں پایا، جمیع علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق وحکمت کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بناڈالی ہے۔ علمائے عصر اور

فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس گروہ اہلِ کمال کے حضور میں بساطِ مناظرہ آراستہ کرسکیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ کو یگانۂ فن سمجھتے تھے۔ جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا دعویٰ وکمال کو فراموش کرکے نسبتِ شاگردی کو اپنا فخر سمجھے "[۱]

اسی طرح سرسیّد احمد خاں نے اپنی کتاب " مقالات سرسیّد " میں آپ کے کمالات پر بحث کرتے ہوئے عربی نثر اور نظم کے کچھ اقتباسات بھی نقل کئے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کس قدر مدقق اور محقق تھے، تحقیق الفتوٰی فی ردّ اہل الطغویٰ " جیسی کتاب آپ نے لکھی جس الوہیت خداوندی کی عظمت وتقدیس، شانِ رسالت کا تحفظ انبیائے کرام ؑ کا تقدس جمیع سلف صالحین کے فکر حق کی ترجمانی کی ہے۔ اور اس کتاب پر مشائخین عرب نے تقاریظ لکھیں جس میں حضرت سیّد ابو مسعود مفتی مدینہ منورہ بھی شامل ہیں[۲]

---

[۱]۔ سرسیّد احمد خاں، مقالات سرسید حصہ شانز دہم ص ۲۸۳۔ مطبوعہ لاہور

[۲]۔ حضرت سیّد ابو مسعود مفتی مقدمہ تحقیق الفتوٰی اخطی، ص ۲۔ مملوکہ اسد نظامی

ابو سعود مفتی مدینہ منوّرہ نے نجدی عقائد اور اسماعیلی نظریات کی کتاب و سنت کی روشنی میں مخالفت کی اور حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمۃ کی زبردست تائید کی۔ نجدی عقائد کی تردید ان الفاظ میں کی۔

"ولمحمد بن عبدالوہاب النجدی وغیرہ رسائل فی ہذا الباب منہا رسالۃ سموہا بکتاب التوحید وما فی تقویۃ الایمان تقلید لہ، وتائید کانہ تفصیل لاجمال وتکمیل للضلال والاضلال

واتفق علماء الحرمین المتحرین علیٰ ردّ مسنید عاہم وابطال مخترعاتہم فالملتمس منکم یا آئمتنا وسادا تنا ان ترشدنا ان المنقول من تقویۃ الایمان"۔[1]

اس کے برعکس حضرت مفتی ابوالسعود مفتی مدینہ منوّرہ حضرت علامہ خیرآبادی کے عقائد کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"من اہل الکتاب والسنۃ والجماعۃ خاتی خیر فیہم"[2]

حضرت مفتی کا آپ کو خراجِ تحسین پیش کرنا اور تحقیق الفتویٰ پر تقریظ تحریر فرمانا آپکی علمی وفکری بلندی کی بیّن دلیل ہے۔

جب مولوی اسماعیل نے تقویۃ الایمان لکھی جس میں حضور علیہ السّلام کی شانِ نبوت میں توہین آمیز الفاظ استعمال کئے تو حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت نے مولوی اسماعیل دہلوی کے ساتھ دہلی کی مسجد میں مناظرہ کیا۔ حضرت شاہ مخصوص اللہ علیہ الرحمت جیسے عالم دین نے بھی حضرت علامہ خیرآبادی کا ساتھ دیا۔ (ملاحظہ ہو، الوہابیہ حضرت قاضی عبیداللہ چشتی ملتانی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۳۵۰ھ) مولوی اسماعیل دھلوی لاجواب ہوگیا، اور اپنی خفت مٹانے کے لئے یکروزہ نامی پمفلٹ لکھا جس میں مزید بے ادبی کے مرتکب ہوئے۔ ربّ العزت پر امکان کذب کے الزام تراشے۔ تو ان کے جواب میں حضرت علامہ خیرآبادی نے کتاب تحقیق الفتویٰ لکھی۔ بعد میں مولوی اسماعیل دھلوی کی حمایت میں حیدر علی رام پوری نے کتاب لکھی مگر حیدر علی رامپوری کے جواب میں حضرت مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی تلمیذ حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت نے تنزیل التنذیر فی نظیر البشیر و النذیر لکھی اور حضرت

---

[1]، [2]۔ حضرت مفتی ابوالسعود علیہ الرحمۃ تقریظ تحقیق الفتویٰ۔

حضرت علامہ خیرآبادی کے تحقیق الفتویٰ کی حمایت میں حضرت مخدوم سیّد حسن شاہ قادری علیہ الرحمتہ بٹالوی نے انفع الوسائل فی جواب خمسہ مسائل لکھی۔ جس میں اسماعیلی عقائد اور اسحاق دہلوی کی غلط بیانیوں کا جواب تحریر فرمایا۔ حضرت سیّد حسن شاہ قادری بٹالوی علیہ الرحمتہ تقویت الایمان کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حاصل اُس کا یہ کہ تقویت الایمان کے بیان شفاعت میں مولوی فضل حق صاحب نے مولوی اسماعیل کو قائل کیا اور بعد بحث ایک رسالہ مرتب کیا نام اس کا تحقیق الفتویٰ فی ردّ اہل اللغویٰ رکھا اور اس میں مولوی اسماعیل کی تکفیر ثابت کی اور وہ رسالہ بمہر و دستخط علماء شاہ جہان آباد کے مزّین ہوا۔ اور مولوی اسماعیل یا انکے کسی پیرو سے جواب اس کا نہ ہو سکا۔"

بقیہ: آسمان علم و فضل کا آفتاب درخشندہ
(صفحہ ۱۳۳ سے آگے)

جنرل بخت خان، مولوی سرفراز علی اور مولانا فضل حق خیرآبادی۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو جب دہلی پھر انگریزوں کے زیرنگیں ہو گئی تو آپ سیتاپور یعنی لکھنؤ پہنچے جہاں ملکہ عالیہ حضرت محل انگریزی فوجوں کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ یہاں بھی علامہ مجاہدین کی مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن تھے۔ تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور مقدمہ چلا کر آپ کی تمام جائیداد ضبط کر کے آپ کو عمر قید کی سزا دے کر جزائر انڈیمان (کالے پانی) بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ نے ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء کو کالے پانی میں جام شہادت نوش کیا۔

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

(روزنامہ جنگ لاہور ۱۸ جنوری ۱۹۸۳ء)

(اسد نظامی)

مولینا خیرآبادی اور سن ستاون

سلسلہ ولی اللّٰہی کی مشہور علمی و فکری شخصیت حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی چشتی علیہ الرحمت نے خیرآباد سے دہلی میں آکر یہ دیکھا کہ مغلیہ خاندان اور انکی حکومت وسطوت کی حیثیت چراغِ سحری سے بھی کم ہے۔ چند سانسوں کی مہمان ہے۔ سراج الدین بہادر شاہ ظفر کی حکومت شاہی قلعہ کے اندر تک محدود ہے قلعہ سے باہر انگریز مسلط ہے بلکہ یوں محسوس کیا کہ بہادر شاہ ظفر اور ان کے جانثار ساتھیوں کی زندگیاں بھی میجر جنرل ہڈسن کے رحم وکرم پر تھیں۔ مغلیہ خاندان ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ انگریز جب چاہتے اسے گرفتار کر کے اپنی مرضی و منشا کے مطابق سزاوار قرار دیتے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی علیہ الرحمتہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کا انتقال ہو چکا تھا۔ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اگرچہ بظاہر آسان نہ تھا کیونکہ برصغیر کے جاگیردار نواب، رؤسا انگریزوں کے طرفدار بن چکے تھے۔ علاوہ ازیں مولوی اسماعیل دھلوی اور ان کے ساتھی بھی نہ صرف برٹش حکام کی غلامی اختیار کر چکے تھے بلکہ ان برطانوی حکمرانوں کی حمایت میں مسلمانانِ ہند کے خلاف تلوار اٹھا کر گلی گلی، کوچہ کوچہ گھوم کر خود کو انگریزوں کی "رعیت" جتا رہے تھے۔ یہ وہ افسوسناک واقعات ہیں جسے مرزا حیرت دھلوی کی زبانی سنئے۔

"کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا۔ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کرنا کسی طرح

واجب نہیں ہے وہ ذرا بھی دست درازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں"۔[1]

یہ تھی اس وقت مذہبی کیفیت اور سیاسی ابتری کہ مذہب کی آڑ لے کر برٹش حکام کی پاسداری اور سیاست کے پردہ میں برطانوی حکمرانوں کی حمایت کہ میاں نذیر حسین دھلوی نے انگریزی حکمرانوں جیسی ظالم اور غاصب حکومت کو "خدا کی رحمت" قرار دیا۔

"انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کے لئے خدا کی رحمت ہے"۔[2]

تثلیث پرستوں کو خدا کی رحمت قرار دے کر ان کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو مستحکم کرنے کے لئے مولوی اسماعیل اور میاں نذیر حسین دھلوی جیسے لوگ پیش پیش تھے۔ اندریں حالات حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمت دینی بقار واستحکام اور ملک کو انگریزوں کے اثر ونفوذ کو روکنے کے لئے میدانِ جہاد میں کود پڑے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

آپ کے حربی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے اقبال ساغر صدیقی لکھتے ہیں۔

"چونکہ مولانا خیرآبادی خود جنگ آزادی کے سپاہی تھے ان پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلا۔ حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دے کر انڈیمان میں قید کر دیا گیا اور وہیں وفات پائی"۔[3]

حضرت علامہ خیرآبادی جو اپنے اسلاف امت کے علم وعقائد کے علمبردار ہونے کی حیثیت

---

[1] مرزا حیرت دھلوی، حیات طیبہ، ص ۲۹۶، مطبوعہ فاروقی دھلی طبع اول

[2] میاں نذیر حسین دھلوی، الحیات بعد المحات، ص ۶۳، مطبوعہ مکتبہ شعیب کراچی

[3] ساغر صدیقی، روزنامہ امروز کراچی ۱۸۵۷ء جنگ آزادی نمبر، ص ۲۱، ۱۷ مئی ۱۹۵۷ء

سے انگریزوں کے خلاف برسرِ پیکار رہوئے۔ جسے شیخ محمد اسماعیل پانی پتی اپنے ایک مضمون ۱۸۵۷ء میں علمائے کرام کا حصہ میں لکھتے ہیں۔

"جب مغلیہ خاندان کا آخری چراغ بجھ گیا۔ تخت و تاج چھن گئے اور وطن کے جانثاروں کو چن چن کر گولیوں کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ تو ان میں علماء بھی شامل تھے جو اس وقت دوسرے لوگوں کو پیش آئے جن علماء و فضلاء نے فتویٰ جہاد پر دستخط کیے تھے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ مولانا فضل حق خیرآبادی کو انڈیمان بھیجا گیا"۔ ؎

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کے تبصرہ کے بعد اقبال ساغر صدیقی حضرت علامہ کے جنگی کارناموں اور انگریزوں سے نفرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"فضل حق کو بھی باغی قرار دیا گیا اسیر فرنگ ہو کر بند رہے ۱۸۵۹ء میں لکھنؤ میں مقدمہ چلا کالے پانی کی سزا ہوئی ان پر جُرم وہی فتویٰ جاری کرنے کا تھا سرکاری وکیل کے مقابلے میں انھوں نے خود بحث کی اور سب الزام ایک ایک کر کے رد کر دیئے لیکن فتوے سے متعلق آخر تک اڑے رہے کہ وہ فتویٰ صحیح ہے۔ اور میرا لکھا ہوا ہے اور آج بھی اس وقت میری وہی رائے ہے"۔ ؎

حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کو انگریزوں نے فتویٰ جہاد دینے اور عوام کو بغاوت پر اکسانے کی پاداش میں دھلی سے لکھنؤ میں پا بجولاں لے جا کر مقدمہ تیار کیا گیا اور اسی لکھنؤ کے اندر حضرت علامہ پر انگریزوں نے فردِ جرم عائد کر کے جزیرہ انڈیمان بھیج دیا۔

آپ کے فتویٰ جہاد پر خورشید مصطفیٰ رضوی کا بیان سماعت کیجئے۔

؎ شیخ محمد اسماعیل، ہفت روزہ لیل و نہار لاہور، ص ۲۷، ۱۲ مئی ۱۹۵۷ء

؎ ساغر صدیقی، روزنامہ امروز کراچی ۱۸۵۷ء نمبر، ص ۲۱، ۱۷ مئی ۱۹۵۷ء

"علمار نے جس جس طرح بغاوت کو منظم کیا اس کو مفصل بیان کرنے کے لئے تو ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے مگر ان کا کچھ تذکرہ ان صفحات پر کیا جارہا ہے اس حقیقت سے بڑے بڑے مورخ بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکے ہیں کہ یہ علمار عوام میں بے حد مقبول تھے۔ ان کی تحریر و تقریر کا بڑا اثر ہوتا تھا چنانچہ دھلی میں جزل بخت خاں کی تحریک پر مولانا فضل حق خیرآبادی اور دوسرے علمار نے جو جہاد کا فتویٰ دیا اس کے بارے میں مولوی ذکاءاللہ دہلوی نے بھی اپنی تاریخ میں اقرار کیا ہے کہ اس سے مذہبی جوش و خروش بہت بڑھ گیا تھا"۔ ۲

حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمۃ کا جذبہ اس قدر زیادہ بڑھا ہوا تھا کہ آپ کی چند تقریروں اور آپ کے فتویٰ جہاد نے مسلمانوں میں انگریزوں سے بے حد نفرت پیدا کردی اور انگریزوں کو خطرہ لاحق ہوا اور آپ کو باغی قرار دے کر جزیرہ انڈیمان بھیج دیا گیا۔ سرسید فکر کے حامی انتظام اللہ شہابی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"حاکم سیتاپور نے گرفتار کرلیا۔ لکھنؤ لائے گئے بغاوت کے جرم کا مقدمہ چلایا گیا۔ جج کے سامنے آپ کی موجودگی میں گواہ سرکاری پیش ہوا۔ اس نے آپ کو دیکھا کہنے لگا یہ وہ فضل حق نہیں ہیں جنہوں نے جہاد کا فتویٰ دیا وہ دوسرے شخص ہیں آپ فوراً بول اٹھے پہلی اطلاع اس کی صحیح ہے۔ اب غلط کہہ رہا ہے مجھ پر جو جرم عائد کیا گیا ہے وہ درست ہے میں نے ہی فتویٰ لکھا اور آج بھی میری رائے وہی ہے۔ جج نے حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا تجویز کی جو بخندہ پیشانی قبول فرمائی اور انڈیمان گئے وہیں بارہ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ کو وفات پائی"۔ ۳

---

۲ خورشید مصطفےٰ رضوی، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۴۵۵، ناشر مکتبہ برہان دھلی۔

۳ انتظام اللہ شہابی، علمائے حق اور انکی مظلومیت کی داستانیں۔ ص ۵۶، مطبوعہ دینی بکڈپو اردو بازار دھلی ۶

انتظام اللہ شہابی کے الفاظ آپ کی سرفروشی اور انگریزوں کے خلاف جذبۂ جہاد اس بات کے غماز ہیں کہ آپ نے جو دینی اور حربی کارنامے سرانجام دیئے وہ خود آپ کے مخالفین کی نوکِ قلم پر آگئے چنانچہ اسی سلسلے میں محمد میاں دیوبندی دہلوی ناظم جمعیت علماء ہند کا بیان ملاحظہ کیجئے

جہادِ حریت کے علمبردار اور کٹہرۂ عدالت میں ایک سیاسی ملزم کی حیثیت سے حاضر ایک طرف زندگی کا ہر ایک دور ناز و نعم عزت و عظمت سے ہم کنار ہے تو زندگی کا ایک دور پابندِ سلاسل اور دیارِ غربت میں وحشت بداماں"۔ ؎

اور آج اگر کوئی متعصب اہل قلم حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کی حربی زندگی اور انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے سے انکار کرے تو ان کی اپنی مرضی مگر حقیقت کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ حقائق کو مسخ نہیں کیا جا سکتا۔

سرزمین بہاولپور کا ایک معروف ادبی سہ ماہی پرچہ الزبیر جو ۱۸۵۷ء جنگ آزادی نمبر شائع ہوا جس میں حضرت مولانا خیرآبادی کا تذکرہ بھی موجود ہے ملاحظہ کیجئے۔

"مولانا فضل حق نے ایک دن بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں انگریزوں کے خلاف فتویٰ پڑھ کر سنایا تو بہتوں کے لئے باعث تشویش بنا اس فتویٰ پر مفتی صدرالدین آزردہ اور دوسرے پانچ علماء کے دستخط تھے اس کا شائع ہونا تھا کہ جدوجہد نے ایک نیا زور پکڑا اور جگہ جگہ انگریزوں کے چھکے چھوٹ گئے تاریخ ذکاء اللہ کے مطابق اس فتویٰ کے بعد صرف دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی۔ سرکاری وکیل کے مقابلے پر انہوں نے خود بحث کی اور سب الزام ایک ایک کر کے رد کر دیئے لیکن فتویٰ کے متعلق آخر تک اڑے رہے۔ کہ وہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی

؎ محمد میاں دہلوی، علمائے ہند کا شاندار ماضی حصہ چہارم، ص ۸۶، مطبوعہ الجمعیۃ بکڈپو دہلی ۶ء

میری رائے یہی ہے"۔ ؎۲

حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے فتویٰ جہاد سے پورا برصغیر الجہاد الجہاد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ جس سے فرنگی دیو استبداد کے ستمگروں میں ارتعاش پیدا ہوگیا جو اس مطلق العنانی اور طوائف الملوکی پھیل چکی تھی اور آپ کے اردگرد جو ماحول کی ابتری تھی جنکا نقشہ مجاہد الحسینی دیوبندی نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"مولٰنا فضل حق نے اس عہد میں آنکھ کھولی جو طرح طرح کے سیاسی فتنوں سے بھرا ہوا تھا۔ مسلمانوں میں طرح طرح کی جہالت کارفرما تھی۔ سلطنت سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ چکے تھے اور انگریزوں کے قدم روز بروز مضبوط ہوتے جارہے تھے۔ بادشاہ سے لے کر عام آدمی تک غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ شمع بجھنے کے لئے بار بار بھڑک رہی تھی لیکن عیش و عشرت کا بازار اس قدر گرم ہو چکا تھا کہ کسی کو ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں تھی۔ بعض مقتدر ہستیاں تھیں جو چیخ چیخ کر سونے والوں کو جگا رہی تھیں"۔ ؎۱

حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے مذہبی اور حربی کارناموں پر ابن الوقت اور کینہ پرور قسم کے لوگوں نے پردے ڈالنے شروع کر دیئے تاکہ اگر کوئی صحیح واقعات تلاش کرنا بھی چاہے تو انہیں ان کینہ پرور لوگوں کی خود ساختہ عبارات اور مولوی اسماعیل دہلوی پر چند الفاظ کے ماسوا انہیں اور کچھ نہ مل سکے۔ چشم فلک نے دیکھا کہ ایسے لوگوں کی کوششیں ناکام ہو کر رہ گئیں۔ حالانکہ مولانا غلام رسول مہر اور ان کے ہم نوا لوگوں نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں رسائل و اخبارات کذب و افترا کے لئے وقف کر دیئے اسماعیلی فرقہ کی حمایت محض خود

؎۲ سہ ماہی الزبیر بہاولپور، ص ۹۲، تحریک آزادی نمبر ۱۹۷۰ء

؎۱ مجاہد الحسینی، اخبار نوائے پاکستان ۱۸۵۷ء جنگ آزادی نمبر، ص ۱۱، ۱۱ مئی ۱۹۵۷ء

ساختہ الفاظ کے بل بوتے پر کی۔

مستقیم احسن حامدی فاضل دیوبند اپنے ایک طویل مقالے میں بعنوان مولانا فضل حق خیرآبادی ہفت روزہ خدام الدین لاہور میں لکھتے ہیں۔

"بُرا ہو تاریخ کا۔ اس نے اپنے حافظہ سے ایسی ایسی جانباز، حق گو، بہادر اور جامع کمالات شخصیتوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔ جنہوں نے اپنے دور میں وقت کے تیز و تند طوفانوں سے بے خوف و خطر ٹکر لی اور پیٹھ نہیں دکھائی۔ مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کے اُن جوانمرد اور نڈر مجاہدین میں سے تھے جن کی جرأت و ہمت۔ اور حق گوئی و بے باکی نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا مگر تاریخ کے صفحات میں ان کو شایانِ شان کیا کوئی معمولی جگہ بھی نہیں مل سکی"۔ ؎۱

اور یہی فاضل دیوبند مستقیم احسن حامدی حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے ملی اور حربی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

"مولانا فضل حق خیرآبادی نے افضَلَ الجِہادُ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِندَ سُلطَانٍ جَائِرٍ کا فریضہ ادا کیا اور اپنی عمرِ عزیز انڈیمان میں حبسِ دوام کی نذر کر دی۔ ؎۲

درسِ آزادی دینے والا مجاہد حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں کو دانستہ طور پر نظر انداز کرنے کی کوشش کی جارہی ہے حالانکہ تاریخ کو مسخ کرنے والے خود مٹ گئے مگر مجاہدینِ اسلام کے ملی اور حربی کارناموں پر پردہ نہ ڈالا جاسکا اقبال ساغر صدیقی روزنامہ اخبار امروز کراچی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حضرت علامہ خیرآبادی

؎۱ مستقیم احسن حامدی دیوبندی، ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ص ۹/۱، ۲۳ نومبر ۱۹۶۲ء

؎۲ مستقیم احسن حامدی دیوبندی، ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ص ۹/۱، ۲۳ نومبر ۱۹۶۲ء

کے متعلق "باغی ہندوستان" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

"بادشاہ دہلی سرگرمیوں اور مشورے کا مرکز ہے فضل حق بھی اس وقت مشوروں میں بادشاہ کے شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ منشی جیون لال اپنے روزنامچے غدر کے صبح و شام میں لکھتے ہیں۔

۱۶ر اگست کو مولوی فضل حق شریکِ دربار ہوئے۔ صورت حال سے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔

۶ر ستمبر ۱۸۵۷ء مولوی فضل حق، میر سعید علی خاں، حکیم عبدالحق آداب بجا لائے اور اطلاع دی کہ متھرا کی فوج آگرہ چلی گئی ہے اور انگریزوں کو شکست دینے کے بعد شہر پر حملے کر رہی ہے غرض کہ اس روزنامچے سے فضل حق کی باخبری اور انقلابی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے اسی درمیان میں فضل حق نے ایک دن بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں وہ مشہور فتویٰ دیا جو بعد میں بہتوں کے لئے باعث تشویش بنا۔" ؎۱

حضرت علامہ خیرآبادی کے فتویٰ جہاد کی بنا پر مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کی مزید لہر دوڑ گئی۔ رگوں میں حرارت جہاد پیدا ہو گئی۔ چنانچہ ساغر صدیقی لکھتے ہیں۔

"فضل حق کو بھی باغی قرار دیا گیا۔ اسیر فرنگ ہو کر بند رہے۔ ۵۹ء میں لکھنؤ میں مقدمہ چلا اور کالے پانی کی سزا ہوئی۔ ان پر جرم وہی فتویٰ جاری کرنے کا تھا۔" ؎۲

حضرت علامہ خیرآبادی کا جرم صرف یہی تھا کہ اسماعیل دہلوی اور ان کے ہمنواؤں

؎۱ ساغر صدیقی، روزنامہ امروز کراچی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر، ص ۲۱، ۱۰ر مئی ۱۹۵۷ء

؎۲ ساغر صدیقی، روزنامہ امروز کراچی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر، ص ۲۱، ۱۰ر مئی ۱۹۵۷ء

کی طرح انگریزوں کی پاس خاطر نہیں کی۔ لہٰذا انگریزوں نے بجرم تحریک آزادی مستوجب سزا قرار دے کر جزیرہ انڈیمان بھیج دیا چنانچہ اس ضمن میں محمد اسماعیل پانی پتی کا حوالہ ملاحظہ کیجئے۔

"جنگِ آزادی کے دوران میں علماء و فضلاء نے بھی اس طرح حصہ لیا جس طرح کہ آزادی کے دوسرے متوالوں نے لیا۔ جب دہلی میں جنگ آزادی کا زور تھا اور جنرل بخت خاں اس جنگ کا ہیرو تھا تو اس نے سوچا اگر اس وقت علمائے جہاد کا فتویٰ لے کر اس کی تشہیر کی جائے تو لوگوں میں اک نیا جوش پیدا ہو سکتا ہے چنانچہ اس نے علماء سے جہاد کا فتویٰ لیا اور اسے دہلی کے گلی کوچوں میں چسپاں کرایا۔ اس فتویٰ کا تشہیر پانا تھا کہ لوگوں میں ایک بجلی کوندگئی اور وہ پروانوں کی طرح جنگِ آزادی میں کود پڑے۔" ۳

برٹش حکام کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے والا سرخیل حریت حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی ہی نظر آتا ہے کہ جس نے دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر نہ صرف ان تثلیث پرستوں کے خلاف بلکہ ان کے کاسہ لیسوں کے خلاف اپنی جد و جہد کی جن کی پاداش میں مقدمہ بجرم بغاوت چلایا گیا۔ سزا کے طور پر جزیرہ انڈیمان بھیجا گیا اور اسی قید خانہ میں آپ سے سخت ترین مشقت لی جاتی رہی جسے آپ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور ان صعوبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔ آپ کی شہادت پر مولانا عبداللہ بلگرامی نے کہا۔

"فضل ان کے کفن میں مکفون اور علم ان کے ساتھ مدفون ہو گیا۔"

۱۲ ماہ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ کو آپ کی تاریخ شہادت ہے جب آپ کی شہادت کی خبر دہلی پہنچی تو مرزا غالب نے اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ کہا۔

"فخر ایجاد و تکوین مولانا فضل حق ایسا دوست مرجائے۔ غالب نیم مردہ

۳؎ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، ہفت روزہ لیل و نہار لاہور، ص ۲۷، ۱۲ مئی ۱۹۵۷ء جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر

نیم جاں رہ جائے ؂

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی، موت آتی ہے پر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی [۱]

حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت تو جامِ شہادت نوش فرما گئے مگر آپ کی شمع آزادی جلتی رہی۔ تحریک چلتی رہی حضرت مولٰنا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمت نے بھی انگریزوں، سکھوں، ہندوؤں اور ان کے حاشیہ برداروں کی مخالفت کی تحریک خلافت، ترک موالات،، ہجرت عن الہند کے ایام میں آپ کا بہترین کردار رہا۔ اور اعلحضرت نے دو قومی نظریہ کی حمایت میں مضامین لکھے۔ کتابیں لکھیں۔ اعلحضرت نے تحریک پاکستان کے راستے کو ہموار کیا حضرت مولٰنا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمت کے نقشِ قدم پر گامزن ہوتے ہوئے لادینی تحریکوں کا سدباب کیا حضرت علامہ خیرآبادی کے مشن آزادی کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا

کہہ دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

قاری سید محمد جاوید امام فریدی

حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

مجاہد تحریک آزادی

ابتدائی حالات

منطق و فلسفہ کے امام حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و شان و جلالت علمی کا کون صاحب علم و دانش انکار کر سکتا ہے۔ وہی مجسمۂ علم و فن جس کی تصنیف مرقات کا یہ عالم ہے کہ مخالفین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کو اپنی نصاب درس میں شامل کیا ہے۔

سارے اکناف عالم میں جہاں ایک طرف منقولات میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کا ڈنکہ بج رہا تھا وہاں دوسری طرف معقولات میں حضرت مولانا فضل امام کا سکہ چل رہا تھا۔ آپ دہلی میں صدر الصدور (چیف جسٹس) رہے ایسے بحر العلوم کی آغوش میں مجاہد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی نے آنکھ کھولی۔

حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی نے خیر البلاد خیرآباد میں ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء آنکھ کھولی تو آپ کا نام فضل حق رکھا گیا۔ جو بعد کو آسمان علم و عرفان کے نیر تاباں بنے جنھوں نے اپنے خون کا آخری قطرہ تک قربان کر دیا مگر مسلمانوں کو آزاد کر دیا۔ اور آزادی کی لگن رکھنے والوں کو شعلہ بداماں کر دیا۔ کون جانتا تھا کہ یہ بچہ شیر دل جوان ہوگا۔ پہاڑوں کے دل دہل جائیں جس سے یہ وہ طوفان ہوگا۔ اور پھر ہوتا کیوں نہیں اس کی رگوں میں خون فاروقی دوڑ رہا تھا۔

حضرت علامہ فضل حق خیرآبادیؒ کا سلسلۂ نسب تینتس ۳۳ واسطوں سے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ آپ تمام عمر حضرت عمر فاروقؓ کی طرح کفر و اسلام میں فرق کرتے رہے اور مسلمانوں میں اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی تفسیر مجسم بنے رہے۔

علمی کمالات

علامہ فضل حق نے جب اس دار فانی میں آنکھ کھولی تو چاروں طرف جاہ و حشم کی بہار اور دولت

سکندر اعظم ہی نہ دیکھی بلکہ اپنے ماحول میں غزالی و رومی کی بہار فلسفہ کو مسکراتے دیکھا اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے کم عمری ہی میں علوم نقلیہ و عقلیہ کی فقید المثال مدارج کو طے کر لیا۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کو شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ کی درسگاہ میں پہنچا دیا تو ایک دن یہاں ایک عجیب و غریب واقع پیش آیا ہوا یوں کہ حضرت علامہ فضل حق نے امراء القیس کے قصیدے پر ایک قصیدہ لکھکر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی خدمت میں پیش کیا تو شاہ صاحب نے ایک جگہ پر اعتراض کیا تو فضل حق خیرآبادیؒ نے اسی وقت اس شعر جیسے ۲۰ اشعار اور پڑھ دیئے ابھی اور پڑھنے والے تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت علامہ فضل امام خیرآبادیؒ نے فرمایا بس احد ادب کا پاس کرو تو آپ نے اپنے والد ماجد کو جواب دیا کہ یہ کوئی علم و تفسیر و حدیث نہیں یہ تو فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ صاحبزادے تم سچ کہتے ہو مجھ کو سہو ہوا۔

حضرت علامہ فضل حق خیرآبادیؒ نے معقول و منقول کی تعلیم مایہ ناز اساتذہ سے حاصل کیا اور علم روایت و درایت کے نیر اعظم بن گئے اگر ایک طرف ارسطو و ابن سینا بنے تو دوسری طرف امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مظہر علم و عمل بن کر اہل علم و بصیرت کے اذہان و قلوب پر جلوہ فگن ہو گئے اس میں شک نہیں کہ آپ منطق و فلسفہ کے امام تھے آپ کی علمی و ادبی فکر کا اندازہ آپ کے رسالہ "الثورۃ الھندیہ" اور حاشیہ قاضی مبارک کی سلیس و شگفتہ تحریر سے ہوتا ہے اور کوئی خراج تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جس کو آپ کی علمی قابلیت کا اندازہ ہوا۔ اس امیر البیان سہروردی نے کیا خوب کہا۔

وہ امام فلسفہ وہ نازش علم و سخن	جس نے زندہ کر دیا تھا قصۂ دار و رسن
زندگی اس کی سراپا سوز و ساز عشق تھی	دانش و حکمت میں حاصل تھا اسے معراج فن
ہند میں زندہ کیا جس نے چراغ فلسفہ	پیکر علم و ہنر ظلمت میں شمع انجمن
آسمان علمیت کا درخشاں آفتاب	ہند کے ظلمت کدوں پر جو رہا پرتو فگن

حضرت علامہ فضل حق نے صرف چار ماہ میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور تیرہ سال کی عمر میں ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۰۹ء تمام مروجہ علوم پر دسترس حاصل کر لی تھی۔ آفتاب علم کا یہ حال تھا کہ جب شاہ عبدالعزیز ردّ شیعہ میں "تحفۂ اثناء عشریہ" ایک رسالہ لکھا تو ہند سے لے کر ایران تک اہل تشیع میں سخت ہیجان و اضطراب پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ صاحب "افق المبین" میر باقر کے داماد کے خاندان کا ایک مجتہد فریقین کی کتابیں لے کر شاہ صاحب سے مناظرہ کرنے کے لئے ایران سے ہندوستان دہلی پہنچا۔ خانقاہ میں داخل ہوا۔ شاہ صاحب نے میزبانی کے فرائض انجام دیئے طعام و قیام کا مناسب انتظام کیا شام کے وقت

فضل حق حاضر خدمت ہوئے تو واقعہ دریافت کیا پھر بعد نماز مغرب مجتہد صاحب کے پاس چلے گئے تو مجتہد صاحب نے پوچھا صاحبزادے کیا پڑھتے ہو علامہ فضل حق نے جواب دیا کہ "ارشاداتِ شفا اور افق المبین" وغیرہ دیکھا کرتا ہوں آپ چونکہ نوعمر تھے اس لئے مجتہد صاحب نے جواب دینے کی کوشش کی تو انہیں جان چھڑانی مشکل ہوگئی. جب مجتہد خوب عاجز آگیا تو مولانا نے اپنے اعتراضات کے جواب میں دلائل پیش کئے تو مجتہد اور اس کے رفقاء و تمام علماء انگشت بدنداں رہ گئے اور آخر کار آپ نے یہ بھی بتادیا کہ میں شاہ صاحب کا ادنیٰ شاگرد ہوں جب مجتہد کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو کہنے لگے جب طالب علم کا یہ عالم ہے تو استاد کا کیا عالم ہوگا۔ چنانچہ جب شاہ صاحب نے مجتہد کی خیریت دریافت کی تو معلوم ہوا آخر شب ہی کو دہلی چھوڑ گئے ہیں۔

آپ کی تصانیف

حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی اگرچہ مختلف عہدوں پر فائز رہے لیکن انگریزوں سے شدید نفرت تھی اس لئے آپ نے انگریزی ملازمت ترک کردی اور تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا. درس و تدریس پر قیمتی وقت صرف کیا اس کے باوجود آپ گراں قدر تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ بطور یادگار چھوڑ گئے ہیں آپ کی تصانیف ہیں.

(۱) امتناع النظیر: یہ مولوی حیدر علی ٹونکی کا رد ہے اس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر جمیع اوصاف کاملہ میں نہیں اس کتاب سے متعلق امیر البیان سہروردی نے کہا

اس نے سمجھایا نہیں ممکن نظیر مصطفےٰ
گونجتا ہے آج تک یہ نعرۂ باطل شکن

اس کتاب کو دیکھ کر علامہ کی علمی قابلیت اور عشق رسالت پر قربان ہونا پڑے گا۔

(۲) حاشیہ قاضی مبارک: قاضی مبارک کے تمام حواشی پر اسے بجا طور فوقیت حاصل ہے منطق و فلسفہ کے معرکتہ الآرا مسائل پر بڑے بسط سے گفتگو کی ہے اور دیگر مذاہب پر پُر زور تنقید فرماتے ہیں اور پھر یہ کہ منطق و فلسفہ کے ایسے دقیق عسر مباحث کو ایسے دل نشین انداز و شگفتہ پیرائے میں بیان کرجاتے ہیں کہ مسائل خود بخود ذہن میں اترتے چلے جاتے ہیں. اور بے اختیار ان کی نوک قلم کو چوم لینے کا ولولہ و شوق پیدا ہوتا ہے۔

(۳) الہدایتہ السعیدیہ: فن طبعی پر بہترین کتاب ہے کمال افادیت کی وجہ سے مدارس عربیہ

کے کورس میں داخل ہے اس کے علاوہ دیگر تصانیف درج ذیل ہیں۔

(۴) حاشیہ افق المبین، (۵) اَلرّوضُ المجود فی تحقیق وحدۃ الوجود، (۶) الجنس العالی فی شرح الجواہر العالی، (۷) حاشیہ تلخیص الشفاء، (۸) رسالۃ العلم والعلوم، (۹) رسالہ تحقیق الاجسام (۱۰) رسالہ تحقیق کلی طبعی (۱۱) تشکیک درماہیات، (۱۲) رسالہ الہیات، (۱۳) رسالہ الغدریۃ المعروف الثورۃ الہندیہ: وغیرہ ان تمام تصانیف کے پڑھنے کے بعد حضرت علامہ کے معلم رابع ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔

سیاسی زندگی

حضرت علامہ فضل حق کی سیاسی زندگی کا آغاز بھی ایک نئی آن نئی شان کے ساتھ ہوتا ہے ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی وجہ سے آبادیاں ویران آباد گھر برباد ہو رہے تھے۔ ظلم و تعدی کا دور دورہ تھا۔ اغیار کی توپیں فدایان اسلام اور محبان وطن پر گر رہی تھیں۔ اغیار کا سیلاب فرزندان توحید و رسالت کو بہا کر لے جا رہا تھا۔ فرنگیت اور سامراجیت کے پرستار اسلام کے نام لیواؤں کو پنجۂ استبداد میں جکڑ لینا چاہتے تھے۔ ان کا ناپاک عزم کیا تھا وہ مسلمانوں کو فرنگیت کی کٹھ پتلی بنانا چاہتے تھے ان کا ناپاک نصب العین یہ تھا کہ:

(۱) پبلک کا حکمرانوں سے مذہبی اختلافات ان کی حکومت و سلطنت کے لئے سنگ راہ بن جائے گا۔ اس لئے امراء و غرباء کو ملت و مذہب سے برگشتہ کر کے الحاد و بے دینی کی راہ پر گامزن کر دیا جائے اسکولوں اور کالجوں کو نونہالان وطن کے لئے زہر ہلاہل بنا دیا جائے اور ان کو اپنے مذہب و زبان سے ناآشنا کر دیا جائے۔

(۲) ارض ہند کی تمام پیداوار کو نقد دام دے کر خرید لیا جائے اس طرح مختلف طبقے خود بخود انگریزی حکمرانوں کے زیر فرمان آجائیں گے اور خلق خدا مجبور ہو جائے گی۔ تو پھر فرنگی حکومت کی سرتابی کی کسی کو سکت باقی نہ رہے گی۔ انگریز چاہتے تھے کہ ہندو اور مسلم میں تمیز ختم کر دیا جائے اور سب کے سب انگریز کے غلام بن جائیں۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے قوم کی عفت مآب بیٹیوں کو پردے سے بیگانہ کر کے ان کی شرم و حیا کا ہمیشہ کے لئے جنازہ نکال دیا۔ اس طرح دیگر دین متین کے احکام کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔ انگریزوں نے اپنے اس ناپاک عزائم کا آغاز سب سے پہلے فوجیوں سے کیا۔ اور فوج میں جو ہندو تھے ان کو گائے کی چربی اور جو مسلمان تھے ان کو سور کی چربی چکھانے پر مجبور کیا۔

(۳) دوسری طرف ہنومان گڑھی اجودھیا کے مہنتوں نے مسجد میں اذان دینے سے روک دیا اگر کوئی بھولا بھٹکا مسجد میں آتا تو مار پیٹ کر نکال دیا جاتا۔ آخر کار اس مسجد کو شہید کر دیا گیا۔ ۱۳ ذیقعد ۱۲۷۱ھ مطابق جولائی ۱۸۵۵ء شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد پر آمادہ ہوئے۔ اور مقابلے کے لئے ان کے پاس پہنچے تو اس باطل نے قرآن شریف کے پُرزے پُرزے کر کے پاؤں تلے مسل دیا۔ جوتے پہن کر مسجد میں داخل ہوئے اور سنکھ بجائے گئے یہاں تک کہ اس مقابلے میں دو سو انہتر (۲۶۹) مسلمان مجاہد شہید ہو گئے۔ غرض فرنگیوں نے جہاں یہ ناپاک اسکیم تیار کر رکھی تھی وہاں مسلمانوں نے بالخصوص علمائے اہلسنت نے سربکف ہو کر یزید وقت کا مردانہ وار مقابلہ کیا اسی مقابلے میں آزادی کے روح رواں بادشاہ اقلیم علم سخن و فن حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی نے مقابلہ کیا اور تا دم آخر مقابلہ کرتے رہے آپ سے یہ دیکھا نہ گیا کہ اسلام کے شعائر پامال ہو جائیں۔ نوجوانوں کے اذہان و قلوب پر فرنگی رنگ لگ جائے اور مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسلام اور شعائر اسلامی سے دور ہو جائیں۔ علامہ فضل حق یہ سب کچھ ایک تماشائی کی طرح نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ پہاڑ کی طرح فرنگیوں کے سامنے سینہ سپر تھے۔ بالآخر آپ سے یہ سب برداشت نہ ہوا تو اپنی ترکش سے آخری تیر نکالا اور بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں علمائے کرام کے سامنے تقریر کی اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا اس فتویٰ پر اپنے وقت کے ممتاز علمائے حق مفتی صدر الدین خاں مولوی عبد القادر، قاضی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک حسین رام پوری نے دستخط کر دیئے۔ فتویٰ شائع ہو گیا اور ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ مسلمانوں پر نت نئے مظالم کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔

دہلی میں .... ۹۰ فرنگی سپاہی جمع ہو گئے بادشاہ بہادر شاہ ظفر گرفتار کر کے قلعہ میں بند کر دیئے گئے۔ تین شاہ زادوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور ان کے سروں کو خوان پوش میں ڈھانپ کر خوان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے بہ طور تحفہ پیش کیا گیا۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی نہ ملے گی۔ جن مظالم کو پڑھنے سے دل لرزتا ہے۔ لکھنے سے سینۂ قلم شق ہو جاتا ہے اور قرطاس جگر پارہ پارہ ہو جاتا ہے فرنگیوں نے زندہ مسلمانوں کو سوّر کی کھال میں سلوا کر گرم تیل کی کڑھائی میں ڈلوا دیا۔ فتحپوری مسجد سے قلعہ کے دروازے تک درختوں کی شاخوں پر مسلمانوں کی لاشوں کو لٹکایا گیا۔ مساجد کی بے حرمتی کی گئی۔ جامع مسجد دہلی کے حجروں میں گھوڑوں کو باندھا گیا۔ یہ ایک ناقابل تلافی جرم تھا۔ اب قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو چکا تھا اسی میں علامہ فضل حق بھی باغی قرار دیئے گئے۔

ابتلاء کا آغاز

جب دہلی شہر میں انگریزوں کا مکمل طور پر قبضہ ہو گیا تو انگریزوں نے مسلمانوں کا غلہ اور پانی بند کر دیا۔ تو علامہ فضل حق خیر آبادی پانچ روز تک بھوکے پیاسے مکان میں بند رہے پانچویں روز اپنے اہل و عیال کے ساتھ دریا پار کر کے جنگلوں میں گذرے اور بھیکن پور ضلع علی گڑھ میں اٹھارہ روز مقیم ہوئے اس کے بعد آپ بدایوں سے بریلی آکر روپوش ہو گئے لیکن آپ کی مخبری ایک مرتد کافر نے کر دی جو علامہ سے مناظرہ کیا کرتا تھا اس طرح علامہ فضل حق خیر آبادی گرفتار کر لئے گئے اور فتویٰ جہاد کی پاداش میں ماخوذ ہو کر سیتاپور لکھنؤ لائے گئے اور مقدمہ چلایا گیا۔ جج بار بار کہتا تھا کہ مولانا آپ کیا کہتے ہیں مگر مولانا کے شان استقلال پر قربان جائیے خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے۔ "یہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا ہی لکھا ہوا ہے" آج بھی میری یہی رائے ہے۔ جو فتویٰ کے وقت تھی"۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنستا رہا
اللہ اللہ جنگ آزادی کے حر کا بانکپن

علامہ کے اقرار حق گوئی کے بعد اب گنجائش ہی کس بات کی باقی رہ گئی تھی۔ عدالت نے حبس دوام کا فیصلہ سنا دیا۔ دریائے شور جزیرہ انڈمان میں کالا پانی کی سزا کا حکم سنایا تو علامہ نے بکمال مسرت خندہ پیشانی اس سزا کو قبول فرمایا۔ سچ ہے کہ ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اب علامہ کے جذبۂ حریت کو سراب کرنے کے لئے ظالم فرنگی نے علامہ کی جائیداد اور ملکیت کو ضبط کر لیا۔ لیکن علامہ کے جذبۂ شہادت پر حرف نہ آیا اور پہاڑ کی طرح سینہ سپر ہو کر ہمیشہ کے لئے قافلۂ شبیری میں ایک حسین کا اضافہ کر دیا۔

جزیرۂ انڈمان میں علامہ اور ان کے رفقاء کو کیا کیا مظالم برداشت کرنے پڑے یہ ایک ایسی داستان ہے کہ موم کیا پتھر دل بھی نرم ہو جائے۔ مظالم کی داستان بتانا ہرگز یہ مقصود نہیں کہ ہم افسانہ سمجھ کر اس کو پڑھیں بلکہ اپنے اسلاف کی خون جگر کی قربانیوں کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں تاکہ ہم اپنے اسلاف کو فراموش نہ کر سکیں کیونکہ جو قوم اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھلا دیتی ہے وہ تادیر دنیا میں قائم نہیں رہ سکتی۔ علامہ کی آزادی اسلام اور پاکستان کی داستان طویل ہے۔ مختصر یہ کہ

وہاں کا سپرنٹنڈنٹ جیل ایک شریف انگریز تھا وہ علوم مشرق پر دسترس رکھتا تھا۔ فن ہیئت کا ماہر تھا۔ اس نے فارسی میں فن ہیئت کی ایک کتاب ایک مولوی صاحب کو دی کہ اس کی تشریح فرما دیں لیکن ان مولوی صاحب سے یہ بن نہ پڑی تو وہ علامہ فضل حق کے پاس لے کر آئے آپ نے اس کی عبارت درست کر دی اور کچھ تشریح فرما دی حاشیہ پر چند کتب کے حوالے لکھ دیئے۔ یہ کتاب مولوی صاحب نے اس سپرنٹنڈنٹ کو دی تو وہ دیکھ کر حیران ہو گیا اور کہنے لگا مولوی صاحب تم بڑا لائق آدمی ہے اور کہا کہ تم نے جو حوالے لکھے ہیں وہ یہاں کہاں ملیں گے۔ اس پر مولوی صاحب نے حضرت علامہ فضل حق کا اصل واقعہ سنایا تو وہ عش عش کر اٹھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ انگریز کیا دیکھتا ہے کہ علامہ بغل میں ٹوکرا دبائے چلے آرہے ہیں۔ جزیرہ انڈمان کی کہانی خود علامہ کی زبانی جو خود آپ کی کتاب "رسالۃ الہندیہ" سے ماخوذ ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے دشمن نے خون چوسنے والے مقام پر حبس بے جا میں رکھا۔ دریائے شور کے کنارے ایک ناموافق آب وہوا والے پہاڑ پر پہنچا دیا جہاں سورج ہمیشہ سر پر رہتا ہے اس میں دشوار گذار گھاٹیاں اور راہیں تھیں جنہیں دریائے شور کی لہریں ڈھانپ لیتی تھیں۔ اس کی نسیم صبح بھی گرم و تیز ہوا سے زیادہ سخت اور اس کا پانی زہر ہلال سے زیادہ مضر تھا اس کی غذا اندرائن سے زیادہ کڑوی اس کا آسمان غموں کی بارش کرنے والا اس کی زمین آبلہ دار اس کی سنگریزے بدن کی پھنسیاں اور اس کی ہوا انسانیت کے لئے ناموافق اور بدبودار ہر کوٹھڑی پر چھپر تھا جس میں رنج و مرض بھرا ہوا تھا اور مرض لا علاج کا مخزن بیماریاں ایسی کہ خارش کی وجہ سے بدن کی کھالیں پھٹنے لگتی ہیں۔ یہاں بیماری کی شفایابی کی کوئی صورت نہ تھی۔ معالج رنج و تکلیف میں اضافہ کرنے والا تھا۔

شجاعت کا بے مثال کارنامہ

جزیرہ انڈمان میں ادھر علامہ فضل حق خیر آبادی بستر مرگ پر ہیں اٹھنے بیٹھنے کی یہاں تک کہ کروٹ لینے کی تاب باقی نہ تھی بغیر کسی سہارا کے اٹھنے بیٹھنے پر مجبور ہیں۔ زندگی کا آخری وقت ہے۔ موت قدم چومتی ہوئی آرہی تھی حیات بلائیں لے لے کر رخصت ہو رہی تھی۔ زندگی و موت کی کشمکش میں قدرت ازلی نے امتحان لینے کے لئے ظالم انگریز کو بھیجا ایک افسر آتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ اپنا فتویٰ جہاد جو انگریزوں کے خلاف دیا واپس لے لو تو سزا معاف ہو سکتی ہے۔ امتحان خداوندی کی کوئی حد باقی نہ رہی۔ میدان کرب وبلا میں غیرت شبیری کو ایک اور دھچکا لگا۔ لیکن فاروق اعظم کے سپوت پر قربان جائیے کہ پائے استقلال میں اس حال میں بھی لرزہ طاری نہیں ہوتا۔ جوش ایمانی سے خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے اور انگریز کے روبرو

اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آنکھ میں آنکھ ڈال کر زبان استقلال سے عرض کرتے ہیں کہ یہ فتویٰ میرا ہی دیا ہوا ہے اور صحیح ہے میری رائے جو فتویٰ کے وقت تھی اس وقت بھی ہے اور میں یہی کہوں گا کہ انگریز سے جہاد فرض ہے۔

ادھر اس جواں مرد سے پہلے اور بھی دیگر علمائے کرام وہاں پہنچ چکے تھے ان میں حضرت علامہ مفتی عنایت احمد کاکوروی حضرت علامہ مفتی مظہر کریم اور دوسرے دیگر مجاہد علمائے کرام اسیران انڈمان تھے ان حضرات نے بھی انڈمان میں مایہ ناز تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا مفتی عنایت احمد کاکوروی نے علم الصّیغہ جیسی فن صرف کی بہترین کتاب لکھی۔ تاریخ حبیب اللہ بھی جزیرۂ انڈمان میں انہی علمائے کرام کی کاوشوں سے لکھی گئی اور یہی اس کا تاریخی نام بھی ہے۔ حضرت علامہ فضل حق نے بھی کئی مفید کتابیں تصنیف کیں۔ حضرت علامہ فضل حق ابتداءِ عمر ہی سے یعنی زمانہ طالب علمی سے لے کر جزیرۂ انڈمان تک پہنچنے تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا آپ سے جتنی کتابیں یادگار ہیں جو ہمارے نسخہ گراں مایہ سے کسی قدر بھی کم نہیں علامہ موصوف نے اپنی تمام تکالیف کا ذکر خود اپنے قلم سے کیا ہے جو آپ کی کتاب باغی ہندوستان اور الرسالۃ الثورۃ الہندیہ میں جو جزیرۂ انڈمان میں بے پناہ مصیبتوں کے ہجوم میں لکھا حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی زندگی سے لے کر تا دم آخر کوئی بات ایسی نہیں جو کسی مورخ کی لکھی لکھائی ہو بلکہ علامہ نے تو خود اپنا سارا واقعہ قلمبند کر دیا کہ آنے والے مورخ کو بھی تاریخی سہولت مہیا کر دی درحقیقت علامہ کی قربانی کی داستان گویا اپنے وقت کی ایک مستند تاریخ ہے۔

علامہ خود ایک جگہ پر فرماتے ہیں کہ میری تکالیف کو دیکھ کر انگریز افسروں کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے تھے۔ ناز و نعم کے پلے ہوئے علامہ آج انڈمان میں آج اپنے سروں پر ٹوکرہ رکھے چلے آرہے ہیں۔ تو انگریز کو بھی سکتا ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ابتداء عمر سے لیکر طالب علمی اور تمام عمر آپ باطل کے سامنے اعلاء کلمۃ اللہ بیان کرتے رہے آخر کار آپ کو جزیرۂ انڈمان سے رہائی دلانے کے لئے آزادی کا پروانہ حاصل کرنے کے بعد جب آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی شمس الحق جزیرۂ انڈمان پہنچے تو دیکھا کہ سامنے سے ایک جنازہ آرہا ہے اور اس میں کافی اژدھام ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تو خود ہی کل ان کو ظالم کے شکنجے سے ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا اور آپ اپنے خالق حقیقی سے ۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو علامہ فضل حق خیرآبادی بخیر و خوبی جاملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن وَاُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُہْتَدُوْنَ۔ بے شک اللہ ہی کی طرف سے آئے تھے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ گئے اور یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل

کرتا ہے اور اپنے رب کے پاس رحمت میں لے لئے جاتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔

اور اب ان کو سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں۔ سازو ناساز درد دل لئے صاحبزادے بھی اس عاشق رسولؐ کے جنازۂ رحمت میں شریک ہو گئے۔ صاحبزادے صبر و استقلال کا دامن تھامے ہوئے بے نیل و مرام جنازہ میں شریک ہو کر وطن واپس لوٹے۔

موت اس کی ہے جس کا زمانہ کرے افسوس
یوں تو دنیا میں آتے ہیں سبھی مرنے کے لئے

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خود رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت علامہ فضل حق نے جان دے دی حق کی خاطر تاکہ بعد میں کوئی ایسا نہ کہنے پر مجبور ہو کہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

درحقیقت علامہ اس شعر کے مصداق نہیں بن سکتے علامہ فضل حق اس شعر کے مصداق ہیں اور آخر میں میں آخری الفاظ میں خراج عقیدت یہی پیش کروں گا کہ علامہ فضل حق نے خود بھی اس شعر پر عمل کر کے دکھایا

حضرت علامہ خیرآبادی کے تلامذہ

اسد نظامی

حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمت کے یوں تو بے شمار ایسی ہستیاں ہوگذری ہیں کہ جنہوں نے آپکے آگے تہ زانوئے تلمذ کا شرف حاصل کیا مگر ان میں سے اختصار کے ساتھ چند ایک شخصیات کا ذکر درج ذیل ہے۔

آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبدالحق خیرآبادی علیہ الرحمۃ ہیں کہ جنہوں نے اپنے والد ماجد سے جملہ علوم و فنون حاصل کئے اور علمی حلقوں میں اپنا نام پیدا کیا اور آج بھی علمی حلقوں میں آپ کا بے حد احترام پایا جاتا ہے، آپ کے متعلق صاحب تذکرہ علمائے ہند رحمان علی کاکوردی لکھتے ہیں۔

"مولوی عبدالحق خیرآبادی شاگرد پدر خود مولوی فضل حق خیرآبادی بعلوم عقلیہ سرآمد امثال خود بدربار رئیس رام پور معزز زمانہ بسر می برد۔" [1]

واقعی آپ محقق ابن محقق اور عالم دین بے مثل تھے معاصرین میں کم از کم جن کی نظیر نہیں ملتی۔ شبلی ندوی نے آپ کے علمی کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"مولانا فضل حق خیرآبادی کے تلامذہ نے سارے ملک میں پھیل کر علوم معقول کو بڑی رونق دی اور بڑے باکمال مدرس ثابت ہوئے، ان بزرگوں میں سے تین ارباب کمال کی درسگاہوں کو خاص شہرت ہوئی۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی خلف مولانا فضل حق خیرآبادی۔" [2]

حامد حسن قادری صاحب اپنی مشہور تاریخی کتاب داستانِ تاریخ اردو میں رقمطراز ہیں۔

---

[1] رحمان علی کاکوری، تذکرہ علمائے ہند فارسی، ص ۱۱۰، مطبوعہ نامی منشی نول کشور لکھنؤ۔

[2] شبلی ندوی، حیات شبلی، ص ۲۳، مطبوعہ اعظم گڑھ،

"مولانا عبدالحق خیرآبادی اپنے زمانے میں امام فلسفہ تھے
آپ کے شاگردوں میں سے متعدد نامور علمائ نکلے مولانا نے
۴۰ کے قریب کتابیں تصنیف کیں ان میں ایک کتاب زبدۃ الحکمۃ
اُردو میں لکھی یہ منطق کی قدیم کتابوں میں ہے اور ایک کامل فن
کے قلم سے نکلی ہے۔" ۳ے

حضرت مولانا عبدالحق خیرآبادی علیہ الرحمت

فی الحقیقت الدہر لابیہ کا صحیح مصداق تھے۔ علوم دفنون پر آپ کو عبور حاصل تھا مفتی اکرام اللہ شہابی نے حضرت مولانا عبدالحق خیرآبادی علیہ الرحمت سے پوچھا کہ برادرم! دنیا میں حکیم کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے تو حضرت علیہ الرحمت نے جواب دیا۔ بھیا! صرف ساڑھے تین اشخاص پر وہ یہ ہیں

"ایک معلم اول ارسطو، دوسرے معلم ثانی فارابی، تیسرے والد
ماجد مولانا فضل حق اور نصف بندہ۔" ۱ے

اور واقعی آپ نے جو اپنے متعلق ارشاد فرمایا وہ تحدیث نعمت کے طور پر جسے خراج تحسین پیش کرنیوالا عبدالشاہد خاں شیروانی جیسا آدمی نظر آتا ہے۔ شیخ محمد اکرام آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"آپ کا سلسلۂ فیض مولوی عبدالحق خیرآبادی نے جاری رکھا جو
رام پور میں تھے وہ مولانا شبلی کے اُستاد اور کئی کتابوں کے
مصنف تھے۔" ۲ے

حضرت علامہ عبدالحق علیہ الرحمت کے بارے میں ماہرالقادری رقمطراز ہیں۔

"علامہ عبدالحق خیرآبادی کے جو علامہ فضل حق خیرآبادی کے جانشین
اور قابل فخر فرزند تھے۔" ۳ے

۳ے حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، ص ۲۳۰، مطبوعہ آگرہ
۱ے علامہ مشتاق احمد نظامی، خون کے آنسو حصّہ اول، ص ۶۶، مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور
۲ے محمد اکرام، رُودِ کوثر، ص ۶۱۶، مطبوعہ فیروز سنز لاہور
۳ے ماہرالقادری، ماہنامہ فاران کراچی، ص ۳۹، جولائی ۱۹۷۵ء

آپ کے درس و تدریس پر تبصرہ کرتے ہوئے صاحب تذکرہ علمائے اہل سنت لکھتے ہیں۔

"درس کی دھوم تھی، طلبہ اکناف عالم سے آپ کے دریائے علم
سے اپنی پیاس بجھانے کے لئے پہنچتے تھے، طلبہ پر بہت شفیق
تھے۔ جو طالب علم ایک سبق پڑھ لیتا پھر آپ کا در نہ چھوڑتا۔" [۴]

آپ کے درس و تدریس میں نہ صرف طلبہ علم حاصل کرتے بلکہ علماء بھی حاضر ہو کر اپنے مشکل مقامات کو حل کراتے ادق سے ادق سوالات کرتے جواب حاصل کر کے مطمئن ہو جاتے۔

آپ کی تصانیف کے بارے میں رحمان علی کاکوری لکھتے ہیں۔

"از تصانیف شان حاشیہ غلام یحییٰ و تسہیل الکافیہ و شرح ہدایۃ
الحکمۃ و جوار غالبہ شرح میر زاہد امور عامہ مطبوع و تشائع اندر" [۵]

آپ سلسلہ چشتیہ نظامیہ خانقاہ سلیمانیہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی چشتی نظامی سلیمانی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۳۱۹ھ) کے مرید تھے۔

آپکا وصال شریف ۲۲ ماہ شوال المکرم ۱۳۱۶ھ خیر آباد میں ہوا۔ امیر مینائی نے آپ کے متعلق قطعہ تاریخ یہ لکھا۔

شمس العلماء از ظلمت دہر	چوں تیر ز ابر تیرہ برجست
بر طرح مزار آمیر بنویس	آرام گہہ "امام وقت" است

۱۳۱۶

آپ کے خلف الرشید حضرت علامہ اسد الحق خیر آبادی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۳۱۸ھ) قابل ذکر ہیں اور آپ کے ارشد تلامذہ یہ ہیں۔

(۱) حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۳۴۷ھ)

(۲) مولانا سید عبد العزیز سہارنپوری
(۳) مولانا نادر الدین
(۴) مولانا ماجد علی جونپوری
(۵) مولانا سید احمد بخاری
(۶) مولانا اسد الحق
(۷) مولانا محمد علی خاں رام پوری
(۸) مولانا سید علی بلگرامی
(۹) مولانا محمد طیب مکی

---

[۴] مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۲۳، مطبوعہ انڈیا

[۵] رحمان علی کاکوری، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۱۰، مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ

(۱۰) مولانا مقیم الدین

حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوری علیہ الرحمت

حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوری علیہ الرحمت حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے اجل تلامذہ میں سے تھے آپ کے والد ماجد خلیفہ علی بخش سہارنپوری زمینداری کرتے تھے۔ محلہ شاہ ولایت سہارنپور میں آپ نے ابتدائی عربی فارسی کتابیں پڑھیں پھر دہلی میں حضرت مولانا مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۲۸۵ھ) سے اکتساب علم کیا۔ احادیث مبارکہ حضرت شاہ احمد سعید مجددی علیہ الرحمت (المتوفی ھ) سے پڑھی۔ حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کی خدمت میں حاضر ہوکر علم معقولات اور ادب کی کتابیں پڑھیں عابد علی عابد اپنے ایک مضمون میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"مولانا فیض الحسن ۱۲۳۲ھ، ۱۸۱۶ء میں پیدا ہوئے"۔ [۱]

آپ کی ولادت باسعادت سکھا شاہی کے دور حکومت میں ہوئی۔ عنفوان شباب میں استاد معز الدین کے ہاں اکھاڑے میں کشتی کا فن حاصل کرتے رہے پھر اچانک یہ خیال پیدا ہوا کہ علم حاصل کیا جائے تب آپ پہلوان گیری کے فن کو چھوڑ کر علمی دنیا کی طرف رجوع کیا علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل کی۔ پھر آپ نے بقول علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب کے

"آپ فیض الحسن ادیب کے نام سے مشہور ہوئے متذکرۃ الصدر چاروں اُستاد اپنے وقت کے جلیل القدر عالم تھے جن کے درس کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مشق سخن مولوی امام بخش صہبائی سے کی، شیفتہ، مومن، ذوق اور غالب سے محبت رہی طب حکیم امام الدین شاہی طبیب سے سیکھی"۔ [۲]

آپ کے حصول علم کے بارے میں شبلی ندوی نے لکھا ہے۔

"مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری سلسلۂ خیرآباد کے حلقۂ زرین مولانا خیرآبادی کے شاگرد تھے"۔ [۱]

---

[۱] عابد علی عابد، رسالہ شباب اردو، ص ۶۸، مئی ۱۹۲۲ء

[۲] علامہ اقبال احمد فاروقی، تذکرہ علمائے اہل وجماعت لاہور، ص ۱۷۱، ناشر مکتبہ نبویہ لاہور

آپ کے بارے میں شبلی ندوی مزید لکھتے ہیں۔

"اس زمانہ میں مولانا فیض الحسن سہارن پوری پروفیسر اورنٹیل
کالج لاہور اس پایہ کے ادیب تھے کہ خاک ہند نے صدیوں میں
شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو"۔ ؎۲

اور یہی شبلی ندوی آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مولانا فیض الحسن صاحب کا بڑا فیض یہ ہے کہ انہوں نے
ہندوستان کے عربی ادب میں انقلاب برپا کر دیا اور متاخرین
سے ہٹا کر طلبہ کو قدیم شعرائے ادب کی طرف متوجہ کیا"۔ ؎۳

مولانا فیض الحسن صاحب علیہ الرحمت کو عربی اور فارسی زبانوں پر نہ صرف عبور حاصل تھا بلکہ عربی اور فارسی کے اوراق کلام کو آسان لفظوں میں بیان کرتے یہی آپ کا علمی کمال تھا۔

"حماسہ کا درس ان ہی نے رائج کیا۔ اور حماسہ کی شرح فیضی
کے نام سے ۱۲۹۴ھ میں لکھی"۔ ؎۴

آپ لاہور کے اورنٹیل کالج اور پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے اُستاد تھے۔ بقول سلیمان ندوی کے

"خاک ہند نے شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو"

آپ علم منطق علم ہیئت و علم فلسفہ میں استاد بلکہ استاذ الاساتذہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ علم روحانیت حاصل کرنے کے لئے آپ حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۳۱۷ھ) سے سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں دست بیعت ہوئے۔

آپ کو علم تصوف سے گہرا قلبی تعلق، دلائل الخیرات شریف کے علاوہ بے شمار تصوف کی کتابیں اوراد و اشغال میں مصروف رہتے، ہر جمعہ صبح کو حضرت مخدوم داتا گنج بخش علیہ الرحمت (المتوفی ۴۶۵ھ) کے دربار اقدس پر حاضری دے کر روحانی کیفیت حاصل کرتے آپ کی رحلت بقول حضرت اقبال

؎۱ شبلی ندوی، حیات شبلی حاشیہ، ص ۸۰

؎۲ شبلی ندوی، حیات شبلی حاشیہ، ص ۸۰

؎۳ شبلی ندوی، حیات شبلی حاشیہ، ص ۸۰

؎۴ شبلی ندوی، حیات شبلی حاشیہ، ص ۸۰

احمد نارد تی مدظلہ کے "۶ر فروری ۱۸۸۷ء / ۱۳۰۴ھ کو ہوئی"۔

آپ کی عمر اکہتر برس تھی۔ آپ کا وصال لاہور میں ہوا۔ حسب وصیت آپ کو سہارن پور میں لے جاکر آپ کے آبائی قبرستان درہ آبی میں سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) شرح سبعہ معلقہ (عربی، فارسی، اردو)

(۲) شرح حماسہ (عربی) (۳) رشیدیہ (عربی)

(۴) فیضیہ علم مناظرہ (اردو) (۵) التعلیقات علی الجلالین (عربی)

(۶) ترکیب دیوان حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (عربی)

(۷) تحفۂ صدیقیہ (حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات)

(۸) عروض المفتاح (عربی) (۹) دیوان الفیض

(۱۰) ریاض الفیض (۱۱) شرح مشکوٰۃ المصابیح

(۱۲) حل ابیات بیضاوی (عربی)

آپ کے معاصر دوست علماء میں سے حضرت مولانا قاضی غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمت (المتوفی ۱۳۱۵ھ) صاحب تقدیس الوکیل۔

حضرت مولانا غلام قادر بھیروی صاحب علیہ الرحمت (المتوفی ۱۳۲۷ھ) مصنف کتب کثیرہ خطیب بیگم شاہی لاہور قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا عبدالقادر محب الرسول بدایونی علیہ الرحمت

آپ حضرت سیدنا عثمان ابن عفان خلیفۃ الرسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے بنابریں آپ کے خاندان کو خاندان عثمانی بھی کہا جاتا ہے آپ حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۲۸۹ھ) کے خلف الرشید تھے آپ کی ولادت باسعادت ۱۷ رماہ رجب المرجب ۱۲۵۳ھ میں ہوئی آپ کے جد امجد حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید علیہ الرحمت نے تاریخی نام مظہر حق تجویز کیا۔ مگر بعد میں حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمت (اعوان ۵۶۲ھ) کے خواب میں ارشاد فرمایا کہ اس بچے کا نام "عبدالقادر" رکھا جائے جو بعد میں محب رسول کے نام سے ملقب ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا نور احمد عثمانی (المتوفی ۱۳۰۱ھ) علیہ الرحمت سے حاصل کی۔ رحمان علی کاکوری

آپ کے متعلق رقمطراز ہیں۔

"اکثر کتب درسیہ پیش مولوی نور احمد بدایونی و بعض کتب ہم
چو شرح مسلم العلوم و شرح اشارات و محاکمات وغیرہ بخدمت
مولانا فضل حق خیر آبادی گذاریدہ مشار اللہ بین الاقران گشت"[1]

آپ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمت کی خدمت اقدس میں علم فلسفہ و ہیئت اور دیگر متعدد علوم و فنون حاصل کئے فارغ التحصیل ہونے کے بعد دست بیعت اپنے والد ماجد حضرت مولانا فضل رسول بدایونی علیہ الرحمت سے کی۔

"بایمائے والدِ خود ہنگام زیارت حرمین شریفین زادہما اللہ
تشریفاً بخدمت شیخ الفقہاء و المحدثین مولانا شیخ جمال عمر
مکی اخذِ حدیث فرمودہ"[1]

واپسی پر آپ نے دینی نشر و اشاعت کا پروگرام بنا کر باقاعدگی کے ساتھ بدایوں میں دینی درسگاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جسے دیکھ کر حضرت مولانا عبد الحق خیر آبادی علیہ الرحمت نے آپ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا۔

"عبد القادر بدایونی کا تبحر اور جامعیت تمام علوم و فنون میں ہے"[2]

آپ کا وصال شریف ۱۷ ماہ جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ شب دوشنبہ کو ہوا۔

رحمان علی کاکوری نے آپ کی تصانیف کی یہ فہرست مرتب کی ہے۔

(۱) رسالہ احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام عربی عقائد۔

(۲) رسالہ سیف الاسلام المسلول علی المناع بعمل المولد والقیام فارسی عقائد

(۳) رسالہ حقیقۃ الشفاعۃ علی السنۃ والجماعۃ عقائد

(۴) شفاعۃ السائل بتحقیق المسائل فقہ

(۵) دیوان عربی نعت شریف

---

[1] رحمان علی کاکوری، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۲۶، مطبوعہ نامی منشی نول کشور لکھنؤ۔

[1] رحمان علی کاکوری، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۲۷، مطبوعہ لکھنؤ

[2] علامہ محمود احمد، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۲۶، مطبوعہ انڈیا

(۶) ہدایت الاسلام

(۷) تاریخ بدایوں

حضرت مولانا عبدالحق کانپوری علیہ الرحمت

آپ نسبتاً سادات نبویہ سے تعلق رکھتے تھے آپ حضرت مولانا سید غلام رسول المعروف دادامیاں علیہ الرحمت (المتوفی ۱۲۱۲ھ) کے خلف الرشید تھے، آپ کی ولادت باسعادت کانپور میں ہوئی اور وہیں نشو ونما پائی۔

آپ کے متعلق حضرت مولانا محمود احمد قادری مدظلہ لکھتے ہیں

"علامہ فضل حق خیرآبادی سے لکھنؤ میں تحصیل علم کیا، فراغت کے بعد حج و زیارت کے لئے گئے، واپسی میں ایک مدت تک کانپور میں درس دیتے رہے آپ نہایت ذکی و ذہین اور صاحب الرائے اور شیریں کلام اور صاحب تقویٰ تھے۔" [1]

آپ نواب کلب علی خاں والیٔ رام پور کی دعوت درس وتدریس پر رام پور میں مدت مدید تک قیام پذیر رہے، پھر حیدر آباد دکن کا رخت سفر باندھا۔ نواب وقار الامرا نے اپنے محل میں وعظ کے لئے منتخب کیا اور آپ کے دست پر بیعت ہوئے۔

"۱۳۱۲ھ میں حیدر آباد دکن میں آپ کا وصال ہوا، وہیں مدفن ہیں۔" [2]

حضرت مولانا ہدایت علی بریلوی علیہ الرحمت

آپ بریلی شریف کے محلہ قرولاں کے باشندے تھے حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت سے اکتساب علوم کے بعد نواب مشتاق علی خاں رام پوری نے آپ کو مدرسہ عالیہ رامپور کا پرنسپل مقرر کیا آپ کے بارے میں حضرت مولانا محمود احمد قادری کانپوری لکھتے ہیں۔

---

[1] مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۸۰، مطبوعہ انڈیا

[2] مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۸۰، مطبوعہ انڈیا

"مولانا ہدایت علی بریلی محلہ قرولاں کے ساکن شیخ فاروقی حضرت
علامہ فضل حق خیرآبادی سے تحصیل علم کیا"۔ [1]

رام پور سے واپسی پر آپ بریلی شریف میں مدرسہ قائم کیا اور آپ باقاعدگی کے ساتھ درس وتدریس دیتے رہے آپ کا انتقال ۱۳۲۲ھ کو ہوا۔

آپ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا فضل حق رام پوری علیہ الرحمت (المتوفی ۱۳۶۰ھ) حضرت مخدوم شاہ ابوالحسین احمد نوری سجادہ نشین مارہرہ شریف (المتوفی ۱۳۲۴ھ) مولانا یونس علی بدایونی علیہ الرحمت

حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں علیہ الرحمت رامپوری ثم جونپوری

آپ کا آبائی وطن سوات تھا جو بعد میں آپ کے آباؤ اجداد سوات سے رام پور میں تشریف لے گئے اور آپ کی ولادت بھی رام پور میں ہوئی۔ ابتدائی کتابیں آپ نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا رفیع احمد خاں مرحوم کے پڑھنے کے بعد صرف ونحو حضرت مولانا غلام علی رامپوری اور منطق میر زاہد تک حضرت مولانا جلال الدین سے پڑھیں۔ جب حضرت مولانا خیرآبادی علیہ الرحمت خیرآباد سے رام پور تشریف لے گئے تو آپ حضرت علامہ کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو کر دینی علوم وفنون حاصل کئے۔

مولانا محمود احمد قادری لکھتے ہیں۔

"حضرت علامہ فضل حق کے ورود رام پور کے بعد حلقہ تلامذہ
میں داخل ہو کر علوم وفنون میں کمال حاصل کیا"۔ [1]

آپ کے علمی مقام پر بحث کرتے ہوئے صاحب تاریخ جونپور المعروف شیراز ہند لکھتا ہے۔

"صاحب تقویٰ، کریم النفس سادہ روش، وسیع الاخلاق
واطوار پسندیدہ، صوفی المشرب اور صاحب تصوف تھے
اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جگہ پائی"۔ [2]

اور یہی مصنف کتاب آپ کے بارے میں لکھتا ہے

---

[1] مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۲۶۲، مطبوعہ انڈیا

[1] مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۲۶۱، مطبوعہ انڈیا

[2] اقبال احمد جونپوری، تاریخ جونپور، ص ۷۸۹، ادارہ شیراز ہند جونپور

"جب سن شعور کو پہنچے تو مختلف مقالات پر علوم ظاہری حاصل کیا چونکہ قسمت میں علمی ترقیاں لکھی ہوئی تھیں تو اس پر اکتفانہ کرتے ہوئے مولانا فضل حق خیرآبادی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور تھوڑے ہی زمانہ میں اپنے ذہن رسا کی بدولت تمام علوم سے فارغ ہو گئے۔ اور مولانا کے مشہور شاگردوں میں شمار ہونے لگے، خاص کر معقولات میں یگانۂ روزگار تھے اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ان کے برابر کا کوئی عالم اس وقت نظر نہ آتا تھا۔ آپ کو بھی درس و تدریس سے کمال دلچسپی تھی"۔[1]

رام پور سے آپ مدرسہ حنفیہ جونپور کے لئے مولوی حیدر حسین صاحب نے آپ کو مدعو کیا تو آپ رام پور سے جون پور میں تشریف لے گئے۔ پھر آپ کو صدر مدرس مقرر کیا گیا۔

حضرت مولانا محمود احمد قادری مدظلہ لکھتے ہیں

"آپ ان علماء میں تھے جن سے علم و فضل کو شرف حاصل ہوتا ہے"۔[2]

آپ کو عربی فارسی اسباق پڑھانے میں بدرجۂ اتم مہارت تھی جیسے ملاحظہ فرمایئے۔

"دوران تعلیم میں اکثر طلباء کو بعض ادق کتابوں کو مثل اُفق المبین وغیرہ اتنا آسان کر کے سمجھا دیا کہ چاروں طرف طلبہ کا تانتا بندھ گیا، کلکتہ پنجاب سے بھی طلبہ آنے لگے اور مولانا ان کی تشفی فرماتے رہے۔ ہزارہا بندگان خدا نے آپ سے فیوض حاصل کئے اور ایک بہت بلند مقام پر پہنچے"۔[3]

آخری عمر میں آپ فالج کا اثر ہو جانے کی بنا پر رحلت فرما گئے۔ تاریخ رحلت یکم ماہ رمضان المبارک

---

[1] اقبال احمد جونپوری، تاریخ جونپور، ص ۷۸۹، مطبوعہ جونپور (بھارت)

[2] علامہ محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۲۶۱، مطبوعہ (بھارت)

[3] اقبال احمد جون پوری، تاریخ جون پور، ص ۷۹۰

۱۳۲۶ھ ہے۔

آپ کو حضرت مخدوم دیوان عبدالرشید علیہ الرحمت جون پوری (المتوفی ۱۰۸۳ھ) کے دربار شریف کے احاطہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ محلہ رشید آباد جو جون پور میں واقع ہے۔ آپ کا قطعۂ وصال یہ ہے۔

"شُد نہاں مہرِ اوجِ فلسفیات"

۱۳۲۶

(تاریخ جون پور صفحہ ۷۹)

آپ کے ارشد تلامذہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی قادری علیہ الرحمت (المتوفی ۱۳۶۷ھ) صاحب بہار شریعت قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا خیر الدین دہلوی علیہ الرحمت

آپ حضرت مولانا محمد ہادی علیہ الرحمت کے فرزند ارجمند تھے۔ ۱۸۳۱ء کو دہلی میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی حضرت مولانا مفتی صدر الدین، حضرت علامہ خیر آبادی سے علوم و فنون کی تکمیل کی ۱۸۵۱ء کو مکہ مکرمہ میں کافی عرصہ بسر کیا۔ حرم پاک میں درس و تدریس دیتے رہے پھر وہیں سے قسطنطنیہ میں حضرت شیخ الاسلام احمد زینی دھلان کی تلمیذ شیخ محمد ظاہر الکردی) علیہ الرحمت کے ہمراہ تشریف لے گئے دو سال تک وہیں اقامت پذیر رہے ایک سال قونیہ میں حضرت علامہ جلال الدین رومی علیہ الرحمت (المتوفی ۶۷۲ھ) کے مزار شریف پر معتکف رہے پھر ایک سال مصر میں آپ کا قیام رہا۔ پھر آپ مختلف علاقوں سے پھرتے ہوئے کلکتہ کی مسجد ناخدا میں تبلیغ و تقریر کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ سے حضرت مولانا احمد علی سہارن پوری علیہ الرحمت بے حد متاثر تھے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۳۴۰ھ) بریلی شریف سے کلکتہ میں آپ کو ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔

آپ عربی اور فارسی کے علوم و معارف میں ایک زبردست عالم تسلیم کئے جاتے تھے۔ فنِ شاعری میں بھی آپ کو گہرا شغف تھا۔ خیوری تخلص کرتے تھے۔

"رد وہابیہ میں علامہ سید احمد دھلان کی خواہش پر دس جلدوں میں ایک کتاب لکھی"۔[1]

---

[1] مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۸۷، مطبوعہ انڈیا

آپ اعدائے دین و دشمنانِ رسول مقبول کے سخت مخالف تھے اور جو لوگ حضور علیہ السلام کے علم غیب کے منکر حاضر و ناظر کے مخالف تھے ان پر شرعی حکم نافذ فرماتے، آپ عاشق رسول مقبول تھے یہی وجہ ہے کہ آپ عمر بھر انگریز، ہندو، سکھوں اور ان کے حاشیہ بردار لوگوں سے عمر برسر پیکار رہے آپ کا انتقال ۱۷ ماہ رجب المرجب ۱۳۲۶ھ ۷۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ آپ کا مزار شریف کلکتہ کے قبرستان مانک تلہ میں ہے۔

"قضا کرد اُف! مولوی خیر الدین — فقیہہ زمان، اہل ہوش و خرد وش
سن فوت چوں خواستم از خرد — بگفت "فضائل پناہ اہل ہوش" ۱۳۲۶ھ [۱]

آپ کی رحلت کے بعد محی الدین ابو الکلام آزاد اگرچہ بہت قابل تھے مگر ہندو دوستی میں اس قدر متجاوز ہوئے کہ متحدہ قومیت کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ مسلمان دشمنی کی بنا پر قائد اعظم نے اسے شو بوائے کہا۔ اور اس مسلم دشمنی کا نتیجہ یہ ہے کہ گاندھی جیسے متعصب کٹڑ ہندو نے تو ملک کی تقسیم قبول کر لی مگر ابو الکلام نے پاکستان کو سرے سے تسلیم نہ کیا (ملاحظہ ہو آزادی ہند)

حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب

آپ کو سرسیّد احمد خاں نے حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمت کے ارشد تلامذہ میں سے شمار کیا ہے اور مولانا صاحب سے متعلق سر سید کے خطابات ملاحظہ ہوں۔

"فضائل پناہ مدت دستگاہ، رنگ چہرہ فضیلت، آبروئے شریعت دقائق آگاہ حقائق و معارف پناہ، خازن گنجینۂ اسرار ازل، جامع شرائف علم و عمل، ارسطو فطرت، فارابی فطنت بانی صبانی فضل و افضال و موسس اساسی، تکمیل و اکمال قطب سمائے ہدایت و ارشاد منطقہ، فلک راسی و سداد، عضادۂ اضطرلاب، دانش و حکم، بہ نکتہ سنجی ہا معروف و بدقیقہ فہمی علم موشگاف دقائق علم و فن مولوی محمد نور الحسن سلمہ اللہ تعالےٰ شاگرد رشید مولانا محمد فضل حق زادت فضیلت۔" [۱]

---

[۱] علامہ محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۸۷، مطبوعہ ہند

آپ دراصل کاندھلہ کے باشندے تھے۔ تحصیل علم کی خاطر کاندھلہ سے دہلی تشریف لائے۔ علم معقولات حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمت کی خدمت میں پڑھا۔ آخری عمر میں آپ دہلی سے کاندھلہ تشریف لے گئے۔

آپ کا سال وصال ۱۱ ماہ محرم الحرام ۱۲۸۵ھ ہے

حضرت مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی علیہ الرحمت

آپ پانی پت کے باشندہ تھے، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۹۴ھ) کی اولاد امجاد میں سے تھے۔" آپ عالم دین اور رہبر طریقت تھے، حضرت ابو علی قلندر شرف الدین چشتی علیہ الرحمت (المتوفی ۷۲۴ھ) کے سلسلۂ چشتیہ قلندریہ سے منسلک تھے۔ آپ حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔

جب حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کو انگریزوں نے گرفتار کیا تو حضرت علامہ نے آپ کو اپنا علمی جانشین منتخب فرمایا جو تھوڑے عرصہ بعد آپ نے اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویت الایمان" "یکروزی" کے علاوہ اسماعیلی گروہ کی غلط کتابوں کا جواب لکھا تنزیل التنذیر فی نظیر البشیر و السدیر کے نام سے کتاب لکھی جن کا آج تک ان لوگوں سے جواب نہ بن سکا۔" سال وصال نامعلوم۔

بقیہ: صفحہ ۶۳ سے آگے

شریک ہو گئے۔

انڈمان جیل میں علامہ نے کپڑوں وچیتھڑوں پر عربی زبان میں انگریزی مظالم کے خلاف دل ہلا دینے والی خونی داستان تحریر فرمائی۔ یہ دو مختصر رسالوں کی شکل میں مسلم یونیورسٹی لائبریری کے سبحان اللہ کلیکشن میں موجود تھے۔ جن کا سید الطاف علی بریلوی صاحب نے پتہ چلایا اور مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی (مستشرق) آزاد لائبریری علیگڑھ نے "باغی ہندوستان" کے عنوان سے ان مخطوطات کو اردو کا جامہ پہنا کر بہ اہتمام مدینہ بک ایجنسی بجنور شائع کردیا۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مقدمہ تین سو پچاس صفحات پر مشتمل ہے جس میں مولوی فضل حق خیرآبادی کی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ باقی ہو جو تشنہ چھوڑا گیا ہو۔

---

۵ سرسید احمد خاں، مقالات سرسید، حصۂ شانزدھم، ص ۳۴۶، مطبوعہ لاہور

مولانا فضل حق خیرآبادی

جنگ آزادی کے ہیرو ہی نہیں ایک بڑے عالم بھی تھے

تحریر: سیّد انیس فاطمہ بریلوی

مولانا فضل حق خیرآبادی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ہیرو تھے، اپنے دور کے علامہ وقت اور علوم مروجہ میں امام تھے، ایک طرف صدر الصدور کے عہدۂ عظمیٰ پر فائز تھے دوسری طرف سلف الصالحین کی طرز پر علوم معقول کا درس پابندی کے ساتھ دیتے تھے. مولوی فضل حق خیرآبادی نے بڑی کامیاب زندگی گزاری، اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں ریذیڈنسی میں سررشتہ دار تھے آخری فرمانروائے ہند سے مخلصانہ تعلقات تھے. اس زمانہ میں سیاسی اعتبار سے اگرچہ سلطنت مغلیہ آخری سانس لے رہی تھی اور مجموعی طور پر مسلمانان ہند تباہی و تنزل کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن دہلی میں ارباب کمال کا بڑا مجمع تھا، مولوی فضل حق کے ہم عصر خود اپنی اپنی جگہ یگانۂ روزگار اور منفرد لوگ تھے یہ لوگ حقیقتاً علم کا پہاڑ تھے. مثلاً مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مولوی امام بخش صہبائی شہید، مولوی عبداللہ علوی، حکیم مومن خاں مومن، نواب مرزا اسداللہ خاں غالب، نواب ضیاالدین خاں نیر، شاہ نصیرالدین نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم آغاجاں عیش، حافظ عبدالرحمٰن احسان، میر حسین تسکین وغیرہم

مولانا بہ سلسلۂ ملازمت عرصہ دراز تک جھجر سے وابستہ رہے، اس کے بعد مہاراجہ الور نے ازراہِ قدردانی طلب فرمایا. نواب ٹونک کے یہاں بھی تھوڑے دن قیام رہا البتہ ریاست رام پور میں آپ کا کافی عرصہ ٹھہرنا ہوا نواب محمد سعید خاں اور نواب کلب علی خاں آپ کے بڑے قدردان تھے، نواب آپ کے شاگرد بھی تھے محکمہ نظامت و مرافعہ عدالت سے آپ منسلک ہو گئے ۸-۱۰ سال بعد لکھنؤ صدر الصدور ہو کر پہنچے.

مولانا کی حاضر دماغی کا یہ عالم تھا کہ شطرنج کھیلتے اور حقہ نوشی کے دوران اوق کتابوں کا سبق دیتے جاتے تھے. علامہ کو عربی نثر و نظم پر بڑی قدرت تھی جس کا اعلیٰ درجے کا نمونہ قصیدہ عذریہ کتابی شکل میں موجود ہے.

مولانا فضل حق فرقتی تخلص کرتے تھے. مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی مرحوم و مغفور غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے مولوی فضل حق پر بسوط مقالہ لکھ کر مجلس مصنفین علیگڑھ میں پڑھا یہ غالباً ۱۹۴۰ء کی بات ہے اور سیّد الطاف علی بریلوی نے اپنے رسالہ مصنف میں اسے شائع کیا. افسوس ہے کہ مولانا فضل حق کے سلسلے میں جتنے کام کی ضرورت ہے اتنا نہ ہو سکا ہے.

مولانا فضل حق شعر گوئی کے ساتھ ساتھ سخن فہمی میں بھی درجہ کمال رکھتے تھے، مولانا محمد حسین آزاد کے بقول

دیوان غالب کے انتخاب میں ان کا مشورہ شامل تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے کے جرم میں گرفتار کرلئے گئے۔ مقدمہ چلا مولانا نے معرکتہ الآرا بحث کی۔ لیکن مولانا کو حبس دوام کی سزا دی گئی وہاں مولانا کے سپرد باغ میں کمیرے کا کام کیا گیا مٹی ڈھونا محنت مشقت کرنا اور صبر و شکر کے ساتھ وقت گزارنا، یہ مولانا کا وطیرہ بن گیا تھا۔

پروانہ رہائی اور انتقال

علامہ کے صاحبزادہ شمس العلما مولوی عبدالحق خیرآبادی اور منشی غلام غوث بے خبر، خان بہادر ذوالقدر، میر منشی لفٹینینٹ مغربی صوبہ اودھ کی کوشش سے مولانا کی رہائی کی صورت نکلی۔ مولوی عبدالحق باپ کی رہائی کا پروانہ لے کر بذات خود انڈمان پہنچے۔ جہاز سے اُترے تو معلوم ہوا کہ مولانا فضل حق کا انتقال ہو گیا۔ صاحبزادہ موصوف دل مسوس کرہ گئے۔

مولوی عبدالحق اپنے والد کی طرح علوم عقلیہ میں جملہ معاصرین سے بڑھے ہوئے تھے نواب کلب علی خاں والئ رام پور بڑے علم دوست تھے۔ ان کے ساتھ علامہ نے بڑے آرام کی زندگی گزاری۔ آخر میں قصید غدریہ کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔

تمہید : میری یہ کتاب ایک دل شکستہ نقصان رسیدہ حسرت کشیدہ، مصیبت زدہ انسان کی کتاب ہے جو اب تھوڑی سی تکلیف کی بھی طاقت نہیں رکھتا اپنے رب سے جس سب کچھ آسان ہے مصیبت سے نجات کا امیدوار ہے جو ابتدائے عمر سے عیش و فراغت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود اب محبوس دام ظلم اور تباہ شدہ ہے اور مقبول دعا کے ذریعہ ازالہ کرب کا خدا سے طالب ہے، وہ بڑی مشکلات میں اور ترش رو ظالموں کے ہاتھوں میں گرفتار ہے اسے اچھے اور عمدہ لباس سے معرّا کر کے غم و حزن کی وادیوں اور تنگ و تاریک قید خانوں میں ڈال دیا۔ جو سیاہ فتنوں کے مراکز ہیں وہ سخت دل اُچکے ظالم افراد (یعنی انگریز) پر نظر کرتے ہوئے اپنی رہائی سے مایوس ہے لیکن اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہے۔ وہ ایک سیدھا سادھا، نرم خو، مریض و کمزور ہوتے ہوئے شدید بد فطرت کی قید میں ہے اور ظالم و جابر بدخو و بدکردار کے مظالم سے حیران و پریشان ہے وہ بڑا ہی آفت رسیدہ ہے۔

ظالم انگریز کی قید

وہ ایسا مضطر و محتاج ہے جو سخت عذاب و احتباس میں مبتلا ہو چکا ہے۔ جو سفید منہ، سیاہ دل، کنجی آنکھ ترش رو، گندم گوں بال، متلون مزاج انسان کی قید میں آچکا ہے۔ جس کو اپنا عمدہ لباس اتار کر موٹا اور سخت لباس پہنا دیا گیا ہے۔ جو اس وقت مجبور و عاجز ہے اور اپنے رب سے لو لگائے ہوئے ہے۔ اپنے تمام اعزا و اقارب سے دور

بہت دور ہے!

یک طرفہ فیصلہ

مدعی اور منازع کے بغیر اس پر فیصلہ صادر کر دیا گیا، وہ اپنے ہم نشینوں اور خادموں کے سامنے شرمندہ ہے اس کے بازوؤں کو سخت تصادم سے ریزہ ریزہ کر دیا گیا ہے۔ اپنی زمین و شہر سے جلاوطن اور اہل وعیال سے دور کر دیا گیا ہے یہ سارا ظلم وستم ظالموں نے کیا ہے اسے اور اس کے اہل وعیال کو درندوں کی جھاڑیوں میں چھوڑ دیا گیا ہے اُسے قید کر کے ہر ممکن مصیبت پہنچائی گئی ہے اس کا قصور صرف ایمان واسلام پر مضبوطی سے قائم رہنا اور ان ظالموں کا مقصد اس درس کو مٹانا اور علم کے جھنڈے کو گرانا ہے۔ وہ کاغذ وصحیفہ سے نام ونشان تک مٹانا چاہتے ہیں، یہ سب کچھ اس حادثہ فاجعہ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء) کی وجہ سے ہوا جس نے آبادیوں کو ویران اور مصیبتوں کی سرزمین (جزیرہ انڈمان) کو شاداب بنا دیا ہے۔

مولانا ۱۲؍صفر ۱۲۷۸ھ؍۱۸۶۱ء کو مالک حقیقی سے جا ملے۔

بقیہ: صفحہ ۱۸۵ سے آگے

سے اِدھر مارے پھرتے تھے"۔[۱]

اور یہی محمود الرحمٰن لکھتے ہیں۔

"مولانا کے عزیز ان کی رہائی کے لئے کوشش کر رہے تھے اور آخر کامیاب ہو گئے ان کے لڑکے مولوی شمس الحق خیر آبادی آزادی کا پروانہ لے کر انڈیمان روانہ ہو گئے وہاں جہاز سے اُترے شہر میں گئے، دیکھا کہ سامنے سے ایک جنازہ چلا آتا ہے دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا:

مولانا فضل حق خیر آبادی کا جنازہ ہے آج ان کا انتقال ہو گیا ہے، انہیں دفن کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ بیٹا بھی باپ کے جنازے میں شریک ہو گیا"۔[۲]

حضرت علامہ خیر آبادی علیہ الرحمت نے جو علمی اور حربی کردار ادا کیا جسے دیکھ کر مخالف بھی آپ کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گئے۔

---

[۲] محمود الرحمٰن، آزادی کے چراغ، ص ۳۵، مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

مولانا خیرآبادی مخالفین کی نظر میں

اسد نظامی

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمت کی وہ شخصیت تھی کہ جن کے علمی اور حربی کمالات کا اعتراف اغیار کو بھی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں دارالندوہ کے مشہور راہنما شبلی ندوی کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

"مرحوم کے جانشین، صاحبزادہ اور شاگرد مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی تھے جن کے دم عیسوی نے معقولات میں وہ روح پھونکی کہ ابن سینائے وقت مشہور ہوئے۔ دیار و اطراف سے طلبا نے ان کی طرف رجوع کیا اور منطق و فلسفہ کو نئے طور سے ملک میں رواج دیا"[1]

شبلی ندوی جو سرسید احمد خاں نکر کے ناقوس تصور کئے جاتے ہیں۔ آپ کی تصانیف کے بارے میں انہیں شبلی کی آرا ملاخطہ ہو۔

"شروح و حواشی کی بڑی بڑی کتابیں جو متاخرین کی تاریخ طبع ہیں داخل درس ہوئیں، فلسفہ میں ہدیہ سعیدیہ اور شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ کتابیں عربی طلبا کی تعلیم کے لئے لکھیں اور مقبول عام ہوئیں"[2]

شبلی ندوی کے شاگرد سلیمان ندوی "حیات شبلی" کے حاشیہ میں آپ کے متعلق لکھتے ہے۔

"اور خود مولانا فضل حق صاحب نے یہ فیض حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دھلوی سے حاصل کیا تھا"[3]

حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دھلوی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کے اجل تلامذہ میں سے تھے اور تمام علوم و فنون آپ نے اپنے والد ماجد مولانا فضل امام

---

[1] شبلی ندوی، حیات شبلی، ص ۲۲، مطبوعہ دارالندوہ اعظم گڑھ

[2] شبلی ندوی، حیات شبلی، ص ۲۳، مطبوعہ دارالندوہ اعظم گڑھ

[3] سلیمان ندوی، حیات شبلی، ص ۸۰، مطبوعہ دارالندوہ اعظم گڑھ

خیرآبادی علیہ الرحمت اور حضرت شاہ صاحب سے حاصل کیا رحمان علی کاکوری آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں

"مولوی فضل حق خیرآبادی عمری حنفی ماتریدی چشتی در سال دوازدہ صدر دوازدہ ہجری ولادت یافتہ شاگرد پدر خود مولوی فضل امام است"۔ [۵۴]

سرسید احمد خاں حضرت مولانا فضل امام خیرآبادی علیہ الرحمت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"علامہ فضل حق نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انگریزوں کیخلاف سخت حصہ لیا جس کے نتیجے میں گرفتار کرکے کالے پانی بھیج دیئے گئے جہاں اس فاضل اجل عالم بے بدل نہایت کسمپرسی بے بسی اور لاچاری کی حالت میں ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء کو انتقال کیا اور علم و دانش اور فضل و ہنر کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا"۔ [۱]

حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے متعلق سرسید احمد خاں کی آراء کے بعد مشہور وہابی ترجمان اخبار الاعتصام لاہور کا ایڈیٹوریل ملاحظہ ہو۔

"مولانا فضل حق اپنے عصر کی ممتاز شخصیت تھے، بہت بڑے عالم تھے، درس و تدریس میں یگانہ روزگار تھے، معقولات پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ سیاسیات سے کنارہ کش رہتے تھے لیکن انگریز کی مخالفت کے بعض محرکات و اسباب ان کو بھی میدان میں لے آئے، بڑی مدلل اور مبرہن گفتگو کرتے تھے۔ انگریز کیخلاف لڑائی کے حق میں علماء نے جو فتویٰ دیا تھا اس کا مضمون انہیں نے تیار کیا تھا۔ گرفتاری کے بعد انہیں عبور دریائے شور کی سزا دی گئی جہاں انہوں نے ۱۹ اگست ۱۸۶۱ء (۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ) کو داعی اجل کو لبیک کہا"۔ [۲]

---

[۵۴] رحمان علی کاکوری، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۶۴، مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ

[۱] سرسید احمد خاں، مقالات سرسید حصہ شانزدھم، ص ۲۲۰، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور

مدیر الاعتصام محمد اسحاق نے اسی مضمون کے آخر میں حضرت مولانا خیرآبادی کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

"حاشیہ شرح مسلم، الهدیۃ السعدیہ، رسالہ علم و معلوم
الثورۃ الہندیہ رسالہ تشکیک ماہیات، افتارع نظر وغیرہ متعدد
کتابیں انہیں کی تصنیفات ہیں"۔ [۳]

آپ کے بارے میں بزمی انصاری رقمطراز ہیں۔

"۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت ہوئی تو مولوی
فضل حق نے اس بغاوت میں نمایاں حصہ لیا، بغاوت کے الزام
میں ان پر مقدمہ چلا اور عمر قید کی سزا پائی"۔ [۴]

بزمی انصاری نے حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کا ذکر مجاہدین آزادی کے سرخیل مجاہدین میں کیا ہے۔ رئیس احمد جعفری حضرت علامہ کے حربی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مولانا فضل حق خیرآبادی علمی قابلیت میں نظیر نہیں رکھتے تھے
ان کو جہاد کی پاداش اور جرم بغاوت میں انڈمان بھیج دیا گیا"۔ [۵]

رئیس احمد جعفری سرسید فکر کے فدائیں میں سے تھے۔ مگر اس کے باوجود جب حضرت علامہ خیرآبادی کا ذکر آیا تو انہوں نے بہترین الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ مفتی انتظام اللہ شہابی حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ہنگامہ ۱۸۵۷ء رونما ہوا، مولانا فضل حق الور سے دلی آئے، جنرل
بخت خاں نے نقشہ اقتدار جما رکھا تھا، استفتار مولانا نے لکھا
مفتی صاحب و دیگر علماء نے فتویٰ دیا۔ مولانا فضل حق کو اقرار جرم پر
انڈمان جانا پڑا"۔ [۶]

---

[۲] محمد اسحاق ایڈیٹر الاعتصام، ص ۳، ۲۳ شوال ۱۳۷۶ھ تحریک آزادی نمبر ۱۸۵۷ء لاہور
[۳] محمد اسحاق ایڈیٹر الاعتصام، ص ۴، ۲۳ شوال ۱۳۷۶ھ تحریک آزادی نمبر ۱۸۵۷ء لاہور
[۴] بزمی انصاری، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد نمبر ۱۵، ص ۲۷۵، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور
[۵] رئیس احمد جعفری، بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، ص ۳۱۵ مطبوعہ لاہور
[۶] انتظام امور شہابی، غدر کے چند علماء، ص ۴۸، مطبوعہ دہلی۔

محمد اسحاق مدیر الاعتصام لاہور نے الاعتصام تحریک آزادی نمبر ۱۸۵۷ء میں حضرت علامہ خیر آبادی کو فرنگی استبداد کے خلاف جدوجہد کرنے والوں میں سے قرار دیا۔ اور اسی مضمون میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی، حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی کا بھی ذکر کیا اور اس مضمون میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

"یہ حضرات اپنی اپنی جگہ بغایت معزز و محترم تھے، اخلاص و للہیت کے اعتبار سے اُن کا درجہ بہت اُونچا تھا یہ انگریز کے اجنبی اقتدار کے سخت ترین مخالف تھے"۔ ۳

اور اسی جنگ آزادی نمبر میں مولانا داؤد غزنوی کا ایک مضمون شائع ہوا جن میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں

"علماء نے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کو جہاد قرار دیا اور اس کے لئے فتویٰ مرتب کیا اور تحریک ناکام ہو جانے کے بعد پھانسی جلاوطنی عبور دریائے شور اور عمر قید کی سزائیں خندہ پیشانی سے بھگتیں"۔ ۴

محمد داؤد غزنوی سرپرست مدرسہ غزنویہ لاہور کے اعتراف کے بعد اب محمد اسماعیل (گوجرانوالہ) کا حضرت علامہ خیر آبادی کے بارے میں مضمون پڑھیے۔

"خیر آبادی خاندان مخالف کیمپ میں زیادہ دور اندیش نکتہ رس واقع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ انگریز کی عیاریوں سے بتدریج واقف ہو چکا تھا"۔ ۵

اور اسی محمد اسماعیل (گوجرانوالہ) کا مضمون حضرت علامہ خیر آبادی کے بارے میں پڑھیے۔

"مولانا عالم ہونے کے علاوہ بڑی امیرانہ زندگی کے عادی تھے وہ دور اندیش تھے۔ انگریز کے مزاج اور سخت گیری کو بھی سمجھتے تھے، بہادر شاہ کی کمزوری سے بھی آگاہ تھے وہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی کامیابی کے متعلق چنداں پُرامید نہ تھے تاہم وہ بہادر شاہ سے

---

۳ محمد اسحاق، الاعتصام لاہور جنگ آزادی نمبر، ص ۳، ۲۴ مئی ۱۹۵۷ء

۴ محمد داؤد غزنوی، الاعتصام لاہور جنگ آزادی نمبر، ص ۹، ۲۴ مئی ۱۹۵۷ء

۵ محمد اسماعیل، الاعتصام ۱۸۵۷ء نمبر، ص ۱۲، ۲۴ مئی ۱۹۵۷ء

ملے، جہاد کا فتویٰ مرتب کرنے میں علما کی مدد فرمائی بمناسب الفاظ
میں انگریزی مظالم کی تنقیص فرماتے رہے، اس کی پاداش میں مولانا
پر مقدمہ بنایا گیا اور مولانا کو عمر قید بعبور دریائے شور دی گئی
مولانا کا انتقال جزیرہ انڈیمان میں ہوا۔ مولانا کے صاحبزادے
شمس العلما مولوی عبدالحق صاحب مولانا کی رہائی کا حکم لے کر
جب انڈیمان پہنچے تو ایک بہت بڑا جنازہ جا رہا تھا، جنازہ
مولانا فضل حق خیرآبادی کا تھا۔ جو ہمیشہ کے لئے انگریزی مظالم
سے نجات حاصل کرکے جنت کے لئے رخصتِ سفر باندھ چکے
تھے۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ بیٹا کس طرح والد کے جنازہ میں شریک
ہوا"۔ ۲

محمد اسماعیل (گوجرانوالہ) نے حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کا جس انداز میں ذکر کیا ہے وہ بجا ہے مگر آجکل اس مکتب فکر کے ہمنوا حضرت علامہ خیرآبادی پر تصنیق و تضلیل کا الزام جو عائد کر رہے ہیں وہ واقعی قابل مذمت ہے کیونکہ کل تک تو یہ لوگ حضرت علامہ خیرآبادی کی حربی اور دینی خدمات کو سراہتے تھے مگر نہ معلوم یک لخت ان کا زاویۂ فکر کیسے بدل گیا۔

کبھی حیات کی ضامن کبھی وسیلۂ مرگ نگاہِ دوست تیرا کوئی اعتبار نہیں

منشی محمد جعفر تھانیسری مصنف سوانح احمدی کا بیان ملاحظہ کیجئے۔

"مولوی فضل حق معقول خیرآبادی جو اس زمانے میں حاکمِ اعلیٰ
شہر دہلی کے سررشتہ دار اور علم منطق کے پتلے اور افلاطون
و بقراط کی غلطیوں کی تصیح کرنے والے تھے"۔ ۱

مصنف آب حیات محمد حسین آزاد کی حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمت سے مخالفت بے مقصد ہے۔ کیونکہ کہاں حضرت علامہ خیرآبادی اور کہاں برطانوی حکمرانوں کا ملازم، پروفیسر محمد سلیم "چشتی" محمد حسین آزاد کی حضرت مولانا خیرآبادی پر الزام تراشی کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے

---

۲ محمد اسماعیل، الاعتصام ۱۸۵۷ء نمبر، ص ۱۳، ۲۴ مئی ۱۹۵۷ء

۱ منشی محمد جعفر تھانیسری، حیات طیبہ، ص ، مطبوعہ فاروقی دہلی

"جب تک فضل حق شامل نہ ہو انسان مولانا فضل حق کے مرتبہ سے آگاہ نہیں ہو سکتا"۔ [۲]

سرسید فکر کے ترجمان رئیس احمد جعفری آپ کی حربی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مولانا فضل حق خیر آبادی علمی قابلیت میں نظیر نہیں رکھتے تھے ان کو فتویٰ جہاد کی پاداش اور جرم بغاوت میں انڈیمان بھیجدیا گیا"۔ [۳]

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی حضرت علامہ خیر آبادی علیہ الرحمتہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"(علامہ فضل حق نے) ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انگریزوں کے خلاف سخت حصّہ لیا جس کے نتیجے میں گرفتار کر کے کالے پانی بھیج دیئے گئے، جہاں اس فاضل اجل عالم بے بدل نہایت کسمپرسی بے بسی اور لاچاری کی حالت میں ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء کو انتقال کیا اور علم و دانش اور فضل و ہنر کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا"۔ [۴]

حضرت خیر آبادی انگریزی تسلط، اسماعیل دہلوی کی فرنگیوں سے ملی بھگت کے خلاف تھے اور آپ یہ بخوبی جانتے تھے کہ فرنگی تسلط، انگریزوں کے پاسداری دین فطرت کے بالکل منافی ہے، دیوبندی اور وہابی مذہب کے ترجمان غلام رسول مہر حضرت علامہ کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"مولانا (فضل حق خیر آبادی) کے دہلی پہنچنے سے پیشتر بھی لوگوں نے جہاد کا پرچم بلند کر رکھا تھا، مولانا پہنچے تو مسلمانوں کو جنگ آزادی پر آمادہ کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک فتویٰ مرتب ہوا۔ جس پر علمأ دہلی کے دستخط لئے گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ مولانا فضل حق ہی کے مشورے سے تیار ہوا تھا اور انہی نے علمأ کے نام تجویز کئے جن پر دستخط لئے گئے"۔ [۱]

---

[۲] محمد یوسف سلیم لاہوری، مقدمہ شرح دیوانِ غالب، ص ۱۰۰ مطبوعہ لاہور

[۳] رئیس احمد جعفری، بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، ص ۳۱۵ مطبوعہ لاہور

[۴] شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، حاشیہ مقالات سرسید حصہ شانزدھم، ص ۳۳۰

[۱] غلام رسول مہر، ۱۸۵۷ء کے مجاہد، ص ۲۰۶، مطبوعہ لاہور

غلام رسول مہر کی تحریر کے بعد اب شکور احسن صاحب کا مضمون ملاحظہ فرمایئے۔

"جب برطانوی استعمار کے خلاف ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہوا تو بعض شاعروں، ادیبوں اور عالموں نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا اور انگریزی حکومت کا اقتدار بحال ہو جانے کے بعد ان پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مولانا فضل حق کو جہاد کا فتویٰ صادر کرنے کے جرم میں انڈیمان بھیجا گیا۔" ؎۲

دارالندوہ کے مشہور ترجمان مسعود عالم ندوی حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ۱۲۵۶ھ ۱۳۳۸ھ نے سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور حد یہ کہ وقت کے بعض مشہور حنفی علماء (مولانا فضل حق خیرآبادی اسیر انڈیمان متوفی ۱۲۷۸ھ) اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکہ (ف ۱۳۱۹ھ) وغیرہم) کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دیئے۔" ؎۳

محمد حسین بٹالوی حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی اور حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی کو انگریزوں سے بغاوت و مخالفت کرنے کے طعنے کیوں نہ دیتے۔ کیونکہ بٹالوی صاحب تو خود برطانوی استعمار کے زبردست حامی تھے۔ بہرحال یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت علامہ خیرآبادی انگریزوں کے حامی نہیں بلکہ زبردست مخالف تھے۔ مجاہد الحسینی دیوبندی ایڈیٹر روزنامہ نوائے پاکستان حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان لوگوں پر اظہار افسوس کرتے ہوئے جنہوں نے آپ کے کارناموں کو نظرانداز کر دیا لکھا ہے

"۱۸۵۷ء کی جدوجہد میں شریک ہونے والوں میں سپاہی بھی تھے اور عالم بھی۔ سپاہیوں نے اپنی تلوار سے جہاد کیا اور علماء نے اپنے علم کو غلامی سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا، افسوس یہ ہے کہ غیر ملکی اقتدار نے ان کے کارناموں کو ایسا مسخ کیا ہے کہ اب انہیں

؎۲ شکور احسن، ماہنامہ خیال لاہور سن شادون نمبر، ص ۲۶۸، بابت مئی ۱۹۵۷ء

؎۳ مسعود عالم ندوی، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص ۲۷، مطبوعہ دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن۔

صحیح رنگ روپ میں پیش آنا ایک بڑا مشکل مسئلہ بن گیا ہے
مولانا فضل حق خیرآبادی بھی جن کا علم و فضل آج بھی ضرب المثل
ہے۔ جنگ آزادی میں اسی نوعیت سے شریک تھے جیسے دوسرے
ممتاز اکابر۔"[۱]

مجاہد الحسینی کا یہ اظہار افسوس بجا ہے کہ حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے حربی کارناموں کو دانستہ طور پر نظرانداز کر دیا گیا، اور اسی مجاہد الحسینی کے ہم عقیدہ مستقیم احسن حامدی فاضل دیوبند اپنے ایک مضمون میں حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"مولانا فضل حق خیرآبادی بھی "باغی" قرار دیئے گئے سلطنت
مغلیہ کی وفاداری، فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا
ماخوذ کر کے سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔"[۲]

محمد اسماعیل ذبیح (غیر مقلد) اپنے ایک مضمون بعنوان بھولی ہوئی کہانیاں میں حضرت مولانا خیرآبادی علیہ الرحمت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ہندوستان کی یہ انقلابی تحریک سراسر ایک غیر فرقہ وارانہ تحریک
تھی اس کا آغاز علمائے حق کے خون سے ہوا تھا۔ مولانا خیرآبادی اس
کے ہراول تھے۔"[۳]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تحریک کے بانی مبانی حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت تھے کہ جس نے دہلی کی لال قلعہ کے قریب بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں میں جمعہ کے روز کھڑے ہوئے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ پڑھ کر سنایا جس سے انگریزوں اور ان کے پرستاروں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور انگریزوں نے آپ کو گرفتار کر کے لکھنؤ کے قلعہ میں آپ پر مقدمہ بجرم بغاوت چلایا گیا آپ کے اعتراف حق کی بنا پر آپ کو کالے پانی (انڈیمان) بھیجا گیا، مجاہد الحسینی کے مضمون کے آخری الفاظ ہیں۔

"علامہ فضل حق کو بھی باغی قرار دیا گیا۔ اسیر فرنگ ہو کر بند ہوئے

---

[۱] مجاہد الحسینی، روزنامہ اخبار نوائے پاکستان، لاہور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر، ص ۱۱۱، ۲ مئی ۱۹۵۷ء

[۲] مستقیم احسن حامدی، ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ص ۱۰، ۲۲ نومبر ۱۹۶۲ء

[۳] محمد اسماعیل ذبیح، ہفت روزہ چٹان لاہور، ص ۱۷، ۶ فروری ۱۹۷۰ء

اور جزیرہ انڈیمان میں ہی وفات پائی"۔ [1]

ماہر القادری ایڈیٹر ماہنامہ فاران کراچی حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کے متعلق حکیم احسن احمد خاں کی کتاب "میموئرس" کے حوالے سے لکھتا ہے۔

"مولوی صاحب (مولانا فضل حق خیرآبادی) جب بھی بادشاہ سے ملتے وہ بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جنگ کے سلسلہ میں رعایا کی ہمت افزائی کریں اور باہر (محاذ پر) نکلیں، دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں"۔ [2]

حکیم احسن اللہ خاں کے اس بیان پر ماہر القادری کا تبصرہ ملاحظہ ہو۔

"یہ دلائل اتنے قوی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا فضل حق خیرآبادی ۱۸۵۷ء کے جہاد یا جنگ آزادی سے غیر متعلق نہیں رہے پھر ادھر میں انگریزوں کے خلاف مولانا فضل حق خیرآبادی کی مجاہدانہ سرگرمیاں تو ان کے مخالفین اور موافقین سب کے نزدیک مسلم ہیں! اور انگریزوں سے بغاوت کے جرم میں مولانا کو جلاوطنی کی سزا ملی تھی غدر کے بارے میں مولانا کی نثری تحریروں اور قصائد سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جنگ آزادی میں مناسب ہدائیتیں اور مشورے دیتے رہے اور تھک کر بیٹھنے والوں کو مسلسل ہمت دلاتے رہے"۔ [3]

ماہر القادری کا تبصرہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ حضرت علامہ خیرآبادی علیہ الرحمت کی سرفروشانہ جدوجہد کس قدر ارفع و اعلیٰ تھی آپ کا جذبۂ جہاد کس قدر ہمت افزا تھا جسے مجاہدین دیکھ کر آگے بڑھے۔ فرنگی افواج کے سامنے نبرد آزما ہو گئے۔

عشرت رحمانی اپنی کتاب سن ستاون میں جنرل بخت خاں مفتی صدرالدین آزردہ حضرت مولانا امام بخش صہبائی۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ اور حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہم الرحمتہ کے ملکی سالمیت فرنگی ازم

---

[1] مجاہد الحسینی، اخبار نوائے پاکستان ۱۸۵۷ء جنگ آزادی، ص ۱۱، ۱۲ مئی ۱۹۵۷ء

[2] ماہر القادری فاران کراچی، ص ۴۰، جولائی ۱۹۷۵ء بحوالہ میموئرس حکیم احسن اللہ خاں

[3] ماہر القادری فاران کراچی، ص ۴۰، جولائی ۱۹۷۵ء بحوالہ میموئرس حکیم احسن اللہ خاں

کے خلاف محفل حربیہ کا ذکر کیا ہے جو حضرت علامہ کی گفتگو کے الفاظ یہ ہیں۔

"فضل حق" نواب صاحب موجودہ حالات بڑی حد تک غازیوں
کے حق میں ہیں۔ خدا مشکل آسان کرے اور ان فرنگیوں سے جان بخشے
جنرل بخت خاں کی بروقت آمد تو اس کی مصداق ہے کہ ع
مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"۔ ؎۱

عشرت رحمانی کے پیش کردہ حوالہ کے بعد احمد حسن کمال سرپرست دیوبندی جماعت جمیعۃ علمائے اسلام لاہور نے اپنی کتاب علمائے حق میں حضرت علامہ خیر آبادی علیہ الرحمت کے متعلق ہے۔

"مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی، علامہ فضل حق خیر آبادی
قاضی عنایت علی صاحب بھی اس جنگ آزادی کے ہیروؤں میں
شامل تھے۔ جنہیں آخر میں کالے پانی کی سزا دی گئی"۔ ؎۲

محمود الرحمٰن اپنی کتاب آزادی کے مجاہد میں حضرت علامہ خیر آباد علیہ الرحمت کی مغلیہ خاندان سے تعلقداری اور انگریزی حکمران کے خلاف عامۃ الناس کو اکسانے کے جرم میں گرفتار کئے جانے کا ذکر کیا ہے۔

"۱۸۵۹ء میں مولانا فضل حق خیر آبادی کو مغلیہ حکومت کی وفاداری
اور انگریزوں کے خلاف "بغاوت" میں شریک ہونے کے الزام میں گرفتار
کر لیا گیا"۔ ؎۳

جب آپ کو گرفتار کر کے جزیرہ انڈیمان بھیجا گیا تو آپ سے مشقت بہت زیادہ لی جاتی تھی حتیٰ کہ جیل کی وارڈوں میں جاروب کشی تک کا کام لیا جاتا رہا جسے محمود الرحمٰن کی زبانی سماعت کیجئے۔

"چنانچہ عدالت نے حبس دوام کا حکم سنایا اور انہیں جزیرہ
انڈیمان بھیج دیا گیا یہ کلکتہ سے ۶۰۰ میل دور خلیج بنگال کے مشرق
میں واقع ہے، اسے کالا پانی بھی کہا جاتا ہے۔ مولانا کو وہاں بہت
ہی گندا کام کرنا پڑتا تھا۔ دن بھر کوڑے کی ٹوکری اٹھائے ادھر

(باقی برصفحہ ۱۸۷)

؎۱ عشرت رحمانی، سن ستاون، ص ۲۱۵، مطبوعہ گوشۂ ادب چوک انار کلی لاہور
؎۲ احمد حسین کمال، علمائے حق، ص ۳۴، مطبوعہ دفتر جمیعۃ علمائے اسلام ملتان
؎۳ محمود الرحمٰن، آزادی کے مجاہد، ص ۳۵، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام

محمد صادق قصوری

مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کا ایک نامور شاگرد

مجاہد کبیر حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ مگر افسوس کہ ان کی فہرست مرتب نہیں کی گئی۔ ورنہ دُنیا دیکھتی کہ آسمانِ علم وفضل کے کتنے ستاروں نے آفتاب و ماہتاب منقولات و معقولات سے روشنی حاصل کر کے کفرزارِ ہند کو بُقعۂ نُور بنایا۔ چند مشہور شاگرد جو اپنے وقت کے امام الفن تھے اور تاریخ کے صفحات میں محفوظ و مامون ہیں، حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ شمس العلماء مولانا محمد عبدالحق خیر آبادی (فرزند ارجمند مولانا فضل حق خیر آبادیؒ)

۲۔ مولانا ہدایت اللہ جونپوری (استاد مولانا سید سلیمان اشرفؒ سابق صدر شعبہ دینیات مُسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

۳۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری (استاد علامہ شبلی و امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ، علی پوری)

۴۔ مولانا جمیل احمدؒ

۵۔ مولانا سلطان احمدؒ بریلوی

۶۔ مولانا عبداللہ بلگرامی

۷۔ مولانا عبدالقادر بدایونی

۸۔ مولانا شاہ عبدالحق کانپوری

۹۔ مولانا ہدایت علی بریلوی (استاد مولانا فضل حق رامپوری)

۱۰۔ مولانا غلام قادر (سبط مولانا فضل امام خیر آبادی

۱۱۔ مولانا خیر الدین (والد مولانا ابو الکلام آزاد

آج کی محفل میں ہمیں صرف مولانا فیض الحسن سہارن پوری کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

جن کے علم و فضل کا ڈنکا اکناف و اطرافِ عالم میں بجا اور آج بھی ان کے علمی ذ رث عالمِ اسلام کو فیوض و برکات سے مالا مال کر رہے ہیں، اور کرتے رہیں گے
مولانا فیض الحسن کی ولادت باسعادت ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۶ء میں محلہ شاہ ولایت سہارن پور (یو۔پی بھارت) میں ایک زمیندار گھرانے میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا اسمِ مبارک خلیفہ علی بخش بن خدا بخش بن قلندر بخش اور والدہ محترمہ کا اسمِ گرامی فیض النساء تھا۔ علم دوست ہونے کی وجہ سے اس خاندان کے افراد کو لوگ "خلیفہ" کہتے تھے۔ آپ نے اپنی بعض کتابوں میں اپنے نام کے ساتھ "قریشی، حنفی، چشتی" کا اضافہ بھی کیا ہے۔

آپ کے والدِ گرامی خلیفہ علی بخش فہم و ذکاء کی دولت سے مالا مال تھے۔ حافظہ بلا کا پایا تھا۔ زود نویسی میں حیرت انگیز مشق تھی۔ حافظ قرآن بھی تھے۔ عربی، فارسی کے زبردست فاضل تھے۔ بخاری شریف کو ایک ماہ میں لکھ لیا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ تین سطریں پڑھ لیتا ہوں اور لکھ لیتا ہوں۔ پھر جو لفظ قلم سے نکلتا ہے، مجھے یقین ہوتا ہے۔ کہ اس سے اگلا لفظ یہ ہوگا۔ یہ بات ان کی عربی دانی پر قوی دلیل ہے۔

مولانا فیض الحسن کا لڑکپن کھیل کود اور پتنگ بازی میں گذرا۔ آغازِ شباب میں پہلوانی کا شوق ہو گیا۔ اور شہر کے ایک پہلوان استاد معز الدین کے اکھاڑے میں جا کر ورزش کرنے لگے۔ تیرہ چودہ برس کی عمر تک اس مشغلہ کے سوا کوئی دوسرا ہنر نہ سیکھا۔ قدرت کو ان سے کچھ اور ہی کام لینا منظور تھا۔ چنانچہ اس کے اسباب پیدا ہو گئے۔ اور طبیعت پہلوانی سے خود بخود اکتا گئی۔ اس دوران میں آپ کے والد آپ کو چالیس جمعرات حضرت قطب شیر کے مزار پر لے جا کر حصولِ علم کے لئے دعا بھی کرتے رہے۔
جب غفلت کے پردے آنکھوں سے ہٹ گئے تو آپ تحصیلِ علم کی طرف

متوجہ ہوئے۔ دماغ تر و تازہ اور ذہن رسا تھا۔ باپ نے آپ کا شوق دیکھ کر فارسی گویا گھول کر پلا دی۔ اور عربی کی مروّجہ ابتدائی کتابیں بھی گھر ہی میں پڑھا دیں اُس کے بعد یہ حالت ہوئی کہ علم کی پیاس کسی طرح بجھتی ہی نہ تھی۔ چنانچہ آپ کے اس ذوق نے آپ کو دوسرے خرمنوں کی خوشہ چینی پر آمادہ کیا۔ اور فیض الحسن منطقی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اسی زمانہ میں محلہ شاہ ولایت کے ایک معزز گھرانے میں آپ کی شادی ہوئی۔ مگر عروسِ ادب کا خیال بہر عنوان غالب رہا۔ گھر بار چھوڑ کر دہلی گئے۔ کچھ مفتی صدرالدین آزردہ صدر الصدور سے اکتساب کیا۔ علم حدیث شاہ احمد سعید مجددی دہلوی سے پڑھا۔ آخون صاحب ولایتی سے حدیث کی سندِ فراغ حاصل کی۔ اور آخر میں امام معقولات حضرت مولانا فضل حق خیر آبادیؒ سے معقولات اور ادب کی کتابیں پڑھیں اور فلسفہ کی تکمیل کی۔ آپ کی ذہانت، قابلیت اور لیاقت کے پیشِ نظر حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے خصوصی نظر اور توجّہ سے نوازا۔ جس کی بدولت آپ فیض الحسن ادیب کے نام سے مشہور ہوئے۔ متذکرۃ الصدر چاروں اساتذہ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم تھے۔ جن کے درس کا شہرہ دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ مشق سخن مولوی امام بخش صہبائی سے کی۔ شیفتہ۔ مومن۔ غالبؔ سے صحبت رہی۔ طب شاہی طبیب حکیم امام الدین سے سیکھی۔

دہلی سے نکل کر مولانا فیض الحسن رامپور اور لکھنؤ گئے۔ اور وہاں کے اساتذہ کی صحبت میں کچھ وقت گزار کر فقہ، اصول، معانی اور منطق کی تعلیم حاصل کی۔ مگر تسلی و تشفی نہ ہوئی۔ واپس دہلی آکر باقی کسر پوری کی۔ اور وہیں درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ آٹھ نو برس کی لگاتار محنت کے بعد آپ کی شہرت یہاں تک پہنچی تھی۔ کہ ۱۸۴۶ء میں جب سر سید احمد خاں صدر امین کی حیثیت سے فتح پور سیکری سے بدل کر دہلی آئے۔ تو انھوں نے مقاماتِ حریری کے چند مقالے

اور سبعہ معلقہ کے چند قصیدے آپ سے پڑھے۔
اس وقت آپ کی عمر ۲۰ برس کی تھی۔

اس طرف مختلف چشمہ ہائے فیض سے شاد کام ہونے کے بعد مولانا فیض الحسن نے جملہ علومِ ادب، فقہ، اصول فقہ، حدیث اور طب میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ اور عربی ادب میں خاص طور سے امتیاز و اختصاص حاصل کیا۔ مولانا سے پیشتر نکتہ آفرینی کو اہمیت دی جاتی۔ اور متاخرین شعرائے عرب کو جن کا سرخیل متنبی ہے۔ شعرائے جاہلیت پر ترجیح دی جاتی تھی۔ مگر مولانا فیض الحسن نے متاخرین سے توجہ ہٹا کر طلبہ کو متقدمین شعرائے ادب کی طرف مائل کیا۔ جن کی سادہ اور بے تکلف شاعری تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہے۔ حماسہ کا درس پہلے پہل آپ ہی نے شروع کیا۔ اور حماسہ کی شرح فیضی کے نام سے ۱۲۹۴ھ میں شرح لکھی۔

۱۸۵۷ء کے پر آشوب زمانے میں آپ دہلی سے بچتے بچاتے سہارن پور پہنچے۔ اور اپنی کتابوں کا ذخیرہ اپنے استاد مفتی صدر الدین آزردہ کے سپرد کر آئے جو ان کے قیمتی کتب خانے کے ساتھ ضبط بحق سرکار ہو گیا۔ سہارن پور میں کچھ عرصہ طب کے ذریعہ بسر اوقات کی۔ مگر شایانِ شان قدر نہ ہوئی۔ اور آپ دل برداشتہ ہو گئے۔ چند روز علی گڑھ میں عربی کی بعض کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنے پر مامور ہوئے۔ مگر ان کا مرغ ہمت کسی بلند آشیانے کا طالب تھا۔ آخر ۲۷ ، ۱۷، اکتوبر ۱۸۷۰ء کو لاہور اورنٹیل کالج میں عربی کے پروفیسر ہو گئے۔
جب اورنٹیل کالج لاہور سے عربی زبان کا رسالہ شفار الصدور کا اجرا ہوا تو اس کی ادارت کے فرائض بھی مولانا فیض الحسن کے سپرد ہوتے۔ اخبار شفار الصدور کے ذریعے مولانا نے کالج کے ماحول کو علمی رنگ دیا۔ اپنے شاگردوں میں عربی تحریر و انشار کا ذوق پیدا کر دیا۔ اور آپ سے فیض حاصل کرنے والے آسمانِ علم و فضل پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

لاہور میں مولانا فیض الحسن پندرہ سولہ برس تک علوم شرقیہ کے پروفیسر رہے اور صدہا شاگردوں نے آپ سے فیض پایا۔ مولانا تعطیلات میں بھی درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ سہارنپور میں اکثر تفسیر کا درس دیا کرتے۔ یہ درس شہر کی جامع مسجد کی جنوبی سہ دری میں ہوتا تھا۔ اب یہ پرانی جامع مسجد کہلاتی ہے۔ مفتی محمد عبد اللہ ٹونکی۔ مولانا عبد العلی مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی اور مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی یہیں شریک درس ہوا کرتے تھے۔

قیام لاہور کے زمانے میں مولانا فیض الحسن مطب بھی کیا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک سال سخت ہیضہ پھیلا مولانا نے ایک دوا ایجاد کی، جو اس مرض کے لئے تیر بہدف ثابت ہوئی۔ مولانا کیتھے کی گولیاں رات کو پانی میں بھگو کر رکھتے تھے اور صبح وہ پانی مریضوں کو پلا دیتے تھے۔ اس دوا سے سینکڑوں آدمیوں کی جانیں بچ گیئں۔ اور اسی طرح فن طب میں بھی آپ کی شہرت ہوگئی۔ طب اور دوسرے علوم میں تبحر کی وجہ سے آپ کا تعلق بعض اسلامی ریاستوں سے بھی تھا چنانچہ رام پور، بھوپال اور بہاولپور کے رؤسا کبھی کبھی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔

مرشدی و مولائی سیدی وسندی حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ نے بھی اورنٹیل کالج لاہور میں داخل ہو کر مولانا سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ مولانا آپ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے اور حضرت بھی دیگر اساتذہ کی نسبت آپ سے زیادہ متاثر تھے۔ اور تازیست آپ پر مولانا کا علمی رنگ غالب رہا۔ اپنے مواعظ و ارشادات میں مولانا کا ذکر خیر بڑے ادب و احترام سے کیا کرتے تھے۔

مولانا کا رنگ سانولا، قد میانہ، جسم بھاری، چہرہ بڑا اور رعب دار، داڑھی گھنی اور سیدھی تھی۔ مولانا بہت سادگی پسند تھے۔ لباس بہت معمولی پہنتے تھے۔ اپنی لیاقت اور واقفیتِ علوم کسی پر نہ جتاتے۔ ابتدائے ہوش

سے نماز روزہ کے پابند تھے۔ کھانوں میں کھچڑی اور پھلوں میں آم اور خربوزے بہت مرغوب تھے۔ بیحد وضعدار اور ملنسار تھے۔ جب کبھی پردیس سے وطن واپس ہوتے تو تمام اقربا سے ملتے جاتے۔ ایک ایک کا حال پوچھتے۔ اور مزاج پرسی کرتے۔

مولانا نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پر بیعت کی تھی۔ آپ نے بیعت ہوتے وقت حضرت حاجی صاحب سے یہ کہا تھا کہ دو شرط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ کبھی نذرانہ نہ دوں گا۔ دوسرے یہ کہ کبھی خط نہ لکھوں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ شرائط منظور ہیں۔ مولانا کو حاجی صاحب کے ساتھ اسقدر محبت تھی کہ اُن کا نام سُنتے ہی رونے لگتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی تعریف میں اُن کے بڑے بھلے بھلے دوہڑے ہیں۔

بیعت ہونے کے بعد مولانا بالالتزام دلائل الخیرات وغیرہ پڑھنے لگے پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھتے تھے۔ لاہور میں جب تک رہے ہر جمعہ کو بلاناغہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں بیٹھ کر دس ہزار بار درود شریف کا وِرد کرتے، تہجد گزار تھے ہر ہفتے یا ہر مہینے صلوٰۃ التسبیح پڑھتے تھے۔

مولانا عربی، فارسی اور اُردو تینوں زبانوں کے باکمال ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ سخن فہمی اور نکتہ سنجی میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ اُن کے دم قدم سے پنجاب میں اُردو کا باغ لہلہانے لگا۔ اُن کی موجودگی سے انجمن پنجاب کے مشاعروں میں بڑی رونق رہتی تھی۔ بہت سی تصانیف اُن کے علم و فضل کی یادگار ہیں۔ مندرجہ ذیل کتابیں خاص طور سے مشہور ہیں۔

صفحات	سالِ تصنیف یا سالِ طبع	نام کتاب	نمبر شمار
۱۲۰	سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ء)	حل ابیات بیضاوی (عربی) مطبوعہ	۱
۳۰۷	سنہ ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء)	تعلیقات الجلالین (عربی) مطبوعہ	۲
۸۰۰	سنہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء)	فیضی۔ شرح حماسہ (عربی) مطبوعہ	۳
۶۴	سنہ ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء)	تحفۂ صدیقیہ (عربی) مطبوعہ	۴
۱۳۰	سنہ ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۸ء)	حاشیہ دیوان حسان بن ثابت (عربی) مطبوعہ	۵
۴۷۱	سنہ ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۱ء)	ریاض الفیض۔ شرح سبع المعلقات (عربی، فارسی، اردو) مطبوعہ	۶
—	دستیاب نہیں ہوا	حاشیہ دیوان النابغۃ الذبیانی (عربی)	۷
—	سنہ ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۱ء)	فیض القاموس (عربی) مطبوعہ	۸
۶۴	سنہ ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۴ء)	دیوان الفیض (عربی) مطبوعہ	۹
۸۲	سنہ ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۵ء)	دیوان الفیض (عربی) مطبوعہ	۱۰
	یہ دونوں کتابیں مولانا کے پوتے مولوی نصر السعید قریشی کے پاس سہارنپور میں موجود ہیں۔ موخر الذکر کا ایک مخطوطہ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک (انڈیا) میں بھی موجود ہے۔	شرح تاریخ تیموری (عربی) غیر مطبوعہ	۱۱
		ضوء المشکوٰۃ (شرح المصابیح) (عربی) غیر مطبوعہ تالیف سنہ ۱۲۷۳ھ	۱۲
—	سنہ ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ء)	خلاصہ کتاب ایلاقی (عربی) غیر مطبوعہ	۱۳
—	سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء)	قرابادین فیضی (فارسی) غیر مطبوعہ	۱۴
۲۴	سنہ ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۳ء)	نسیم فیض (دیوان فارسی) مطبوعہ	۱۵
		مثنوی روضۂ فیض (فارسی) مطبوعہ	۱۶
۴۸	سنہ ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء)	مثنوی چشمۂ فیض (فارسی) مطبوعہ	۱۷

۱۸	مثنوی صبح عید (اردو) مطبوعہ	سنہ ۱۲۹۹ھ	(۱۸۸۲ء)	۶۴
۱۹	فیضیہ (اردو) مطبوعہ	سنہ ۱۳۰۰ھ	(۱۸۸۲ء)	۴۲
۲۰	گلزارِ فیض (دیوان اردو) مطبوعہ	-	-	-
۲۱	شواہد التفسیر	-	-	-
۲۲	شواہد خمسہ	-	-	-
۲۳	تذکرہ صحابہ	-	-	-

سنہ ۱۳۰۲ھ میں بعض علمائے دیوبند و گنگوہ و سہارنپور وغیرہ کی طرف سے یکے بعد دیگرے دو فتوے میلاد و فاتحہ وغیرہ کے رد میں شائع ہوئے تو مولانا عبدالسمیع بیدل نے ان فتووں کے رد میں ایک مفصل کتاب "انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ" مدلل لکھی۔

اس کتاب پر اُس دور کے مشہور و مستند علمائے کرام مثلاً مفتی لطف اللہ علی گڑھی (ف ۱۹۱۶ء) مولانا غلام دستگیر قصوری (ف ۱۳۱۵ھ) مولانا ارشاد حسین رامپوری (ف ۱۸۹۳ء) اعلیحضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں (ف ۱۹۲۱ء) مولانا عبدالقادر بدایونی (ف ۱۹۰۱ء) مولانا وکیل احمد سکندر پوری (ف ۱۳۲۲ھ) مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی (ف ۱۹۰۸ء) مولانا عبدالحق حقانی (ف [illegible]) وغیرہ کی تقاریظ کے ساتھ مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی تقریظ بھی شامل ہے اور کتاب کے آخر میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تصدیقات بھی مزین تھیں۔

مولانا فیض الحسن حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار تھے۔ اُن کے نعتیہ قصائد ہمارے اس دعوٰی کی دلیل ہیں۔ ذیل میں ایک نعتیہ قصیدہ کے چند اشعار پیش کئے جا رہے ہیں جنھیں پڑھ کر دل عشقِ رسول صلی اللہ

علیہ وسلم سے سرشار ہو جاتا ہے۔ اور آنکھیں اشکوں کا ہار پرونے لگتی ہیں۔ ؎

ترا رتبہ ہے یا احمد مقام اللہ اکبر کا ۔۔۔ ترا رتبہ شناسی رتبہ ہے بیچون داور کا

ترے قصرِ بریں کے بام و در پر فرطِ رفعت سے ۔۔۔ نہیں جز سایۂ روح الامیں سایہ کبوتر کا

وہ طوبیٰ جس کا چرچا ہے ستوں ہے تیری مسجد کا ۔۔۔ وہ جنت جس کی شہرت ہے وہ نقشہ ہے ترے گھر کا

ٹھکانہ بے ٹھکانوں کا سہارا بے سہاروں کا ۔۔۔ تو ہے تکیہ غریبوں کا بھروسہ ہے ترے در کا

کوئی صورت نہیں اپنی مگر ہاں اک بھروسہ ہے ۔۔۔ علیؓ کا فاطمہؓ کا آپؐ کا شبیرؓ و شبرؓ کا

کسی کو گر کسی کا آسرا ہو، ہو، مبارک ہو ۔۔۔ مجھے جو کچھ ہے وہ ہے آسرا اک آلِ حیدرؓ کا

تمنا ہے کہ اک اک بال کی سو سو بلائیں لوں ۔۔۔ جو نقشہ ہاتھ آجائے تری زلفِ معنبر کا

تمنا ہے کہ جا لوٹوں ترے صحرا کے کانٹوں پر ۔۔۔ رگِ مجنوں کو پھر سودا ہوا ہے نوکِ نشتر کا

ہمیں رتبے سے کیا نسبت مگر جب تیرا نام آئے ۔۔۔ تو کچھ نقشہ بدل جاتا ہے اپنے دیدۂ تر کا

برا ہوں یا بھلا ہوں خیر جیسا ہوں تمہارا ہوں ۔۔۔ طریقہ ہے کریموں کا نباہنا اپنے چاکر کا

یہ جوشِ بیقراری ہے کہ مرغِ نیم بسمل بھی
یہ کہتا ہے چلو دیکھیں تماشا فیضِ مضطر کا

اس نعت کے تاثر کے بارے میں مولوی نور احمد صاحب "تذکرہ توکلیہ" میں لکھتے ہیں کہ "ایک رات میں نمازِ عشا پڑھ کر مولانا فیض الحسن مرحوم کی یہ نعتیہ غزل پڑھ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے رقت طاری ہوئی۔ اور اسی حالت میں عالم غنودگی میں چلا گیا دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نورانی شکل میں میرے سامنے کھڑے ہیں"۔

مولانا غزل کا بھی شوق رکھتے تھے۔ چند منتخبہ اشعار درج ذیل ہیں ؎

پہلے ہی اپنی کونسی تھی قدر و منزلت ۔۔۔ پر شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی

قسمت کی بات ہے کوئی قسمت کو کیا کرے ۔۔۔ پھولوں کی مار مار پہ دامن رہا تہی

سنتے ہیں وہ ہر کسی کی ایسی ویسی ۔۔۔ کاش ان کی طبیعت ہی نہ ہوتی ایسی

چھیڑ کی صبح ہے تو گالی سرِ شام ۔۔۔ اور بیچ کا نقرہ تیری ایسی تیسی

روتے ہیں نہ تھا جو تری آنکھوں کا تصوّر — آئے گلِ نرگس کے دامن میں کہاں سے
کس نے لیا اس چاند سے رخسار کا بوسہ — یہ داغ لگا یارُخِ روشن میں کہاں سے
اڑتی تھی ابھی خاک گلستاں میں خدایا
اِک بار یہ پھول آ گئے گلشن میں کہاں سے

۱۲ جمادی الاول ۱۳۰۴ھ / ۶ فروری ۱۹۸۸ء کو اکہتر برس کی عمر میں لاہور میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی وصیت کے مطابق لاش تابوت میں رکھ کر ریل کے ذریعے سہارن پور پہنچائی گئی۔ کئی اسٹیشنوں پر نماز جنازہ ہوئی۔ سہارن پور میں آباؤ اجداد کے قبرستان درہ آلی میں انھیں سپرد خاک کیا گیا۔ ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کئے

ماخذ و مراجع

(۱) باغی ہندوستان از عبدالشاہد خاں شروانی مطبوعہ بجنور (انڈیا) ۱۹۴۷ء
لاہور ۱۹۷۴ء
(۲) تذکرہ علمائے ہند از رحمٰن علی (اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری مطبوعہ
کراچی ۱۹۶۱ء
(۳) تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور از اقبال احمد فاروقی مطبوعہ
لاہور ۱۹۷۵ء
(۴) مولانا محمد احسن نانوتوی از ڈاکٹر محمد ایوب قادری مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء
(۵) حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں از عبداللہ قریشی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء
(۶) فقہ اسلامی از مولانا عبدالاول جونپوری مطبوعہ ملتان ۱۹۸۱ء

(باقی بر صفحہ ۲۷۲)

(شاہد انصاری پتوکی)

تحریک آزادی میں علامہ فضل حق خیرآبادی کا کردار

امام فلسفہ و منطق نازشِ علم و سخن علامہ محمد فضل حق خیرآبادی مجاہدین جادۂ آزادی کے نامور رہنما تھے آپ کی مجاہدانہ زندگی کا آغاز ایسے حالات میں ہوا جب مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ تھا نواب سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کی شہادت سے مسلمانوں کے حوصلے کسی قدر پست ہو چکے تھے اگرچہ اولیائے کرام و اولیائے دین اسلام اور استحکام سلطنت کے لئے کوشاں رہے لیکن میر جعفر و صادق کی غداریوں سے بنگال و میسور کے سقوط کے بعد دیگر کئی ریاستوں پر انگریزی قبضہ نے عوام الناس میں سراسیمگی کی فضا پیدا کر دی۔ انگریزوں نے عیسائیت پھیلانے کے لئے سرکاری ذرائع بروئے کار لانے شروع کر دیئے تھے اس امر کی تصدیق سر سید احمد خاں اسباب بغاوت ہند میں یوں کرتے ہیں کہ ۱۸۵۵ء میں کلکتہ سے پادری صاحب ای ایڈ منڈ نے تمام سرکاری ہندوستانی عہدیداروں کے نام گشتی چٹھی بھیجی کہ

"برٹش راج میں تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہو گئی ہے تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی۔ ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہو گئی۔ مذہب بھی ایک چاہیئے اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی (ایک مذہب) ہو جاؤ"

اس مذموم مقصد کے حصول کی خاطر انگریزی حکومت نے دینی مدارس کو بند کرانے کی کوشش

کی اور جگہ جگہ گرجے تعمیر کرائے اسکولوں میں بچوں اور ہسپتالوں میں مریضوں کو عیسائیت کا تبلیغ کی جانے لگی۔ مساجد کو مقفل کرایا اور بعض کو شہید بھی کرایا گیا مساجد کے حجروں میں گھوڑے باندھے اور حوضوں میں وضو کے پانی کی بجائے لیدڈالی گئی بعض عبادت گاہوں کی جگہ دفاتر قائم کئے گئے۔ مسلمانوں کو فتنہ نہ کرانے اور پردہ نشین خواتین کا پردہ اتروانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ اقتصادی لحاظ سے عوام الناس کو بدحال کرنے کی خاطر انگریزوں نے ملک کی تمام پیداوار خرید کر ذخیرہ کی اور پھر قیمت اور سپلائی پر اجارہ داری قائم کی۔ اس کے علاوہ اس نام نہاد مہذب قوم نے ہندوؤں اور سکھوں سے مل کر ایسی شرمناک و انسانیت سوز حرکات اور مظالم کئے کہ جنہیں لکھتے ہوئے دل لرزتا ہے سینہ، قلم شق اور جگرِ قرطاس پارہ پارہ ہوتا ہے۔

۱۸۴۸ء میں لکھنؤ کے قریب ہنومان گڑھی میں مہنتوں نے مسلمانوں کو مسجد میں اذان دینے اور نماز پڑھنے سے روک دیا تھا۔ اگر کوئی مسافر بھولے سے مسجد میں چلا جاتا تو اسے مار پیٹ کر نکال دیا جاتا۔ ان مہنتوں نے مسجد کو خوب نقصان پہنچایا اس واقع کی نواب کو اطلاع پہنچائی گئی مگر صدائے برنہ خاست۔

جولائی ۱۸۵۵ء میں شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کی تیاری کرکے مجاہدین کی ایک مختصر سی جماعت کے ہمراہ ہنومان گڑھی پہنچے یہاں پر بیراگیوں سے مقابلہ ہوا۔ مسجد میں سب شہید کر دیئے گئے۔ بیراگی جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہوئے اور انھوں نے قرآن شہید کرکے پیروں سے مسلتے ہوئے سنکھ بجائے ۲۶۹ مسلمان شہید ہوئے اس خونیں حادثے سے مسلمانوں میں شدید اضطراب پیدا ہوا اور غیرت ایمانی نے جوش مارا چنانچہ مولانا شاہ امیر علی ہزاروں مجاہدین کے ہمراہ جذبہ جہاد سے سرشار ہوکر مہنتوں کی سرکوبی کے لئے نکلے، ردولی جاتے ہوئے راہ میں ۷ نومبر ۱۸۵۵ء کو نوابی فوج اور انگریزوں کی پلٹن نے قافلہ مجاہدین کو گھیر لیا۔ جب مجاہدین نماز ظہر ادا کرنے لگے تو ان افواج نے گولہ باری شروع کردی جس سے ۱۸ مجاہد شہید ہوئے راجہ شیر بہادر سنگھ کے آدمیوں نے کپتان بارلو کے حکم سے

۶۰۰ مجاہدوں کے سر اڑا دیئے جو بچ رہے ان کا دس بارہ کوس تک تعاقب کیا گیا صرف میر عباس کوتوال بچ کر اپنے گھر تک پہنچے شہداء کی لاشیں کئی دن تک یونہی بے گور دکفن پڑی رہیں۔

واجد علی شاہ کی نوابی میں خالص اسلامی ملیے پر اس دردناک خونریزی پر آسمان تھرا گیا اور زمین میں زلزلہ آ گیا نتیجتاً چند ماہ بعد واجد علی شاہ کو انگریزوں نے معزول کر کے کلکتہ کے مٹیا برج میں نظر بند کر دیا۔ اس طرح واجد علی شاہ کو انگریز دوستی کا جلد ہی پھل مل گیا۔

واقعہ ہنومان گڑھی، مسلمان مجاہدین کی کفار کے ہاتھوں شہادت قرآن کی بے حرمتی واجد علی شاہ کی بے غیرتی اور غداری، اسلامی شعائر کی بربادی اور ناموس اسلام کی بے عزتی پر بطل حریت علامہ فضل حق خیرآبادی تڑپ اٹھے۔ اور بہادر شاہ ظفر و دیگر راجاؤں کو خطوط لکھ کر انہیں جہاد پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ راجہ الور سے بالمشافہ گفتگو بھی کی مگر یہ تمام اس پر رضامند نہ ہوئے پھر علامہ نے مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ مدارسی سے حالات حاضرہ پر تبادلہ خیال کیا اور انہیں جہاد کے لئے تیار کر لیا چنانچہ دلاور جنگ فیض آباد چلے گئے اور ہنگامہ ہوتے ہی لکھنؤ پر قابض ہو گئے بیلی گارد پر انگریزوں سے چھ دن تک لڑائی ہوتی رہی بالآخر ۱۰/جولائی ۱۸۵۷ء کی شام کو جمعہ کے دن پسپا ہو کر ہٹ آئے۔ ہندوستان کی دیگر ریاستوں خصوصاً میرٹھ میں کارتوسوں کی چربی سے لوگوں کے دلوں میں آتش فشاں پھوٹا ہوا تھا۔ "باغی" فوج نے ۱۱/مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ سے دہلی پر حملہ کر دیا تھا۔ اس وجہ سے قتل غارت گری کا بازار گرم تھا۔

ادھر علامہ فضل حق خیرآبادی نشر و اشاعت کرتے اور زمینداروں کو جہاد کی تلقین کرتے ہوئے اگست ۱۸۵۷ء کو الور سے دہلی پہنچے اور ۱۶/اگست کو بادشاہ سے صورت حالات پر گفتگو کی مگر بہادر شاہ ظفر نے آپ کے مشوروں پر کوئی توجہ نہ دی وہ سراسیمہ تھا کیونکہ ایک طرف شہزادوں کی لوٹ کھسوٹ اور تخت شاہی کی تمناؤں نے باہمی رقابت کا میدان گرم کر رکھا تھا تو دوسری طرف عمائد شہر میں دو گروہ تھے ایک شاہ کا حامی اور دوسرا کمپنی کی حکومت کا، فوج حرص وہوس میں گرفتار تھی، صرف دو جماعتیں ایک مجاہدین کی اور دوسری روہیلوں کی جنرل بخت

خاں کی سپہ سالاری میں مقاصد حق کی خاطر برسر پیکار تھیں۔

چنانچہ علامہ فضل حق خیر آبادی نے جنرل بخت خاں سے ملنے اور مشورہ کرنے کے بعد ترکش سے آخری تیر نکالا بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتا پیش کیا جس پر صدر الصدور مفتی صدر الدین خاں آزردہ، مولوی عبد القادر، فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی اور سید مبارک شاہ رامپوری نے دستخط کر دیئے اس فتویٰ جہاد کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی اور دہلی میں نوے ہزار فوج جمع ہو گئی۔

ادھر جنرل بخت خاں کے منصوبوں میں ہمیشہ کی طرح مرزا مغل نے بے جا مداخلت کی اور فوج میں پھوٹ پڑ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ جنرل بخت خاں بگڑ گئے اس انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمپنی کی فوج نے ۱۴ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی پر حملہ کر کے ایک ہفتہ کے اندر اندر دہلی پر مکمل قبضہ کر لیا۔ جنرل بخت خاں نے شاہ سے نکل چلنے کو کہا مگر وہ راضی نہ ہوئے آخر بخت خاں اپنی فوج اور توپ خانہ نکال کر اور ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اور مولانا فیض احمد بدایونی کو ساتھ لے کر لکھنؤ چلے گئے۔

دہلی پر قبضہ کے بعد انگریزوں نے وحشت و درندگی اور ظلم و بربریت کے ایسے شرمناک مظاہرے کئے کہ سکندر و چنگیز کی روحیں بھی تڑپ اٹھیں۔ بہادر شاہ ظفر کو قلعہ میں بند کر دیا گیا اور تین شہزادوں کو اس وقت گولیوں سے اڑا دیا گیا جب وہ قلعہ میں داخل ہو رہے تھے ان کے سر خوان پوش سے ڈھک کر خوان میں لگا کر بہادر شاہ ظفر کو بطور تحفہ پیش کئے گئے مرزا مغل بھی انہیں میں تھا۔ زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سلوا کر گرم تیل کے کڑاہوں میں ڈالا گیا فتح پوری مسجد سے قلعہ کے دروازے تک درختوں کی شاخ شاخ سے مسلمانوں کے لاشے لٹکائے گئے۔ عورتوں کے پستان کاٹے گئے۔ بچوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سڑکوں پر پھینکا گیا اور اسی طرح بیسیوں دردناک حادثات پیش آئے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کو "باغی" قرار

دیا جا چکا تھا۔ چنانچہ آپ پانچ روز بھوکے پیاسے رہنے کے بعد رات کے وقت چھپتے چھپاتے دہلی سے نکلے دریا عبور کرتے اور میدان قطع کرتے ہوئے آپ بھیکن پور ضلع علی گڑھ پہنچے اور تقریباً بیس دن یہاں رہنے کے بعد اپنے آبائی شہر خیر آباد چلے گئے۔

ادھر جنرل بخت لکھنؤ پہنچ کر احمد اللہ شاہ دلاور جنگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور انگریزوں سے ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے بالآخر شکست کھا کر شاہ جہان پور گئے اور محمدی پور میں اسلامی حکومت قائم کر لی۔ نانا صاحب پیشوا، مولوی عظیم اللہ کانپوری اور شہزادہ فیروز شاہ وغیرہم بھی جمع ہو گئے یہیں پر آخری معرکۂ حق و باطل ہوا لیکن وسائل اور افرادی قوت کی کمی سے مجاہدین کو شکست ہوئی اور یہ لوگ نیپال چلے گئے دلاور جنگ کو پوائیں بلدیو سنگھ نے دعوت کے بہانہ سے بلا کر ۱۵ جون ۱۸۵۸ء کو شہید کر دیا۔

سقوط دہلی کے باوجود ملکۂ اودھ حضرت محل نے نہایت جرات کا مظاہرہ کیا۔ بھاگ کر آنے والوں کو پناہ دی اور اپنی فوج کو مختلف علاقوں کا انتظام کرنے اور دریا کے گھاٹوں کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا۔ علامہ فضل حق بھی بھیکن سے خیر پور پہنچ چکے تھے۔ لہٰذا آپ ملک کی پارلیمنٹ میں بطور مشیر خاص شریک ہوئے اور اہم کردار ادا کیا۔ آخر کار آپ اپنے گھر سے گرفتار ہوئے لکھنؤ کی عدالت میں مقدمہ چلا "سیر العلماء" میں آپ کے ثبات و استقلال صداقت و حقانیت اور شیر دلی کا یوں تذکرہ ہے کہ

"۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ ہو کر سیتا پور سے لکھنؤ لائے گئے مقدمہ چلا مولانا موصوف کے فیصلہ کے لئے جیوری بیٹھا ایک اسیر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ سرکاری وکیل کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے۔ بلکہ لطف یہ تھا۔ کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کئے اور پھر خود ہی مثل تار عنکبوت عقلی و قانونی ادلہ سے توڑ دیئے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا۔ اور ان سے ہمدردی

بھی تھی، جج نے صدر الصدوری کے دور میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی لیا تھا
وہ مولانا کی عظمت و تبحر سے بھی واقف تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا
بری ہو جائیں۔ کرے تو کیا کرے۔ ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں گے
سرکاری وکیل لاجواب تھے۔"

دوسرے اور آخری دن علامہ نے فتوے کی خبر دینے والے مخبر کے بیان کی تصدیق و توثیق
کی فرمایا۔

"پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا کہ رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی۔ اب عدالت
میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بولا، وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا
لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔"

جج بار بار علامہ فضل حق خیرآبادی کو روکتا تھا۔ کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور گواہ علامہ کی
بارعب پروقار شکل دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے۔ کہہ دیا تھا کہ وہ مولانا
فضل حق نہیں وہ دوسرے تھے۔ گواہ حسن صورت اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متاثر ہو
چکا تھا۔ مگر علامہ کی شان استقلال کے قربان جایئے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے کہ

"فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے
ہے۔" (الثورۃ الہندیہ ص ۱۵۲)

علامہ کے اقرار و توثیق کے بعد گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ مسٹر جارج کیمبل
جوڈیشنل کمشنر اودھ اور میجر بارو قائم مقام کمشنر خیرآباد نے ۴ مارچ ۱۸۵۹ء کو حبس دوام
بہ عبور دریائے شور کا حکم سنایا۔ عدالت کے فیصلہ کے الفاظ کچھ یوں تھے کہ

"بغاوت شروع ہونے کے وقت وہ الور میں ملازم تھا یہاں سے دیدہ و دانستہ
دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بہ قدم چلتا رہا۔ ایسے
شخص کو سخت ترین سزا ملنا چاہیئے اور اس خاص طور پر ہندوستان سے خارج
کر دینا چاہیئے۔"

(باقی صفحہ ۲۳۷ پر)

از قلم راجہ محمد طاہر رضوی جہلم

تحریکِ آزادی کا عظیم مجاہد

۱۸۵۷ء کے بعد کا عالم ہے۔ جنگِ آزادی کی پاداش میں انگریز مسلمانوں پہ طرح طرح کے ظلم ڈھا رہا ہے۔ سرِ عام پھانسی دی جا رہی ہے۔ علماء کی لاشوں کو سڑکوں کے کنارے درختوں سے لٹکایا جا رہا ہے۔ غرض ہر جانب خوف کا عالم ہے۔

اور ایسے میں ایک عدالت میں ایک مرد مجاہد کھڑا ہے جس پر الزام ہے کہ اُس نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ گواہ بھی گواہی نرم دے رہا ہے۔ کہ شاید اس سے کہا گیا کہ انکار کر دو۔ کہ ہاں میں نے ہی فتویٰ دیا ہے۔

یہ وہی مردِ مجاہد تھا جس نے قید فرنگ منظور کر لی مگر انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عدالت میں کہہ دیا۔ کہ ہاں میں نے ہی فتویٰ دیا ہے۔ یہ مرد مجاہد مولانا فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جنھوں نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔

مولانا فضل حق خیر آبادی ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء کو اپنے آبائی وطن خیر آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان اپنی عالمانہ وجاہت کے اعتبار سے برِ صغیر کے چند مشہور خاندانوں میں سے ایک تھا۔ آپ نسباً فاروقی مسلکاً حنفی مشرباً چشتی ہیں۔ سلسلہ نسب ۳۳ واسطوں سے خلیفہ راشد حضرت امیر المومنین سید فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد مولوی فضل امام اپنے زمانہ کے معقولات کے مشہور عالم تھے۔ اور آپ کے مدرسہ کی شہرت اکناف و اطراف عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔

علامہ فضلِ حق رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم نے آپ کی تعلیم کا آغاز

قرآن کریم کی تعلیم سے کیا۔ حضرت علامہ نے خداداد ذہانت کی بنا پر چار سال دس دن میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ پھر کتب درسیہ والد ماجد سے پڑھنا شروع کیں تھوڑے ہی عرصہ میں علامہ نے علوم فنون میں کمال حاصل کر لیا۔ علم حدیث کی سند حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے حاصل کی۔ شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔

۱۲۲۵ھ / ۱۸۰۹ء میں تیرہ برس کی عمر میں تمام علوم عقلیہ نقلیہ کی تکمیل کر لی آپ کی ذہانت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے جب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ نے ردِّ شیعہ میں تحفہ اثنا عشری لکھی۔ اس تحفہ نے بے حد مقبولیت حاصل کی۔ حتیٰ کہ ایران کے "میر باقر داماد" کے خاندان کا ایک متبحر عالم فریقین کی بہت سی کتابیں لے کر شاہ صاحب سے مناظرہ کرنے آیا۔

شاہ صاحب نے ازراہِ اخلاق اِن کے قیام کا مناسب انتظام کیا۔ شام کو حضرت علامہ فضل حق درسگاہ میں پہنچے تو شاہ صاحب کے مصروف مہمان نوازی دیکھ کر کیفیت معلوم کی، تھوڑی دیر حاضر رہ کر لبعد از مغرب مجتہد صاحب نے پوچھا میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو؟

علامہ نے کہا شرح اشارات، شفا، افق المبین وغیرہ دیکھتا ہوں۔ مجتہد صاحب بڑے حیران ہوئے۔ اور بطور امتحان" افق المبین" کی ایک عبارت کا مطلب پُوچھا۔

علامہ نے نہ صرف مطلب بیان کیا بلکہ افق المبین پر متعدد اعتراض بھی کر دیئے۔ مجتہد صاحب نے جواب دینے کی کوشش کی۔ تو انھیں بھی آڑے ہاتھوں لیا۔ اور اس کو جان چھڑانا مشکل ہو گیا۔ آخر علامہ نے اپنے اعتراضات کے جوابات ایسے معقول دیئے کہ تمام ہمراہی علما حیران رہ گئے۔ علامہ معذرت

کر کے رخصت ہو گئے۔ اور جاتے ہوئے یہ بتا گئے۔ کہ میں شاہ صاحب کا ایک ادنیٰ شاگرد اور کفش بردار ہوں۔ صبح کے وقت شاہ صاحب نے مہمانوں کی خیریت دریافت کے لیے آدمی بھیجا۔ تو پتہ چلا کہ وہ آخر شب ہی دہلی سے جا چکے ہیں۔ شاہ صاحب پریشان ہوئے۔ مگر جب اصل واقعہ کا علم ہوا تو علامہ پر اظہار خفگی فرمایا کہ مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیئے۔

انگریز تاجر کے بھیس میں ہندوستان وارد ہوئے۔ اور اپنی روایتی مکاری سے آہستہ آہستہ ہندوستان کے بہت بڑے حصے پر قابض ہو گئے۔ اور والیانِ ریاست کو بے دست و پا کر کے رکھ دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اہلِ ہند کیخلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے جال پھیلانا شروع کر دیئے۔ طاقت کے نشے میں دیگر مذاہب خصوصاً مذہب اسلام کے خلاف محاذ کھول دیا۔ پادری کھلے بندوں اپنے مذہب کے پرچار کے ساتھ ساتھ اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر رکیک حملے کرتے۔

پادری ایڈمنسٹریٹر نے مختلف لوگوں کو اور خصوصاً سرکاری ملازموں کو ایک گشتی چٹھی بھیجی۔

"اب ہندوستان میں ایک عملداری ہو گئی ہے۔ تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی۔ ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمدورفت ایک ہو گئی۔ مذہب بھی ایک چاہیئے۔ اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ہو جاؤ۔"

اسباب بغاوت ہند از سرسید

مسلمانوں کو مساجد میں اذان تک دینے سے روک دیا گیا حتیٰ کہ ہنوبان گڑھی کی جامع مسجد میں دو سو انہتر (۲۶۹) مسلمانوں کو عین نماز کی حالت میں شہید کر دیا گیا۔ قرآن مجید کے پرزے پرزے کر کے پاؤں تلے روندا گیا۔

جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو کر سنکھ بجائے گئے۔ اور یہ تمام کارروائی انگریز افسر کی موجودگی میں عمل میں لائی گئی۔

۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں روہیلہ بریلی سے ایک لشکر جرار لے کر دہلی پہنچے۔ نظم و ضبط بحال کرنے کی کوشش کی۔ دہلی کی جامع مسجد میں فتویٰ جہاد مرتب کیا۔ جن اکابر علماء نے فتویٰ پر اپنے دستخط اور مہریں ثبت کیں۔ ان میں سرفہرست مولانا مفتی صدر الدین آزاد کا نام ہے۔

علامہ فضلِ حق خیر آبادی ایسا سلیم الفطرت اور ملتِ اسلامیہ کا صحیح درد رکھنے والا انسان اس تحریک سے کیسے دُور رہ سکتا تھا۔

آپ الور سے مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ اُس وقت دہلی میں علماء کے دو گروہ تھے۔ ایک بادشاہ کا ہمنوا، دوسرا ایسٹ کمپنی کا بہی خواہ۔ آپ نے فوجوں کا جائزہ لیا۔ ہنگاموں کی حالت دیکھی۔ ہر ایک طلبِ زر کا متمنی مگر ایک ہستی ایسی بھی تھی۔ جو ایک مقصد کو لئے ہوئے جان پر کھیل رہی تھی۔ وہ گروہ مجاہدین کا تھا۔ یہ جنرل بخت خاں کی زیر کمان تھے چنانچہ علامہ خیر آبادی جنرل بخت خاں سے ملے۔ چنانچہ علامہ نے آخر تیر ترکش سے نکالا۔ جمعہ کے روز جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی۔ استفتاء پیش کیا۔ اب اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ بقول ذکاء اللہ دہلوی، دِلّی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔ مجاہدین دیوانہ وار کمپنی کی فوج سے مقابلہ کرنے لگے۔ مگر ملک و ملت کے غداروں کے باعث کمپنی کی فوج دہلی پر قابض ہو گئی۔ بادشاہ قید ہو گئے۔ جنرل بخت خاں اپنی فوج اور توپ خانہ کو نکال لے گئے۔ مولانا فضل حق وطن پہنچے۔

حکومت نے باغیوں پر مقدمے دائر کئے۔ ۱۸۵۹ء میں فتویٰ جہاد کے جرم میں علامہ کو پھنسوایا گیا۔ مقدمہ چلا۔ ایک اسیر نے واقعات سن کر بالکل

چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ وکیل سرکار کے مقابل علامہ خود بحث کرتے۔ بلکہ لطف یہ تھا کہ الزام اپنے اوپر خود قائم کرتے اور خود ہی توڑ دیتے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

مقدمہ کے آخری دن فرمایا :"وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری یہی رائے ہے"۔ باغی ہندوستان

مخبر نے عدالت کا رُخ اور علامہ کی بارعب دیدہ وقار شکل دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا۔ یہ وہ مولانا فضل حق نہیں۔ وہ دوسرے تھے۔ مگر اللہ کا شیر گرج رہا تھا۔

"فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔ آخر جزیرہ انڈمان بھیج دیا گیا اور وہیں ۱۸۶۱ء میں وفات پائی

ادارہ

حضرت مولانا فضل امام خیرآبادی علیہ الرحمت

آپ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمت کے والد ماجد اور فاروقی النسب تھے جس کا سلسلہ چوبیس واسطوں سے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے آپ کے متعلق رحمان علی کاکوری لکھتے ہیں۔

"در علوم عقلیہ گوئے سبقت ربودہ"[1]

شبلی نعمانی سلسلۂ خیرآباد کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ملا کمال الدین کے ایک مشہور شاگرد ملا محمد اعلم سندیلہ ہیں، فضل و کمال کا یہی وہ نخل بارور ہے جس سے خیرآباد کی وہ شاخ نکلی جو پھیل کر خود ایک مستقل سلسلہ بن گئی ہے اور جو سلسلۂ خیرآباد کے نام سے مشہور ہے"[1]

سلسلہ خیرآباد وہ سلسلہ ہے جس سے علم و عمل کی سبیل نکلی جو برصغیر میں پھیلتی چلی گئی اسی سلسلے کی عظیم شخصیت حضرت مولانا فضل امام خیرآبادی علیہ الرحمت تھی۔ جنہوں نے نہ صرف خیرآباد کو اپنے علمی خزانے سے سیراب کیا بلکہ اطراف واکناف کے بیشمار لوگ مستفید ہوئے۔ حضرت مولانا فضل امام علیہ الرحمت کا سلسلۂ تلمذ حضرت ملا نظام العالم علیہ الرحمت اور ملا سید عبدالواحد کرمانی خیرآبادی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۲۱۸ھ) سے تھا۔ محمد میاں دہلوی آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

اسی خیرآباد کے مشہور فاضل حضرت مولانا فضل امام صاحب تھے، سیدنا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے معاصر، درس وتدریس میں شہرہ آفاق"[2]

واقعی حضرت مولانا فضل امام خیرآبادی علیہ الرحمت سراپا علم وعمل تھے۔

---

۱ شبلی نعمانی، حیات شبلی، مرتب سلیمان ندوی، ص ۲۲ مطبوعہ معارف اعظم گڑھ

۲ محمد میاں دہلوی علمائے ہند کا شاندار ماضی، جلد چہارم، ص ۸۶ مطبوعہ الجمعیۃ بکڈپو دلی

سرسید احمد خاں آپ کے خطاب و القابات ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

" اکمل افراد نوع انسی مہبطِ انوار فیوض قدسی، سراب سرچشمہ عین الیقین ہوکسس اساس قلت ودیں۔ ماحئ آثار، جہل ہادم، بنائے اعتساف، محی مراسم، علم مبانئ الفاف قدوہ علمائے فحول، حاوی معقول و منقول، سند اکابر روزگار، مرجع اعالی و ادانی ہر دیار مزاج دانی، تشخص کمال، جامع صفات جلال رجال، مورد فیض ازل و ابد، مطرح انظار سعادت سرمد، مصداق مفہوم تام الاجزائی، واسطۃ العقد سلسلہ حکمتِ اشراقی و مشائی، زبدۂ کرام اسوۂ عظام مقتدائے انام مولانا و مخدومنا مولوی فضل امام اد خلہ اللّٰہ الفعام فی جنت النعیم ، مجال نہیں کہ آپ کے اوصافِ حمیدہ اور محامد پسندیدہ تقریر کر سکے۔ اگر ہزار برس مشقِ سخن کرے اور اس ذکر میں زبان سخن سنجی سے معاف نہ رکھے۔ یقین ہے کہ ہزار سے ایک نہ ادا ہو سکے۔ علوم عقلیہ اور فنونِ حکمیہ کو ان کی مبع نقاد سے اعتبار تھا اور علوم ادبیہ کو ان کی زبان دانی سے افتخار، اگر ان کا ذہن رسا دلائل قطعہ بیان نہ کرتا، فلسفہ کو معقول نہ کہتے اور اگر ان کا مکر صاحب براہین ساطعہ قائم نہ کرتا شکل ہندسی تارِ عنکبوت سے سست تر نظر آتی۔ اسی نواح میں ترویج علم حکمت و معقول کی اسی خاندان سے ہوئی۔ گویا اس دودھ والا تبار سے اس علم نے یک جہتی بہم پہنچائی ہے" [1]

شیخ محمد اکرام حضرت مولانا فضل امام خیرآبادی علیہ الرحمت کے بارے میں لکھتے ہیں

" خیرآباد کے علمی خاندان کا آغاز اسی زمانے میں ہوا۔ پہلے قابل ذکر بزرگ مولوی فضل امام خیرآبادی تھے جو دہلی میں صدر الصدور ہوئے ان کا آمد نامہ اب بھی فارسی کے طلبا استعمال کرتے ہیں۔" [2]

نادم سیتاپوری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

" مولانا فضل امام خیرآبادی جن دنوں دہلی کے صدر الصدور تھے ان کی قائم کی ہوئی درس گاہ معقولات کی ایسی یونیورسٹی تھی جس کی مثال شاید ہی ہندوستان

1۔ سرسید احمد خاں، مقالات سرسید حصہ شانزدہم ص ۳۲۶، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور

2۔ شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر ص ۶۱۲ مطبوعہ فیروز سنز لاہور

ہیں کہیں اور ملے۔ اس تعلیم گاہ میں فلسفہ اور منطق کے جو درس دیئے جاتے تھے یہ انہیں کا صدقہ ہے کہ آج تک ہندوستان کے گوشے گوشے سے علوم شرقی کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔" [۱]

اور یہی نادم سیتاپوری کریم الدین کی کتاب تذکرۂ فرائدالدہر کے حوالے سے آپ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

"مولانا فضل امام بڑے فاضل، کامل اور محقق مدقق ہو گذرے ہیں۔ ان کی تصانیف انھیں کے نام سے مشہور ہیں۔ چنانچہ ایک حاشیہ میر زاہد رسالہ پر بنام حاشیۂ مولوی فضلِ امام اور دوسرا میر زاہد پر بھی اسی نام سے مشہور ہے"۔ [۲]

نادم سیتاپوری کے بعد اختر راہی آپ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

"اسی دور کے ایک نامور عالم معقولات مولانا فضل امام خیرآبادی تھے جو دہلی کی سیاسی ابتری میں علمی برتری کی قندیلیں روشن کئے ہوئے تھے"۔ [۳]

پانی پت کی مشہور روحانی شخصیت حضرت خواجہ شاہ غوث علی قلندر پانی پتی علیہ الرحمت بھی آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ اپنا واقعہ آپ نقل کرتے ہیں۔

"شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور مولانا فضل امام کی شاگردی کا مجھے فخر حاصل ہے۔ آخرالذکر کی جو شفقت میرے حال پر تھی وہ بیان سے باہر ہے مولانا کے ساتھ دہلی سے پٹیالہ بغرض تعلیم چلا گیا۔ میری عمر اٹھارہ برس کی تھی کہ استاد فوت ہو گیا۔ میں نے بھی تعلیم کو خیرباد کہہ دیا کہ نہ ایسا شفیق اور قابل استاد ملے گا اور نہ پڑھوں گا"۔ [۴]

حضرت شاہ غوث علی قلندر پانی پتی علیہ الرحمت کو حضرت علامہ فضل امام خیرآبادی علیہ الرحمت جیسا بحرِ ذخار اور مشفق استاد نہ مل سکا۔

---

[۱] نادم سیتاپوری غالب نام آورم ص ۱۰۲ مطبوعہ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور

[۲] نادم سیتاپوری حاشیہ غالب نام آورم، ص ۱۰۴، مطبوعہ لاہور۔

[۳] اختر راہی تذکرہ مصنفین درس نظامی ص ۱۷۱، مطبوعہ مسلم اکادمی لاہور

[۴] حضرت گل محمد تذکرہ غوثیہ ص ۲۵ مطبوعہ دہلی

نادم سیتاپوری لکھتے ہیں ۔

"فضل امام خیرآبادی اپنے زمانہ میں "معقولات" کے ایسے مستند عالم تھے جن سے کسبِ ضیاء کر کے ہندوستان کے علوم مشرقی نے "سرسید اعظم" کے اُستاد مفتی صدرالدین آزردہ جیسی بلند مرتبہ ہستیوں کو جنم دیا"۔[1]

آپ کے علم وفضل کا یہ عالم تھا کہ برصغیر میں منتہی علماء وفضلاء آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر مشکل مقامات کی تشریح و توضیح حاصل کرتے۔ تاریخ یمینی جیسی مشکل کتاب کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنا آپ ہی کا علمی کارنامہ ہے جن کا ذکر پروفیسر محمد ایوب نے اپنی کتاب مولانا محمد احسن نانوتوی کے حاشیہ پر کیا ہے ۔

"اس کتاب کا عربی سے فارسی میں ترجمہ مولانا فضل امام خیرآبادی (ف ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۹ء) نے کیا ہے"۔[2]

فارسی اور عربی کتابوں پر آپ کو اس درجہ عبور حاصل تھا کہ مشکل سے مشکل مقام اگر آپ کی خدمت میں پیش کرتا تو آپ بلا توقف انھیں ایسا مدلل جواب دیتے کہ پھر اسے دوبارہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت تک محسوس نہ ہوتی ۔

مفتی انتظام اللہ شہابی لکھتے ہیں ۔

"علامہ فضل حق متخلص فرقتی خیرآبادی کے والد مولانا فضل امام بن شیخ ارشد ہرگامی نسبتاً فاروقی تھے، فضل و کمال کے ساتھ منطق و فلسفہ میں تبحرِ خاص تھا دلی میں صدر الصدور کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ مگر اس کے ساتھ باپ دادا کا طریقہ بھی جاری تھا ۔ منتہی طلباء کو بالخصوص علومِ معقول کا درس دیتے "مرقات" حاشیہ "افق المبین" یادگار سے ہے ۔ ۱۲۴۰ھ میں انتقال کیا"۔[3]

آپ کو حضرت مخدوم سعدالدین خیرآبادی علیہ الرحمت کے مزار شریف کے احاطہ میں سپردِ خاک کیا گیا ۔ آپ کی تاریخ وفات ۵ ذلیقعدہ ۱۲۴۰ھ ہے ۔ مرزا غالب نے حسبِ ذیل تاریخ

---

[1] ۔ نادم سیتاپوری، غالب نام آورم ص ۱۰۲ مطبوعہ لاہور

[2] ۔ پروفیسر محمد ایوب، مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۱۸۸ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ کراچی

[3] ۔ انتظام اللہ شہابی، غدر کے چند علماء ص ۱۳۱ مکتبہ دینی بکڈپو اردو بازار دہلی

وفات، لکھی :-

" اے دریغا قدوۂ ارباب فضل | کردے سوئے جنت الماویٰ مقام
چوں ارادت از پئے کسبِ شرف | جست سالِ فوت آں عالی مقام
چہرہ ہستی خراشیدم نخست | تا بنائے تخرجہ گردد تمام

گفتم اندر سایۂ لطف نبی
باد آرامش گہہ فضلِ امام " ؎

۱۲۴۰ھ

آپ کے ارشد تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے محمد یحییٰ تنہا لکھتے ہیں۔

" مفتی صاحب (صدر الدین آزردہ) دہلی میں ۱۲۰۴ھ/۱۷۹۸ء میں پیدا ہوئے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل شاہ عبد العزیز، شاہ عبد القادر، مولانا محمد اسحاق، مولانا فضلِ امام خیر آبادی، مولانا فضلِ حق خیر آبادی سے کی۔" ؎

آپ کے تلامذہ میں سے حضرت غوث علی شاہ صاحب قلندر پانی پتی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۲۹۶ھ) حضرت مولانا مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی علیہ الرحمت (المتوفی ۱۲۵۸ھ) قابلِ ذکر ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۹

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف / مؤلف	سن وجائے طباعت	صفحات
۴۶	۵۷ کے ہیرو	سیدہ انیس فاطمہ بریلوی	کراچی ۱۹۵۶ء	ص ۲۹، ۴۷، ۷۰
۴۷	عظیم اللہ خاں (انگریزی)	سید لطف اللہ	کراچی ۱۹۷۰ء	متعدد مقامات پر ذکر ہے
۴۸	سہ ماہی "العلم" غالب نمبر	ایڈیٹر سید الطاف علی بریلوی	کراچی اپریل تا جون ۱۹۶۹ء	ص ۶۹ تا ۷۳، ۹۴، ۹۵
۴۹	ماہنامہ "خیال"	سن ستاون نمبر	لاہور مئی جون ۱۹۵۷ء	ص ۲۶۱ تا ۲۶۵
۵۰	ماہنامہ ترجمان اہلسنت	۱۸۵۷ء نمبر	کراچی جولائی ۱۹۷۵ء	ص ۵۲ تا ۵۷
۵۱	ماہنامہ الشجاح	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	کراچی مئی ۱۹۵۷ء	ص ۴۲ پر مضمون ہے
۵۲	ہفت روزہ قندیل	۱۸۵۷ء نمبر	لاہور مئی ۱۹۵۷ء	ص ۲۸ پر مضمون ہے
۵۳	عندلیب تواریخ	سید مسعود حسن مسعود	الہ آباد (انڈیا) ۱۹۶۳ء	ص ۱۱۰ پر قطع تاریخ وفات ہے
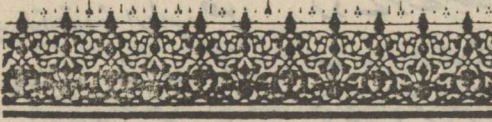
علامہ فضل حق خیر آبادی

علم و فضل کے بحرِ بیکراں

(میاں عبد الرشید)

علامہ فضل حق خیر آبادی نابغہ روزگار تھے۔ غالب جیسے لوگ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ غالب کا حب ذیل شعر مشہور ہے ؎

ہمچناں در تتق غیب ثبوتے دارند
بوجودیکہ ندارند ز خارج اعیاں

حالی لکھتے ہیں کہ مرزا غالب نے خود انھیں بتایا تھا کہ پہلے انھوں نے اس شعر میں لفظ "ثبوتے" کی بجائے نمودے لکھا تھا۔ لیکن علامہ فضل حق خیر آبادی کو یہ شعر سنایا تو انھوں نے فرمایا کہ اعیان ثابتہ کے لئے نمود کا لفظ نامناسب ہے۔ اس کی جگہ ثبوت کر دو۔

غالب ایک جگہ علامہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"چوں من صد و چوں عرفی صد ہزار را
بہ سخن پرورش تواند کرد!"

علامہ ہی نے غالب کو مشکل گوئی سے منع کیا۔ اور مرزا کا موجودہ دیوان آپ ہی کا رہین منت ہے۔ دونوں کا سال ولادت بھی (۱۷۹۷ء) ایک ہے۔ سرسید نے بھی آپ کی انتخابی صلاحیتوں کی جا بجا تعریف کی ہے۔ اس دور کے جملہ اہل قلم آپ کی قابلیت کے معترف تھے اور آپ کی مجلس میں بیٹھنا باعث فخر سمجھتے تھے۔

آپ نے سند حدیث حضرت شاہ عبد القادر دہلوی سے حاصل کی۔ حضرت شاہ عبد العزیز کے سامنے بھی زانوے ادب تہ کیا۔ اپنے عربی اشعار انھیں کو دکھاتے تھے۔ شاہ غوث علی قلندر کا بیان ہے کہ علامہ فضل حق نے اوائل عمر میں عرب کے مشہور شاعر امرأ القیس کے ایک ۔۔۔ قصیدے کی طرز پر عربی میں ایک قصیدہ لکھا۔ حضرت شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں علامہ نے اپنے

شعر کے حق میں متقدمین کے بیس اشعار پڑھ دیئے۔ان کے والد مرحوم بھی اسوقت وہاں موجود تھے۔ وہ فرمانے لگے "بس ادب چاہیئے"۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا "برخوردار تم سچ کہتے ہو مجھے سہو ہوا۔

روایت ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنی مشہور کتاب "تحفہ اثنا عشری" تحریر فرمائی تو ایران سے ایک متبحر عالم و مجتہد اونٹوں پر کتب فریقین لاد کر شاہ صاحب سے مناظرے کے لئے دہلی پہنچے۔شاہ صاحب نے فرائض میزبانی عطا فرمائے قیام کے لئے مناسب جگہ تجویز کر کے رخت سفر کھلوایا۔شام کو علامہ فضل حق جو ابھی صغر سن تھے۔مجتہد صاحب کی خدمت میں پہنچے باتوں باتوں میں ایک مشہور کتاب افق المبین پر بحث چل نکلی علامہ نے ایسی مدلل تقریر کی کہ مجتہد صاحب کو جان چھڑانا مشکل ہو گیا۔جب انھیں معلوم ہوا کہ صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد ہیں تو وہ بغیر مباحثہ کئے راتوں رات دہلی سے واپس چل دیئے کہ جب خانقاہ کے بچوں کے علم و فضل کا یہ عالم ہے تو خود شیخ خانقاہ کا کتنا بلند مرتبہ ہوگا۔شاہ صاحب کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے قابل شاگرد کو اس پر ڈانٹا اور نا خوشی کا اظہار کیا۔

علامہ نے آنکھ کھولی تو گردوپیش علم و فضل ، اور امارت و ریاست کو جلوہ گر دیکھا۔پڑھنے کے لئے جاتے تو ہاتھی پر سوار ہو کر جاتے والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ کی عمر اٹھائیس برس تھی اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔دلی میں انگریزوں کی طرف سے ریذیڈنٹ مقرر تھا۔آپ پہلے پہل اس کے محکمہ میں سررشتہ دار ہوئے۔یہاں سے استعفا دیکر والی جھجر کی ملازمت اختیار کرلی۔ولی عہد سلطنت مرزا ابوظفر بہادر نے رخصت کرتے وقت کہا کہ "لفظ وداع زبان پر لانا دشوار ہے"۔ایک عرصہ تک جھجر رہنے کے بعد مہاراجہ الور نے بلا لیا۔دو سال وہاں رہے۔پھر وہاں سے رام پور چلے گئے جہاں کے نواب نے ان سے تلمذ اختیار کیا آٹھ برس کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں صدر الصدور مقرر ہوئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا اور بعد میں اسی جرم کی بنا پر انگریزوں نے عمر قید کی سزا دی اور جزائر انڈمان بھیج دیا۔آخری ایام وہاں بطور قیدی نہایت تنگی اور عسرت میں گزرے۔آپ کے صاحبزادے نے انگلستان تک مقدمہ لڑا جب رہائی کا پروانہ لے کر انڈمان پہنچے تو سامنے سے جنازہ آتا ملا۔

علامہ مرحوم نے انڈمان سے ایک کتاب "باغی ہندوستان" اور دو قصیدے کسی نہ کسی

طرح کوئلے وغیرہ سے لکھ کر بھجوائے۔عقیدت مندوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی قلمی نقلیں اپنے پاس رکھیں۔یہ تینوں چیزیں عربی زبان میں ہیں۔آپ نے اس کتاب میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے حالات اور اسباب بیان کئے ہیں۔ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی سیاسی نظر کس قدر گہری تھی اور آپ کا حریت پسندوں کے ساتھ کس قدر تعلق تھا۔کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں۔

"میری یہ کتاب ایک دل شکستہ، نقصان رسیدہ، حسرت کشیدہ اور مصیبت زدہ انسان کی کتاب ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جسے قید کرکے ہر ممکن مصیبت پہنچائی گئی۔
اس کا قصور صرف ایمان اور اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔
یہ سب کچھ اس۔ ۔ ۔ حادثہ، فاجعہ (انقلاب ۱۸۵۷ء) کی وجہ سے ہوا ہے۔
۔ ۔ ۔ ۔ جس سے غموں کے بادلوں سے کڑکتی ہوئی بجلیاں مصیبت زدگانِ وطن پر گریں اور ان پر۔ ۔ ۔ ۔ محتاجی و ناداری مسلط کردی گئی۔"

"یہ داستانِ الم اس طرح ہے کہ (برطانوی) نصاریٰ نے تمام باشندگان ہند کو نصرانی بنانے کی اسکیم بنائی (تاکہ) سب انہی کی طرح ملحد و بے دین ہوکر ایک ملت پر جمع ہوجائیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اس کے بعد علامہ نے برطانوی حکومت کی معاشی پالیسی کو جس طرح سے بے نقاب کیا ہے اس سے ان کی بلند نظری اور دقیقہ رسی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

(انگریزوں نے) دوسری ترکیب یہ سوچی یہاں کے مختلف طبقوں پر اس طرح قابو حاصل کیا جائے کہ غلہ کی ساری پیداوار نقد دام ادا کرکے لے لی جائے۔ کسی کو غلہ کی پیداوار کی خرید و فروخت کا کوئی حق نہ چھوڑا جائے اس طرح بھاؤ کے گھٹ جانے بڑھ جانے اور منڈیوں تک اجناس پہنچانے یا نہ پہنچانے کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھیں۔ تاکہ خدا کی مخلوق مجبور و معذور ہوکر ان کے قدموں میں آگرے اور خوراک نہ ملنے پر ان کے ہر حکم کی تعمیل اور ہر مقصد کی تکمیل کرے۔"

ابو ظفر بہادر شاہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"سچ پوچھیے تو وہ آمر و حاکم ہونے کی بجائے اپنی شریک حیات (زینت محل) اور وزیر (حکیم احسن اللہ) کا کارپرداز اور ان کی محبت میں مگن تھا
۔ ۔ ۔ بادشاہ ضعیف الرائے تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرسکتا تھا نہ اچھا برا سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔"

"اس نے اپنی عاقبت نااندیش، سفیہ، خائن اور بزدل اولاد کو امیر لشکر بنادیا (مرزا مغل اور خضر سلطان وغیرہما کی طرف اشارہ ہے) یہ لوگ دیانت دار عقلمندوں سے متنفر تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انھوں نے بازاری لوگوں کو اپنا ہمنشین و ہم جلیس بنالیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ لوگوں سے لشکروں کے ساز و سامان کے بہانے مال جمع کرتے۔ اور اس میں سے ایک پیسہ بھی کسی لشکری پر خرچ

نہ کرتے . . . . اُنہیں زنانِ فاحشہ نے لشکروں کے ساتھ سفر کرنے سے روک
دیا . . . . وہ رات سو کر اور دن بدمست ہو کر گزارتے اور جب بیدار و ہشیار
ہوتے تو غافل و حیران پھرتے ۔

" نصاریٰ جب لڑتے لڑتے تھک گئے تو ہندوؤں سے مدد اور
معاونت کے طالب ہوئے ۔ ہندوؤں نے کثیر لشکر اور ساز و سامانِ حرب
سے تھوڑی سی مدت میں ان کی پے در پے مدد کی ۔ تب نصاریٰ نے سخت
لڑائی ٹھان دی ۔

چار مہینے تک متواتر جنگ ہوتی رہی ۔ مگر دشمن کثیر لاؤ لشکر اور
ساز و سامان کے باوجود شہر میں داخل نہ ہو سکا . . . . آخر مجاہدین کی ایک
مختصر سی جماعت رہ گئی ۔ جو بھوک پیاس برداشت کر کے رات گزارتی اور صبح
ہوتے ہی مقابلہ پر ڈٹ جاتی . . . بدقسمتی سے ایک شب محاذ پر بزدل اور
کسل مند جماعت مقرر کر دی گئی جو ہتھیار اتار کر آرام کی نیند سو گئی ۔ دشمن نے
موقع غنیمت سمجھ کر شب خوں مارا اور ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کر کے انھیں موت
کی نیند سلا دیا ۔

جب نصاریٰ نے اس محاذ پر قبضہ کر لیا تو بہت سی توپیں اور منجنیقیں شہر
کے قریب نصب کر دیں اور دن رات گولیوں کا مینہہ برسانا شروع کر دیا ۔ جس
سے شہر پناہ کا پھاٹک گر پڑا اور امیدوں کے رشتے ہاتھ سے چھوٹ گئے . . .
. . . . اب بنیوں اور دوسرے ہندوؤں نے جو نصاریٰ کے دوست
تھے اپنا غلہ چھپا لیا اور باہر سے آنے والے غلہ کی آمد روک دی گئی ۔ نتیجہ
یہ ہوا کہ لشکری اور شہری بھوک سے پریشان ہو کر شہر سے بھاگ گئے اور دشمن
نے شہر پناہ قلعہ ، بازار اور مکانوں پر قبضہ جما لیا "

اس کے بعد لکھنؤ کی جنگ کا حال بیان کیا ہے جو واجد علی شاہ کی بیگم حضرت محل نے انگریزوں
کے خلاف لڑی تھی ۔ وہاں کے سب اعیان سلطنت کو نا اہل ، سست ، بزدل ، احمق ، خائن ٹھہرایا
ہے ۔ ان میں سے اکثر ذلیل اور بعض بندگانِ زر تھے ۔ وزیر ممو خاں اور راجا بلد یو سنگھ کی غداری کا
بھی ذکر ہے ۔

انگریزوں کی فتح کے بعد ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے جو عام معافی کا اعلان کیا گیا تھا اس کا یوں
ذکر ہے :-

"میں غربت واضطراب کی زندگی گزار رہا تھا کہ امن وامان کا پروانہ نظر پڑا مجھے بالکل خیال نہ رہا کہ بے ایمان کے عہد وپیمان پر بھروسہ اور بے دین کی قسم پر اعتماد کسی حالت میں درست نہیں ہے خصوصاً جب وہ جزا وسزائے آخرت کا قائل بھی نہ ہو۔ . . . انھوں نے عہد وپیمان توڑ کر ہزاروں بندگان خدا کو پھانسی قتل، جلاوطنی اور قید وحبس میں ڈال دیا۔

جزائرانڈیمان کے حالات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"ترش رو دشمن نے مجھے دریائے شور کے کنارے ناموافق آب وہوا والے پہاڑ پر پہنچا دیا جہاں سورج ہمیشہ سر پر رہتا ہے اس کی نسیم صبح گرم وتیز ہوا سے زیادہ سخت ہے۔ اس کی غذا حنظل سے زیادہ کڑوی ہے۔ اس کا پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں ہے۔ اس کا آسمان غموں کی بارش کرنے والا ہے اس کی زمین آبلے دار ہے۔ اس کی ہوا ذلت وخواری کی وجہ سے ٹیڑھی چلنے والی ہے۔"

آخر میں لکھتے ہیں:۔

"ظاہر اسباب پر نظر کر کے اپنی نجات سے مایوس ہوں اور اپنی امیدوں کو منقطع پاتا ہوں۔ لیکن اپنے رب عزیز ورحیم اور رؤف وکریم کی رحمت سے ناامید نہیں۔ وہی جابر فرعونوں سے عاجز وکمزوروں کو نجات دلاتا ہے وہی زخمی مظلوموں کے زخموں کو اپنے رحم وکرم کے مرہم سے بھرتا ہے وہ

ہر سرکش کے لئے جبار وقہار، ہر ٹوٹے ہوئے دل کا جوڑنے والا ہر بیمار ومحتاج کو مشکل سے نجات دینے والا اور ہر دشوار م کو آسان بنانے والا ہے۔

میں بھی مظلوم ودل شکستہ ومضطر ومسکین وذلیل ومحتاج ہو کر اسی خدائے برتر کو پکارتا ہوں۔ اور اس کے حبیب پاک کو وسیلہ بنا کر اسکی رحمت کا امیدوار ہو کر اس کی بارگاہ میں بصد تفرع التجا کرتا ہوں . . . وہی مجھے تکلیف سے نجات دے گا وہی قلق واضطراب سے آزاد کرے گا۔ وہی امراض سے شفا بخشے گا۔ وہی ظالم سے چھڑائے گا . . .

اے احکم الحاکمین! تو ہی ظالموں سے مظلوموں کا انتقام لینے والا ہے . . . . ."

علامہ نے برطانوی حکومت کی معاشی پالیسی کو جس طرح بے نقاب کیا ہے اس سے ان کی بلندی نظری کا پتہ چلتا ہے۔

از: محمد صادق قصوری

کتابیات

مولانا فضل حق خیر آبادی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کے ماخذ

مجاہد کبیر حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے میدان علم و عمل اور معرکہ حق و باطل جو خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ کا درخشاں باب ہیں۔ اگر ایک طرف انہوں نے بڑے بڑے نامور شاگرد پیدا کر کے برصغیر میں قال اللہ تعالیٰ و قال الرسول کی صدائیں بلند کیں تو دوسری طرف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شمشیر بکف مجاہد کا کردار ادا کر کے آزادی کی شمع جلائی اور جزائر انڈیمان میں اسیر رہ کر نہایت کسمپرسی کی حالت میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ یہ انہی کی قربانیوں کا فیض ہے کہ آج ہم پاکستان جیسی عظیم آزاد اسلامی مملکت کے مالک و وارث ہیں۔

جناب سید شہاب دہلوی نے اپنے ہفت روزہ "الہام" کا "مولانا فضل حق خیر آبادی نمبر" شائع کر کے بڑا مستحسن قدم اٹھایا ہے۔ راقم السطور بھی "کتابیات" ترتیب دے کر خصوصی نمبر میں شمولیت کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ "کتابیات" میں جن کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب کی سب میرے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ قارئین سے استدعا ہے کہ ان کے علم میں موضوع مذکور پر اگر کوئی مزید کتاب ہو تو براہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ "کتابیات" مکمل ہو جائے۔

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مؤلف	سن وجائے طباعت	صفحات
۱	امتیاز حق	راجا غلام محمد	لاہور ۱۹۷۹ء	۱۳۶ صفحات
۲	آزادی کے مجاہد	محمود الرحمٰن	کراچی ۱۹۷۴ء	ص ۳۱ تا ۴۵
۳	آزادی کی ان کہی کہانی	گل محمد فیضی بی اے	سرگودھا ۱۹۷۴ء	ص ۷۶ تا ۹۴ پر ذکر ہے
۴	انقلاب ۱۸۵۷ء	پی سی جوشی	دہلی ۱۹۷۲ء	ص ۱۰۰، ۱۱۱، ۱۷۸
۵	اکمل التاریخ جلد اوّل	مولانا ضیا القادری	بدایوں ۱۳۴۳ھ	ص ۸۸ تا ۹۰ پر ذکر ہے
۶	بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد	رئیس احمد جعفری	لاہور ۱۹۶۹ء	ص ۲۵۹ تا ۲۶۱
۷	باغی ہندوستان	عبد الشاہد خاں شیروانی	بجنور ۱۹۴۷ء	۴۷۶ صفحات
۸	بدایوں ۱۸۵۷ء میں	مولانا محمد سلیمان بدایونی	کراچی ۱۹۶۰ء	ص ۷۳ پر ذکر ہے
۹	غالب نامہ	شیخ محمد اکرام	لاہور فیروز سنز	ص ۱۷۰ پر ذکر ہے

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مؤلف	سن وجائے طباعت	صفحات
۱۰	غالب نام آورم	نادم ستیاپوری	لاہور ۱۹۷۰ء	متعدد صفحات پر ذکر ہے
۱۱	غالب عصر غالب	پروفیسر محمد ایوب قادری	کراچی ۱۹۸۲ء	ص ۱۴۳ تا ۱۴۴
۱۲	پاکستان انقلاب سے پہلے اور بعد	اشرف عطا، قیوم نظامی	لاہور ۱۹۶۸ء	ص ۲۸ تا ۳۰
۱۳	تذکرہ علمائے ہند	رحمٰن علی اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری)	کراچی ۱۹۶۱ء	ص ۳۸۲ تا ۳۸۴ پر ذکر ہے
۱۴	تذکرہ علمائے اہلسنت	مولانا محمود احمد قادری	بھوانی پور (انڈیا) ۱۳۹۱ھ	ص ۲۱۰ تا ۲۱۱ وص ۲۶۴ پر ذکر ہے۔
۱۵	تحقیق الفتویٰ	مولانا فضل حق خیرآبادی	بندیال شریف سرگودھا ۱۹۷۹ء	ص ۸ تا ۲۲ (مقدمہ)
۱۶	تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر رام بابو سکینہ	لاہور ۱۹۷۸ء	ص ۲۶۳ پر ذکر ہے
۱۷	تاریخ ہند و پاکستان	مولانا قاری احمد	کراچی ۱۹۷۴ء	ص ۱۴۰ تا ۱۴۱، ۲۵۱ ۳۱۷ پر ذکر ہے
۱۸	شام راج سے رام راج تک	رئیس احمد جعفری	لاہور، لاہور اکیڈمی	ص ۱۹۳ تا ۱۹۸ پر ذکر ہے
۱۹	حیات غالب	شیخ محمد اکرام	لاہور فیروز سنز	ص ۱۷۰ پر ذکر ہے
۲۰	حدائق الحنفیہ	مولانا فقیر محمد جہلمی	لاہور ۱۹۷۱ء	ص ۴۹۷ پر ذکر ہے
۲۱	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	پروفیسر محمد ایوب قادری	کراچی ۱۹۷۶ء	ص ۷۴ تا ۴۴ پر ذکر ہے
۲۲	حیات ظفر	مفتی انتظام اللہ شہابی	کراچی ۱۹۵۷ء	متعدد صفحات پر ذکر ہے
۲۳	حیات علامہ فضل حق خیرآبادی	مفتی انتظام اللہ شہابی	لکھنؤ ۱۹۶۶ء	صفحات ۶۴
۲۴	خون کے آنسو	علامہ مشتاق احمد نظامی	لاہور مکتبہ نبویہ	ص ۷۴ تا ۶۸ پر ذکر ہے
۲۵	علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم	مولوی محمد میاں	لاہور ۱۹۷۷ء	ص ۲۴۴ تا ۲۵۴ پر ذکر ہے۔
۲۶	دیوبندی مذہب	مولانا غلام مہر علی چشتی گولڑوی	چشتیاں ۱۹۵۶ء	ص ۲۹۳ تا ۳۲۰ پر ذکر ہے

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مؤلف	سن وجائے طباعت	صفحات
۲۷	مسلمانوں کی جدوجہد آزادی	ڈاکٹر معین الرحمٰن عقیل	لاہور ۱۹۸۲ء	ص ۴۴ پر ذکر ہے
۲۸	کاروان گم گشتہ	رئیس احمد جعفری	کراچی ۱۹۷۱ء	ص ۸۰ پر ذکر ہے
۲۹	مطالعہ پاکستان	پروفیسر محمد بشیر احمد	لاہور ۱۹۸۱ء	ص ۲۳ تا ۲۴ پر ذکر ہے
۳۰	مقالات سعیدی	مولانا غلام رسول سعیدی	لاہور ۱۹۸۲ء	ص ۵۶۸ تا ۵۷۲
۳۱	علم وعمل (وقائع خانی خاں) جلد اوّل	مولوی معین الدین افضل گڑھی	کراچی ۱۹۷۰ء	ص ۵۵ تا ۲۵۶، ص ۳۵۲ پر ذکر ہے
۳۲	علم وعمل (وقائع خانی خاں) جلد دوم	مولوی معین الدین افضل گڑھی	کراچی ۱۹۶۱ء	ضمیمہ ص ۳۰ تا ۳۱ پر ذکر ہے
۳۳	مقالات سرسید جلد شانزدوم	محمد اسمٰعیل پانی پتی	لاہور ۱۹۶۵ء	ص ۳۲۷ تا ۳۴۶ پر ذکر ہے
۳۴	نقش حیات	مولانا حسین احمد مدنی دیوبندی	لاہور ۱۹۷۵ء	ص ۵۱ تا ۵۵ پر ذکر ہے
۳۵	مفتی صدرالدین آزردہ	عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی	دہلی ۱۹۷۷ء	ص ۷ تا ۱۰ پر ذکر ہے
۳۶	۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ	خلیق احمد نظامی	دہلی ۱۹۷۱ء	متعدد صفحات پر ذکر ہے
۳۷	۱۸۵۷ء	غلام رسول مہر	لاہور ۱۹۷۱ء	ص ۱۶۰، ۳۵۲
۳۸	۱۸۵۷ء کے مجاہد	غلام رسول مہر	لاہور ۱۹۷۱ء	ص ۲۰۰ تا ۲۱۲
۳۹	غالب اور سن ستاون	ڈاکٹر سید معین الرحمٰن	لاہور ۱۹۷۴ء	ص ۱۶۲ پر ذکر ہے
۴۰	فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون	حکیم محمود احمد برکاتی	کراچی ۱۹۷۵ء	صفحات ۱۲۸
۴۱	نواب خان بہادر خاں	سید مصطفٰے علی بریلوی	کراچی ۱۹۶۶ء	ص ۷ تا ۱۴ پر ذکر ہے
۴۲	۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء	امداد صابری	دہلی ۱۹۵۹ء	ص ۲۶۸ پر ذکر ہے
۴۳	مولانا فیض احمد بدایونی	پروفیسر محمد ایوب قادری	کراچی ۱۹۵۷ء	ص ۲۱، ۲۲ پر ذکر ہے
۴۴	مشاہیر جنگ آزادی	مفتی انتظام اللہ شہابی	کراچی ۱۹۵۷ء	ص ۷۷ تا ۹۱ پر ذکر ہے
۴۵	غدر کے چند علماء	مفتی انتظام اللہ شہابی	دہلی دینی بکڈپو	ص ۳۱، ۴۰

(باقی برصفحہ ۲۱۲)

قصیدہ علامہ خیرآبادی رح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لجوی لہ بجوانحی ایراء　　جمد الدموع وذابت الاحشاء

سوزِ دل سے میرے پہلو کی ہڈیوں میں آگ بھڑک رہی ہے، آنسو خشک اور اندرونی اعضاء پگھل گئے ہیں۔

ولِمَا اَلَمَّ من النوائب والنوی　　یبکی الصدیق ویشمت الاعداء

مجھ پر نازل شدہ مصیبتوں اور میری اہل و وطن سے دوری پر دوست روتے اور دشمن خوش ہوتے ہیں۔

قد کنت فی عزّ وجاہ کان فی　　اعیان اعیان بہ اقذاء

میں عزت و عظمت کی زندگی بسر کر رہا تھا، جو شرفاء و عظماء کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی۔

اسی الصدیق علی آسای وحازھن　　حوری وفی آسوی أساء اِساء

میرے درد و غم اور تباہی و ہلاکت پر دوست غمگین و حیران ہیں اور چارہ گروں نے تیمارداری میں بُرا طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے۔

شمت العِدی اذحال حالی واعتری　　ماشاء بی المشاء و الوشاء

میرے اس تغیرِ حال، چغلخوروں کی خبر رسانی اور مخبروں کی ریشہ دوانی پر دشمن خوشیاں منا رہے ہیں۔

الم الترّبنا وھمٌّ ھمّنا　　ونویٰ لنا منھا بلیٰ وبلاء

رنج نازل، اور غم ہم پر طاری ہو گیا، اور ہماری دوری میں کھنگی و سختی ہے۔

حلت عظام مصائب جلت بھا　　وھن العِظام ودقّت الاعضاء

بڑی بڑی مصیبتوں نے گھیر لیا جن کی وجہ سے ہڈیاں کمزور اور اعضاء ریزہ ریزہ ہو گئے۔

انّی بلانی خدعۃ امرأۃٍ بلیٰ　　کیدٌ عظیمٌ ما تکید نساء

مجھے ایک عورت کے مکر نے مبتلائے مصائب کر دیا، عورتوں کا مکر بڑا ہی زبردست مکر ہے۔

یخلبن خلقا بالمواثق ثم لا　　لعھودھن وعھدھن وفاء

یہ عہد و پیمان کر کے مخلوق کو فریفتہ بنا لیتی ہیں، پھر ان کے عہد و میثاق کو وفا و قرار نہیں ہے۔

فدعت بان قد شھّرت ان امنت　　قوما نبت بھم الدیار و نادوا

اس نے یہ کہہ کر شہرت دی کہ جو لوگ گھر سے دور پڑے ہیں انہیں امن دیدیا گیا۔

سلہ ملکہ نور

اذغرّهم میثاقها رجعوا الیٰ　　اوطانهم مستبشرین وفاءوا

ایسے لوگ اس کے اعلانِ امان سے دھوکے میں آکر اپنے گھروں کو خوش خوش واپس ہو گئے

فاتیتُ داری اَتبا اذغرنی　　ایمان کافرۃ لہا استیلاء

میں بھی کافرہ متسلطہ کے اعلانِ امان سے فریب کھا کر مکان پہنچ گیا۔

ثم اعتدی عمّا لہا اذمارعوا　　میثاقہا فاتانی استدعاء

پھر تو حکامِ سلطنت نے اس کے عہد و میثاق کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سختی شروع کی اور میری بھی طلبی ہوئی

منہم ،فعنّونی ، فعنونی کان　　لم یُنوَفیما عاھدت ایفاء

انہوں نے مجھے روک لیا اور خوب اذیتیں پہنچائیں. گویا کہ اس عہد ملکہ میں ایفاء عہد کی نیت بھی نہ کی گئی تھی

لمّا عنوت وما عنوت لھم ربت　　من ظلمھم بی محنۃ وعناء

جب میں قیدی بنکر بھی انکا اطاعت گذار نہ بنا تو ان کی طرف سے رنج و تکلیف میں اور بھی زیادتی کر دی گئی

اذکنتُ فی عیش رغید رابغ　　ھجم الکروب وفلجنت ارزاء

میں خوشگوار عیش وعشرت میں تھا ، پھر غموں کا ہجوم اور مصائب کا ناگہانی ورود ہوا.

شحن الحقودُ صدورھم حتی بدت　　بالضّغن من افواھھم بغضاء

ان کے سینوں کو کینوں نے بھر دیا ۔ ان کی زبانوں پر بھی لبغض کی وجہ سے دشمنی ظاہر ہونے لگی.

قد ضیقوا عیشی علیّ فعفت　　ونسیت عیشا کان فیہ رخاء

انہوں نے مجھ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا . میں اس زندگی سے دل برداشتہ ہو گیا

اور اس پُرمسرت زمانہ کو بھول گیا جس میں آسانی تھی.

یومی ولیلی فی اشتداد حرارۃ　　ودُجی ھما البلحور والداداء

میرے رات دن سخت گرمی اور اندھیرے میں گذرتے ہیں گویا کہ سخت موسم گرما کے دن اور آخر ماہ کی اندھیری راتیں ہیں

فاللیل ساج مالہ صبح ولا　　للیوم عوضُ عشیۃ ومساء

رات تو دوامی شکل اختیار کر چکی ہے جس کی صبح نہیں ہے اور نہ دن کے لئے شام اور رات بھی ہے.

حجروا علیّ واسکنونی حجرۃ　　لم یأتھا غیر السّموم ھواء

مجھے سب طرف سے روک کر ایک کوٹھری میں ٹھیرا دیا جس میں زہریلی ہوا کے سوا اور کسی قسم کی ہوا نہ پہنچ سکتی تھی

یا ویلہا من حجرۃ جُدرانہا　　تشوی الشوی و ترابہا رمضاء

کیسی مصیبت تھی۔ اس کوٹھڑی کی دیواریں انسانی اعضار کو بھونتی تھیں اور اس کی مٹی تپتی ہوئی زمین تھی

یا ویل سجن لا مبال بساحہ　　وکنیفہ ما فیہ قط خلاء

کیسا پریشان کن قید خانہ تھا، نہ تو اس کے میدان میں پیشاب خانہ تھا، نہ اس کے پاخانہ میں آبدست خانہ تھا

منعوا اشد المنع ان یلقانی الأ　　حباب والاخوان و الابناء

انہوں نے سختی کے ساتھ دوستوں، بھائیوں اور بیٹوں کو مجھ سے ملنے سے روکدیا۔

وسُلبت اثوابی وبعد تجردی　　لِلُبس اُعطِی میزر وکساء

میرے کپڑے چھین کر مجھے تہ بند اور کملی پہننے کے لئے دے دی گئی۔

سلبوا الکِسیٰ لبسوا علی کساءھم　　مالی سوا ذاک الردی رداء

کپڑے اتار کر قیدیوں کی کملی پہنادی، میرے پاس اس خراب کملی کے سوا کوئی دوسری چادر نہ رہی

سلبوا الاوانی والنعال بظلمہم　　لم یبق عندی قصعۃ و اناء

میرے برتن اور جوتے بھی ظلماً چھین لئے، میرے استعمال کے لئے کوئی برتن اور پیالہ بھی باقی نہ چھوڑا

مالی حَفِیٌ فی حفای وکان لی　　من قبل لُبسی للکساء کساء

میرے ننگے پاؤں رہنے پر کوئی مہربانی سے پوچھنے والا بھی نظر نہ آیا حالانکہ اس کملی اوڑھنے سے قبل مجھے مجد و شرف حاصل تھا۔

کم من صفیٍ بی حفیٍ مُخلص　　فی الود منہ محوضۃ وصفاء

میرے بہت سے مہربان، مخلص اور صاف دل دوست جن کی محبت صدق و صفا پر مشتمل تھی،

صُدّوا فصدّوا عن ہا ورتی فلم　　یمکن مزاورۃ لہم ولقاء

انہیں روک دیا گیا، وہ میری ملاقات، بات چیت اور زیارت سے مجبوراً محروم رہے،

لو شاھدونی حافیا استرجعوا　　ولکان منہم فی حفائی حفاء

وہ مجھے ننگے پاؤں دیکھتے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے اور میری برہنہ پائی پر ان سے جھگڑا کر بیٹھتے۔

لم یترکوا فی السجن عندی خادما　　لیزید فی ایذائہم ایذاء

قید خانے میں میرے پاس کوئی خادم بھی ایذار رسانی کے ازدیاد کی وجہ سے نہ چھوڑا،

امسی واصبح مقلقامالی سوی — شوك القتاد او الوقاد وِطاء

صبح وشام بے چینی سے گذرتے ہیں، کانٹے اور چنگاریاں، بستر کے بجائے مقدر ہو چکی ہیں

یعدو علیّ سواد بیضان عدی — صہب الشوارب شر بہم صہباء

بہت سے سفید رنگ، شرابخورہ، و میگون مونچھوں والے دشمن مجھ پر ظلم و بیداد کرتے ہیں۔

سُود الکبود وجوہہم بیض لہم — فی الجلد لینٌ فی القلوب قساء

وہ سیاہ جگر، سفید فام، نرم جلد اور سخت قلب واقع ہوئے ہیں۔

نکد وقاح مالھم عار و لا — غار ولا حلم ولا استحیاء

وہ بدبخت و بے شرم ہیں، انہیں نہ ننگ و عار ہے نہ غیرت و حلم وحیا، ان کے پاس ہو کر گذری ہے

لُدٌّ غلاظ لیس فیہم رقۃ — وحمایۃ وحمیۃ واباء

بڑے جھگڑالو اور سخت دل ہیں، ان میں نرمی اور مادۂ حمایت وحمیت نام کو نہیں،

جمع المعائر کلھا فیہم ففی — الذکران بغی فی الاناث بغاء

سارے عیوب ان میں موجود ہیں، مردوں میں سرکشی اور عورتوں میں حرام کاری پائی جاتی ہے

بمذالھم وبغاءھن وبغیہم — کثر الفسوق وشاعت الفحشاء

ان سب کی بد معاشیاں، مردوں کی سرکشیاں، عورتوں کی حرام کاریاں، فسق و فجور کی اشاعت و کثرت کا سبب بنی ہوئی ہیں۔

لم یکتفوا ظلما بحبسی بل رہا — فوق احتباسی غربۃ وجلاء

ظلم وستم کے لئے میری قید ہی کافی نہ سمجھی بلکہ جلا وطنی اور غربت ومسافرت کی سزا بھی دی۔

اَسَروا واُسَروا نی الی جبل بہ — قد باد من اِسرائہم اُسراء

قید کر کے مجھے ایسے پہاڑ پر رات میں وہ لے گئے جہاں پہنچ کر قیدی ہلاک ہو چکے ہیں۔

جبل احاطت ابحرٌ بشعابہ — ماحولہ غیر الفناء فِناء

اس پہاڑ کی گھاٹیوں کو دریا گھیرے ہوئے ہیں، موت کے سوا اس کا کوئی صحن نہیں

مستوبل حاق الوبال لکل من — یاتیہ اذ عمت بہ الاوباء

یہاں کی آب وہوا ناموافق، اور آنے والے کے لئے وبال ہے، وبائیں ہر طرف عام ہیں۔

ذلّ الاعزّة فیہ واعتلوا وقد
عزّ الدواء وشاعت الادواء
یہاں شریف و عزیز، ذلیل و گریہ کناں ہیں، دوا ناپید اور بیماریاں بے شمار ہیں۔
عمّ العقاب عقابہ وفشا الوری
یُربی الدویٰ فیہا دویٰ، ودواء
اس کی گھاٹیوں میں عقوبت و ہلاکت عام ہے، اس میں دوا، دارو بھی
بیماری میں اضافہ کرتی ہے۔
ماساغ ماء فیہ للصادی ولم
یھنا الطاوِ فیہ قطّ غذاء
اس میں نہ تو پیاسے کے حلق سے پانی اترتا ہے اور نہ بھوکے کو غذا ہی بھلی معلوم ہوتی ہے۔
الاکل زنٌ ماھنا لحم ولا
بصل ولا بقل ولا قثاء
ماش کی دال غذا ہے، گوشت، پیاز، ترکاری، ککڑی، کچھ میسّر نہیں۔
ھو شط بحر ماھنا برّ ولا
مَبَرّ ولا بُرّ ولا حلواء
وہ دریا کا کنارہ ہے۔ جہاں میدان، مہربان، گیہوں اور شیرینی، کسی چیز کا پتہ نہیں،
قدمات احیاء من الاُسراء والباقون لاموتی ولا احیاء
بندیوں کے گروہ کے گروہ مر چکے، جو بچے ہوئے ہیں، وہ نہ مُردوں میں ہیں، نہ زندوں میں
ما فیہ للموتی صلوٰۃ جنازۃ
وثری ولا کفن لھم وغطاء
میت کی نماز جنازہ، قبر، کفن اور پوشش کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں،
مافیہ من عار علیٰ عارٍ ولا
للمعتری المعترّ فیہ حیاء
یہاں ننگے کے لئے کوئی عار اور طالب احسان محتاج کے لئے سوال کی حیا نہیں،
ھو مرّۃ سوداء من یثوی بھا
غلبت علیہ المرّۃ الصفراء
ایسی خراب جگہ ہے جہاں طاقتور انسان پر بھی رہنے کے بعد زرد پتوں کا غلبہ ہو جاتا ہے،
شقوا علیٰ اُسرائھم فاصابھم
بالاسر من ایذائھم ایذاء
بندیوں کو ایسی مشقت میں مبتلا کیا گیا کہ ان کی ایذاء ہلاکت کے درجہ تک پہنچ گئی۔
قد اوثقت من غلّھم وغلیلھم
اغلالھم فدھاھم الاعیاء
ان کے کینوں کی وجہ سے قیدیوں کی بیڑیاں مضبوط ہو گئیں اور تھکن نے دشواری میں ڈال دیا۔

اودت بہم محنٌ وباْس سامَہم　　احراسہم والبوٴس والباساء

بلاؤں اور سختیوں نے انہیں ہلاک کیا، اور جو کیداروں اور مصیبتوں نے رنج میں مبتلا کر دیا۔

وغلیلہم حزنا وغُلّتہم علی　　جوع وقلۃ غلۃ و غلاء

ان کی غم انگیز تشنگی اور بھوک پر پیاس، قلتِ غلّہ اور گرانی نے بھی مبتلائے مصیبت کر دیا۔

ولقد احلونی بمہلکۃٍ بہا　　لا الارض ارض لا السماء سماء

انہوں نے مجھے ایسے مہلکہ میں ڈال دیا جہاں زمین، زمین ہے، نہ آسمان، آسمان

فسمائہا الدنیا غمائم صوبہا　　سیل الغموم وارضہا حصباء

اس کا قریبی آسمان وہ بادل ہیں جن کی بارش غموں کا سیلاب ہے اور اس کی زمین سنگریزے ہیں۔

لا غیث فیہا انما من حرّہا　　من جوّہا یتصبب الرحضاء

اس میں بارش نہیں ہوتی۔ گرمی کی شدت سے فضاءِ آسمانی سے بخارات کا پسینہ گرنے لگتا ہے۔

غمّ السمٰوات الغمام فلا یری　　لیلا و یوما نیّر و ذُکاء

بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ رکھا ہے جس کی وجہ سے دن میں سورج اور رات کو چاند نظر نہیں آتا

فاللیل فیہا ظلمۃ فی ظلمۃ　　والیوم فیہا لیلۃ ظلماء

رات میں تو اندھیرے پر اندھیرا چھایا رہتا ہے اور دن اندھیری رات کی طرح ہے۔

ماکان فیہا قطّ یوم شامس　　ابدا ولم تک لیلۃ قمراء

اس میں سورج والا کبھی دن نہیں ہوتا ، اور نہ چاندنی والی راتیں ہوتی ہیں۔

افق بہیم ما استہل ہلالہ　　احد ولم یر شمسہا حرباء

اس کے سیاہ افق پر کسی نے چاند نکلتا نہیں دیکھا اور نہ گرگٹ ہی سورج دیکھ سکا۔

ظلماء قد غشیت ببحر مظلم　　لا لوٴلوٴ فیہا ولا لألاء

وہ خود تاریک ہے اور تاریک دریا سے گھرا ہوا ہے اس دریا میں نہ موتی ہے نہ روشنی،

لا فصل بین ربیعہا وخریفہا　　لا الصیف صیف لا الشتا شتاء

یہاں کی فصل بہار و خزاں میں کوئی فرق نہیں، یہاں نہ گرمی، گرمی ہے نہ جاڑا، جاڑا۔

تیھاء اتیھا یتیہ وللعدی   یزداد فیھا التیہ والخیلاء

یہاں آنے والا حیران و پریشان ہو جاتا ہے اور دشمنوں کا کبر و غرور اور بڑھ جاتا ہے۔

ھم فی غنی و قنی و مال اذ علوا   مالوا علی الاسری فھم فقراء

وہ تونگری، مسرت اور مال و دولت سے ہمکنار تھے، متکبر بن کر قیدیوں پر ظلم و ستم ڈھانے لگے تو فقیر بن گئے (گویا اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو گئے)

وطریقھا سفن تموج فکل من   رکبوا علیھا صدعوا وقاءوا

اس کا راستہ ہچکولے کھانے والی کشتیوں کے ذریعہ ہے جو بھی ان پر سوار ہوتا ہے درد سر یا متلی میں ضرور مبتلا ہوتا ہے

وتبل امواج تجوش ثیابھم   و وطائھم وتبلھم انداء

اس کی جوش مارتی ہوئی موجیں کپڑوں اور بستروں کو تر کرتی ہیں اور ان کی تری سے مسافر بھیگ جاتے ہیں

انئیت عن وطنی واھلی بغتۃً   ظلماً ولی ذُریۃ ضعفاء

مجھے ظلماً اہل و وطن سے اچانک دور کر دیا گیا۔ مجھے کمزور و نحیف ذریت کو بھی چھوڑنا پڑا۔

ھم اُخرجوا عن دارھم ظلما فما   سکن واسکان لھم و ثواء

ان کو زبردستی ان کے مکان سے نکال دیا گیا، ان کے لئے آرام و سکون کی کوئی جگہ نہیں چھوڑی

فتمسکنوا اذ ما لھم سکنی ولا   قوت ولا شیئ ولا اشیاء

وہ مسکین و فقیر بن گئے کیونکہ مکان، روزی اور کوئی چیز بھی ان کے لئے نہ رہی۔

وترکتھم غرثی جیاعا ما لھم   مال ولا مغنی لھم وغناء

میں نے انہیں حالتِ گرسنگی میں چھوڑا۔ نہ ان کے پاس مال و دولت ہے نہ مسکن و منفعت،

قد جانبتھم اقربون تجنبوا   کاجانب وجفاھم الاکفاء

ان سے اپنے بیگانے بن کر علیحدہ ہو گئے، اور برابر والوں نے ظلم و ستم اختیار کیا۔

الاسر اناٰی اسرتی واقاربی   ما من حمیم فیہ الا السماء

میرے خاندان اور اقارب کو قید و بند نے دور کر دیا اب یہاں پانی کے سوا کوئی دوست نہیں ہے

عمیت علی الابناء انبائی کما   عمیت علینا منھم الانباء

میرے بیٹوں سے میری خبریں ایسی ہی پوشیدہ ہیں، جیسی ان کی مجھ سے۔

ابکی لبُعد اقاربی واحبتی ۔ ولهم علیٰ فقدی اسی وبکاء

میں احباب واعزہ کی دوری پر روتا ہوں ، اور وہ میری جدائی پر

حق البکاء لهم علیٰ اذالردیٰ ۔ والعیش فی الحبس الردیٔ سواء

ان کا مجھ پر رونا ایک حد تک ٹھیک بھی ہے کیونکہ مرنا اور ذلیل قید میں زندگی گذارنا دونوں برابر ہیں۔

اُسکنتُ وحشا لایری فیہ سویٰ ۔ الوحشین العربان والغرباء

مجھے وحشیوں میں بسا دیا گیا۔ اس قید خانہ (جزیرے) میں دو قسم کے وحشیوں ننگوں اور اجنبیوں کے سوا کوئی نظر نہیں آتا

مستوبلا وخسا فما بطعامہ ۔ شبع ولا فی مائہ ارواء

اس کی آب و ہوا ناموافق اور وبائی ہے نہ تو اس کے کھانے میں شکم سیری ہے، نہ پانی میں سیرابی۔

فالماء ان مابہ ری کما ۔ اماکول زن مالہ استمراء

پانی گرم ہے جس میں سیرابی نہیں جس طرح کہ غذا ماش ہے جس میں مزا نہیں۔

مافیہ من عذب یسوغ ولابہا ۔ طعم یلذ ولاھناک فضاء

وہاں نہ شیریں پانی ہے، نہ لذیذ کھانا ، اور نہ وسیع میدان ہی سامنے ہے۔

زادت علیٰ کربی عوارض جثتی ۔ الفتق والقولنج والقوباء

میری مصیبت میں میرے بدن کے عارضوں قولنج ، فتق (فوتوں میں پانی اترنا) اور قوباء (داد) نے اضافہ کر دیا۔

وجدیی لعافیۃ عفت وعفت لی ۔ النکبات فیہ وریحہ نکباء

میرا غم والم مٹنے والی عافیت پر ہے اور اسمیں مصائب نے مجھے بھی مٹانے میں کسر نہیں رکھی اور اس کی ہوا ٹیڑھی ہے

کانت لفضل الحق فضل مثالۃ ۔ منہا علی الامثال لی استعلاء

فضل حق کے لئے رفعت و بلندی کا فضل تھا۔ اسی کی وجہ سے مجھے برابر والوں پر سربلندی تھی۔

ووجاھۃ بین الوجوہ وجاھۃ ۔ تعنو لہا الاعیان والرؤساء

شرفاء میں قدر و منزلت و وجاہت میسر تھی جن کے سامنے رؤسا و
اعیان ملک جھکتے تھے۔

وبراعۃ ورفاعۃ ورفاھۃ ۔ ونزاھۃ ونباھۃ وعلاء

کمال ، رفعت ، وسعت ، نزہت ، بزرگی ، برتری

وُجد وجَد مُسعد مع جنة　　　لم تبلها بلوىٰ ولا لأواء

تونگری، قلب، خوش بختی، نصیبہ وری، یہ سب نعمتیں حاصل تھیں جنہیں آزمائش و معصیبت بھی بوسیدہ نکر سکی ہے

و تمام عافية وعرض زاده　　　عرض يزيد وعزة قعساء

پوری عافیت، بڑھتے ہوئے سامان کی بنا، پر بڑھتی ہوئی آبرو اور پائدار عزت بھی نصیب تھی۔

كم نعمة زالت وكم من نعمة　　　حالت وحل الضُّر والضراء

بہت سی عیش کی زندگی متغیر اور کتنی نعمتیں زائل ہو گئیں، سختی اور بدحالی نازل ہو گئی۔

الله اقنانی علوما يقتنی　　　منها علوما جمة علماء

اللہ نے مجھے وہ علوم عطا کئے کہ ان میں سے بہت کچھ علماء نے حاصل کئے۔

حال النوى بيني وبين احبتي　　　حالا وحال الحال والنعماء

میرے اور میرے احباب کے درمیان جدائی حائل ہو گئی، حالت اور نعمت متغیر ہو گئی۔

هجم الشرور وفاجئت فتن بها　　　ذهب السرور وولت السراء

شرارتیں گھر آئیں اور فتنے اچانک چھا گئے، مسرت جاتی رہی اور شادمانی و راحت پھر گئی۔

قد سُلط الانصار في امصارنا　　　أن صار انصارا لهم سفهاء

نصرانی ہمارے شہروں پر مسلط کر دیئے گئے، بے وقوف ہندستانی ان کے مددگار بن گئے۔

لم يعلموا ان لا وفاء لهم ولا　　　ان لا لهم مندوحة ووقاء

وہ اسے نہ سمجھ سکے کہ نہ ان کے پاس وفاداری ہے نہ وسعت وحمایت

من قبل ولاهم عليها من لها　　　اذ صده عنها غنى وغناء

اس سے قبل ان پر ایسا شخص حکمران تھا جسے غناء و سرود اور مال و دولت نے خدمت اہل دیار سے روک دیا تھا

والان اذ نصر النصارى افرطوا　　　في الظلم فاخترم الضعاف جفاء

اب جب کہ نصاریٰ کی پورے طور پر مدد کی گئی تو وہ ظلم و ستم میں افراط سے کام لینے لگے۔ اور کمزوروں کو تو جور و جفا نے جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکا۔

اقوى ديار كن اهلة كما　　　اقوى الاولى اقووا وهم امراء

وہ دیار جو آباد تھا ویران ہو گیا جس طرح کہ امراء و رؤساء تباہ و برباد ہو گئے۔

فتفرقوا ایدی سبا و اذا رکت　　فرقا کثیرا اخذة وسباء

وہ قوم سبا کی طرح متفرق و منتشر ہو گئے۔ ان کے بہت سے گروہوں کو قید و بند نے آ دبایا۔

عال الغنی و ذل ذو عز کما　　هان الخطیر و صغر الکبراء

مالدار فقیر، عزیز و شریف ذلیل، عظیم و کریم خوار۔ اور بڑے چھوٹے بن گئے۔

قتلوا و غالوا جل من اخذوا هم　　مما ادعوا من جرمهم برءاء

جن کو پکڑ لیا ان کو قتل و ہلاک کیا حالانکہ جو جرم ان پر لگائے گئے تھے ان سے وہ بری تھے۔

غالوا برایاهم برایا غیلة　　فجرت کما انفجر العیون دماء

انہوں نے اپنی بری اور بے گناہ رعایا کو بری طرح ہلاک کیا۔ خون ایسا بہا جیسے چشمے ابل کر بہتے ہیں

کم خربوا بلدا ولم یذروا به　　بلدا فصار کانهم بیداء

بہت سے شہروں کو برباد و خراب کر کے ان کا نشان تک نہ چھوڑا۔ وہ جنگل اور میدان معلوم ہونے لگے۔

هدوا المساجد والقصور کانها　　لم تبن لم یک ثم قط بناء

مسجدوں اور محلوں کو منہدم کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس جگہ کوئی عمارت
ہی نہ تھی نہ وہاں کبھی کچھ بنا ہوا تھا

بخست بخستهم زروع الارض من　　شوم فلا ریع لها و نماء

ان کی نحوست و ذلت کی وجہ سے زمین کی پیداوار میں بھی کمی ہو گئی۔ اس میں کوئی نشو و نما باقی نہ رہا۔

قدروا علی الناس المعاش فقدهم　　ان لا غداء عندهم و عشاء

انہوں نے لوگوں پر زندگی تنگ کر دی۔ ان کے لئے رات اور دن کا کھانا بھی نہ رہا۔

فظهورهم ثقلت باوزار بما　　شحنت بطون صدورهم شحناء

ان کے سینوں میں بھرے ہوئے کینوں کے بوجھ سے ان کی پیٹھیں ثقیل ہو گئیں

افهل لعدوان تعدی حده　　حد وهل للمعتدین جزاء

کیا حد سے متجاوز سرکشی کی بھی کوئی حد ہے؟ اور کیا سرکشوں کی کوئی سزا بھی ہے؟

لم اقترف ذنبا سوی ان لیس لی　　مع هؤلاء مودة و ولاء

میں نے اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کیا کہ ان سے کسی قسم کی محبت و دلچسپی نہیں رکھی۔

فولائهم کفر بنص محکم ما فیہ للمرء المحق مراء

اور بات یہ ہے کہ نص محکم قرآنی سے ان کی محبت کفر ہے، حق پرست انسان کو اس میں شک نہیں ہو سکتا

کیف الولاء وھم اعادی من لہ خلق السما والارض والانشاء

ان سے محبت روا کیسے رکھی جا سکتی ہے جب کہ آسمان و زمین جس کی وجہ سے پیدا کئے گئے
اس ذاتِ گرامی کے یہ نصاریٰ دشمن ہیں

ھو اول النور السنی تبلّجت بضیائہ فی العالم الاضواء

وہ پہلا نور ہے جو دنیا میں چمکا، اور اسی کی روشنی سے سارا عالم منوّر ہوا۔

ھو اول الانبیاء آخرھم بہ ختم النبوۃ وابتدا الابداء

وہ اول و آخر پیغمبر ہیں، انھیں پر نبوت ختم ہوئی، اور انھیں سے اس کی ابتدا ہوئی تھی۔

بدء بہ اہدی المہیمن سرّہ فلاجلہ الایداء والابداء

وہ بہترین سردار ہیں، خدا نے اپنا بھید انھیں کے ذریعہ ظاہر کیا اور انھیں کی وجہ سے آفرینش و ہلاکت ہے

قد خصّہ الباری باوصاف علیً لم یعطھا الاحداث والقدماء

خدا نے انھیں ایسے بلند اوصاف کے ساتھ مختص کیا جو کسی جدید و قدیم کو نہ بخشے گئے۔

اعطاہ فضلاً لیس یمکن ان یکون لہ شریک فیہ او شرکاء

انہیں ایسا فضل و علوِ مرتبہ عطا کیا کہ اس میں کوئی بھی ان کا شریک و سہیم نہیں

اسماہ اذ اسماہ بالحسنیٰ فمن اسماء خالقہ لہ اسماء

ان کے اچھے اچھے نام رکھ کر رفیع الشان بنایا، خالق کے ناموں میں سے ان کے بہت سے نام ہیں

برّ رحیم مفضل ذو قوۃ ھادٍ رؤف محسن معطاء

نیکوکار، رحمدل، کثیر الفضل، صاحبِ قوت، ہادی، نرم خو، محسن، کثیر العطا، ان کے اوصاف و نام ہیں

قد ذادا مکۃ رفعۃً میلادہٗ وتشرفت بوجودہ البطحاء

ان کی پیدائش نے مکہ کی شان دوبالا کر دی، اور بطحا نے ان کے وجود سے شرف پایا۔

قد طاب طیبۃ اذ ثواھا واعتلت شرفاً یؤمّ ساحھا البعداء

انکے قیام سے طیبہ (مدینہ منورہ) پاک و بلند رتبہ ہوا، دور دور سے لوگ اس کی زیارت کا قصد کر کے آتے ہیں۔

بُشّر بشیر بشرت زُبُرٌ به　　من قبله انبا به الانباء

وہ خوشخبری سنانیوالے انسان ہیں، ان سے پہلے صحفِ آسمانی اور انبیاء کرام ان کی بشارت دیتے آئے

انبا ببعثته المسیح وقبله　　موسٰی کما انبا به شعیاء

ان کی بعثت کی عیسٰی علیہ السلام اور ان سے قبل موسٰے علیہ السلام نے بشارت دی جیسے کہ شعیاء (ابن امصیا) نے عیسٰی علیہ السلام کی بشارت دی تھی۔

جاءت بنات الملك ساحته کما　　انبا الزبور به وهن اماء

شہزادیاں ان کے دربار میں لونڈیاں بن کر حاضر ہوئیں، اسی طرح صحیفۂ آسمانی کی پیشینگوئی تھی۔

اومیٰ الی القمر المنیر فشقه　　وابانه شِقین ذا الایماء

چمکنے اور چمکانے والے چاند کو انہوں نے اشارہ سے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو جدا جدا کر دیا۔

والشمس اشفت للغروب فاوقفت　　لیکون منه للصلوٰة اداء

سورج غروب ہونیکے قریب پہنچ چکا تھا کہ ادائے نماز کیلئے ٹھیر گیا

حیّته احجار واشجار وکم　　نطقت له بفصاحة عجماء

پتھروں اور درختوں نے انہیں سلام کیا اور بہت سے چوپائے ان سے فصاحت کے ساتھ ہمکلام ہوئے۔

اروی بماء من اصابعه جری　　عطشی فانهلهم روی ورواء

انگلیوں سے پانی جاری کر کے انہوں نے پیاسوں کو سیراب و شاداب کیا۔

کم اشبع الغرثی الکثیر بیُمنه　　نزرٌ وکم نال المُقِل ثراء

ان کی برکت سے بہت بھوکوں کا تھوڑی سی غذا نے پیٹ بھر دیا، اور بہت نادار، مالدار بن گئے

قد حن جذع حین فارقه کما　　تبکی المتیّم فی النوی البرحاء

ان کی جدائی پر کھجور کا تنا اس عاشق کی طرح رویا جس کو محبوب سے دوری کی سوزِ تپش رلاتی ہے۔

اُمّان اُمّانٌ یعلم حکمة　　قد احکمت عن درکها الحکماء

وہ امین و معتمد ہیں، اُمّی ہو کر ایسی حکمت کی تعلیم دیتے ہیں جسکے سمجھنے سے حکماء و عقلاء بھی عاجز ہیں۔

حکم تلا ذکرا حکیما الحکمت　　ایاته فیها هدی وشفاء

وہ حاکم ہیں، ذکرِ حکیم کی تلاوت کرتے ہیں، اس کی آیتیں محکم ہیں، ان میں ہدایت و شفا ہے۔

ذکراحویٰ حِکمًا واحکاما بها — عقل العقول وعیّت العقلاء

وہ ذکر، حکمتوں اور حکموں پر مشتمل ہے جن سے عقلیں دنگ اور اہلِ عقل و دانش عاجز ہیں۔

بلغت بلاغته الکمال فافحم البلغاء منه واعجم الفصحاء

اس ذکرِ حکیم کی بلاغت کمال کو پہنچی ہوئی ہے اس نے بلیغوں کو ساکت اور فصیحوں کو گونگا بنا دیا ہے۔

جلی سواد شرائع منسوخة — بشریعة هی سمحة بیضاء

انہوں نے اپنی سہل و روشن شریعت کے ذریعے منسوخ شریعتوں کی سیاہی کو دور کر دیا۔

فظهور ملته محا مِلَلًا کما — تمحو الکواکب من ذکاء ذکاء

ان کی ملت کے ظہور نے تمام ملتوں کو اس طرح مٹا دیا جیسے تارے سورج کے چمکتے ہی محو ہو جاتے ہیں

یمحو ضیاء الشمس نور کواکب — ویطم فوق کواکب داماء

سورج کی روشنی ستاروں کی چمک مٹا دیتی ہے، اور سمندر دریاؤں پر غالب آجاتا ہے۔

فالله اظهر دینه وادامه — فله علی مر الابود بقاء

اللہ نے ان کے دین کو غالب و باقی رکھا اور مرورِ دُھور پر اسی کو بقا ہے۔

لاغروان جحد السفاه به ومن — فی قلبه داء العناد عیاء

اگر بے وقوف اور معاند دشمن ان کے ان کمالات کا انکار کرتے ہیں تو تعجب کی بات نہیں۔

ماضر عین الشمس ان جحدت به — عین الضریر ومقلة عمیاء

قرصِ خورشید کو اندھے کی آنکھ کی بے نوری ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

الله اوجب ان ینوه باسمه — فی حین یرفع للصلوٰة نداء

اذان میں ان کے نام کو بلند آواز کے ساتھ پکارنا، اللہ نے ضروری قرار دیا ہے۔

ان زاد آدم من بنوته علی — فکما اعتلی ببنیهم الآباء

اگر آدم کے مراتب اس فرزندِ سعید کی بدولت بلند ہو گئے تو تعجب کیوں ہے؟ بہت سے باپ بیٹوں کی وجہ سے بلند مرتبہ ہوئے ہیں۔

قد شاء رسل ان یکونوا اُمّة — وسطا فاعطی بعضهم ما شاؤا

بہت سے رسولوں نے امتِ وسط ہونا چاہا، ان میں سے بعض کی آرزو پوری کر دی گئی (جیسے کہ زمانۂ امام مہدی میں عیسیٰ علیہ السلام یہ شرف حاصل کریں گے)۔

ھو مفزع للناس اذ فزعوا اذا حشروا فلیس لھم سواہ رجاء

میدانِ حشر میں لوگوں کی سراسیمگی کے وقت وہ جائے پناہ ہیں ان کے سوا کسی سے امید نہیں ہو سکتی۔

یاتون آدم ملتجین وغیرہ مستشفعین فاحجم الشفعاء

وہ سب حضرتِ آدم اور دوسرے رُسل علیہم السلام کے پاس طلبگارِ شفاعت ہو کر پہنچیں گے مگر وہ سب خاموشی اختیار کر لیں گے۔

فاتوہ حین استیئسوا فیمیحھم میحابہ الانجاح والانجاء

ان سب سے مایوس ہو کر وہ سب۔ ان سخی داتا کی خدمت میں حاضر ہوں گے، یہ فلاح و نجات والی سخاوت سے کام لیں گے۔

طلب الانام رضاء من مطلوبہ ھو ان یکون لمصطفاہ رضاء

انہوں نے مخلوق کے لئے خالق کی وہ خوشنودی چاہی، جو اس کے برگزیدہ بندے کی رضا تھی۔

ورضاءہ ھو ان یکون یمیحہ للمؤمنین من العذاب نجاء

اور ان کی رضا اس کے سوا کچھ نہ تھی، کہ ایمان والوں کو عذاب سے نجات ملے۔

اولادہ غرّ اماجد سادۃٌ فوق الانام لھم سناً وسناء

ان کی اولاد شریف بزرگ اور سردار ہے، مخلوق پر انھیں رفعت و بلندی حاصل ہے، اور ان کی چمک دمک کے سامنے سب ماند ہیں

خُطر کبار سادۃ کرم ھم النبلاء والنجباء والنقباء

وہ عظیم و کریم اور نجیب و نقیب ہیں۔

فلھم مناقب لایحیط بوصفھا من واصفٍ مدحٌ ولا اطراء

ان کے اوصاف و مناقب کا احاطہ کسی مدح کرنے والے کی مبالغہ آمیز مدح بھی نہیں کر سکتی

افکیف یوصف جدّ خطر جدّھم خیر الانام وھم لہ اجزاء

ان بزرگوں کی فیروز بختی کی کیا تعریف ہو سکتی ہے جب کہ ان کے جدِّ امجد افضلِ خلقِ خدا ہیں اور وہ سب ان کے اجزاء ہیں۔

اصحابہ خمس اشداء علی الکفار فیما بینہم رحماء

ان کے صحابہ بڑے بہادر، آپس میں رحیم اور دشمن پر شدید ہیں۔

اثنی علیہم ربہم فی ایۃ   ما فوق ھٰذا للعباد ثناء

اللہ نے قرآن کی آیت میں ان کا وصف بیان کیا ہے۔ یہ وصف ایسا ہے

کہ اس سے بڑھکر انسانوں کی تعریف نہیں ہوسکتی

السابقون الاولون خیارھم   وخیارھم خلصاءہ الخلفاء

انہیں "السابقون الاولون" سے یاد کیا گیا ہے، یہ طبقہ صحابہ میں سب سے بہتر ہے اور

ان میں بھی سب سے اعلیٰ خلفاء راشدین ہیں

یارحمۃ للعلمین ارحم علیٰ   من لا لہ فی العالمین رثاء

اے رحمتِ عالم! اس شخص پر رحم کیجیے جس کے لئے زمانے میں کہیں رحم نہیں،

افدیک مُنّ علی اسیرٍ مالہ   راثٍ ولا منٌ لہ و فداء

میں آپ پر قربان! اس قیدی پر احسان فرمایئے جس پر نہ کوئی رحم کرنے والا ہے اور

نہ اس کے پاس فدیہ و احسان ہے۔

فاشفع لہ من دون ارجاء فقد   ضاقت علیہ الارض والارجاء

ناامیدی اور تاخیر کے بغیر اس کی شفاعت فرمایئے کیونکہ زمین اور اس کے وسیع و عریض

اطراف واکناف اس کے لئے تنگ ہوچکے ہیں۔

یا من اغاث بلطفہ جملا شکا   لطفا فلی شکوی نوی وشکاء

اے شاکی اونٹ کے فریادرس! مجھ پر بھی ویسی ہی مہربانی فرمایئے، مجھے بھی بیماری

اور مہجوری کی شکایت ہے۔

قد طال اشکاء الکروب فاشکنی   فاشفع لیرفع ذلک الاشکاء

مصائب کی رسّی زمانہ دراز سے دراز ہے انکو دور فرمایئے اور سفارش کیجیے تاکہ اس اذیت سے نجات ملے

لم یبق لی غیر امتیاحک لی لدی   الرب الرحیم المستماح رجاء

آپ کی سخاوت وعطا کے سوا، رب رحیم ومعطی کے سامنے مجھے کوئی امید نہیں۔

مِحنی ومحنی عنده وارحم علی   مِحَنی بسنحل لایرذ دعاء

مجھے نفع پہنچائیے اور خدا کی بارگاہ میں سفارش فرمائیے، میری مصیبتوں پر رحم فرمائیے کیونکہ آپ مستجاب الدعوات ہیں۔

یارب حقق لی رجائی ولایکن   لی فی النجاۃ من العدیٰ ارجاء

اے خدا میری امیدوں کو ثابت کر دکھا اور دشمنوں سے مجھے نجات دلانے میں تاخیر نہ فرما۔

قد قمتُ اُرجی القاعدین الی الوغی   وقعدتُ لمّا قامت الھیجاء

میں بیٹھنے والوں کو لڑائی میں برابر آگے بڑھاتا رہا اور لڑائی شروع ہو جانے پر خود بیٹھا رہا

اجرمت اذ احجمتُ من کسل فلم   اشھد اذا ما استشھد السعداء

میں اپنی سستی کی وجہ سے ایسے موقع پر باز رہا۔ یہ میں نے بڑا جرم کیا، جب نیک بخت حضرات نے مجھے شہادت کے لئے بلایا تو میں حاضر نہ ہوا، یا میں شہادت سے محروم رہا جب کہ سعادتمندوں نے جام شہادت نوش کیا۔

ربّ اعف عنی ما اقترفت واَعفِنی   فرجائی منک العفو والِاعفاء

اے آمرزگار! میرے قصور کو معاف کر، اور جو کچھ مجھ سے خطا سرزد ہوئی اس سے درگذر، تجھی سے عفو و درگذر کی امید ہے۔

ان جم اجرامی فعندک رحمۃ   ماحدھا حد ولا اِحصاء

اگر میرے جرموں کی فرد بڑی ہے تو تیرے پاس ایسی وسیع رحمت ہے جس کی حد و نہایت نہیں۔

فاغفر وعافِ وتُبْ علی سفنجنی   مما ابتلانی الخصم والمشّاء

مغفرت و عفو فرما، توبہ قبول کرتے ہوئے دشمنوں اور چغلخوروں کے ابتلاء سے مجھے نجات دے۔

ان کان ما اشکوہ مقضیاً فکم   بدعاء مظلوم یرد قضاء

میری مصیبتیں اگر میرے حق میں مقدر بھی ہو چکی ہوں، تب بھی مظلوم کی دعا سے ردِّ قضا ہو جایا کرتا ہے۔

لاتشقنی ابدا واسعدنی فلا   یَنتاب من بعد السعود شقاء

مجھے بدبختی میں نہ ڈال، نیک بخت بنا، پھر سعادت کے بعد شقاوت کی نوبت نہ آئے۔

واجب لمظلوم دعاک وضرہ　　فاضطرہ کفر عدوا واساءوا

جو مظلوم تجھے پکار رہا ہے اس کی سن لے اور اس کی مصیبت دور کر، کافروں نے ظلم و تعدی کا اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا ہے۔

قد ضقت ذرعا اذ تتابع منھم　　الارزاء والازدراء والاخزاء

ان کی طرف سے مصائب، اتہامات۔ اور رسوائیوں کے پے بہ پے حملوں نے مجھے ضعیف و ناتواں بنادیا ہے

انت الوکیل فلا تکل امری الی　　کید دھانی منھم الاشجاء

تو ہی میرا وکیل ہے، میرے معاملہ کو ایسے دشمنوں کے سپرد نہ کر جن کی ایذا رسانی نے مجھے مصیبت میں ڈالدیا ہے

رب اجزھم بالانتقام واخزھم　　لیکون لی بجزائھم اجزاء

اے خدا! ان سے انتقام لے اور انہیں رسوا کر، تاکہ ان کی سزا سے میرے مصائب کی کچھ تلافی ہو سکے۔

رب انتقم لی من عدائی واوِنی　　وانصر فمنک النصر والایواء

اے پروردگار! میرے دشمنوں سے انتقام لے اور مجھے پناہ دے، میری مدد کر، مدد و پناہ تیرے ہی پاس ہے

طال انتظاری للنجاح فلا یکن　　فیما رجوت من النجا ابطاء

کامیابی کا مجھے مدت سے انتظار ہے، اب میری امید نجات میں تاخیر نہ ہونی چاہئے۔

یا رب عجل ان یکون لما شجانی من شجونی فی الجلاء جلاء

اے پروردگار! عجلت فرما تاکہ جلاوطنی کی تکلیفوں سے رہائی و خلاصی نصیب ہو۔

ھب اننی لم اقترف شیئا من الحسنات بل افعالی الاسواء

مجھے اعتراف ہے کہ میں نے کوئی نیکی کا کام نہیں کیا بلکہ بد اعمالی ہی میں مبتلا رہا۔

لقد انقضی عمری سدی بملاعب　　فی اللھو الھانی بھا الاھواء

میری عمر لہو و لعب میں بے کار گذری، اور خواہشات نے مجھے نیکیوں سے غافل رکھا۔

لم اقترف عملا یثاب وانما　　قولی وفعلی سمعۃ و ریاء

کوئی ثواب کا کام نہ کر سکا۔ میرے قول و فعل میں ریا، و نمائش کو دخل رہا

لکن فضلک واسع یرجی بہ　　عن علتی وماثمی الابراء

لیکن تیرا فضل و کرم وسیع ہے۔ اسی سے اپنی بیماری اور گناہوں سے برارت کی امید ہے۔

فارحم علیّ فقد دهانی فتنة   لم تغن عنها فطنة و دھاء

مجھ پر رحم فرما، مجھے ایسی آزمائش سے سابقہ پڑا ہے کہ اس سے زیرکی اور اصابتِ رائے بھی نہ بچا سکی۔

عافیتنی ستین عاما لا تنی   تزداد لی من فضلک الآلاء

ساٹھ سال تک تو نے مجھے امن و عافیت میں رکھا۔ تیرے فضل سے اس مدت میں نعمتیں بڑھتی ہی رہیں

فاختل عافیتی وفاجأ خلة   فارحم فمنک الخیر والاعطاء

پھر اچانک میری عافیت مختل اور احتیاج مسلط ہو گئی، رحم فرما، خیر و عطا تیری ہی جانب سے مل سکتی ہے۔

ووسائلی ربی الیک محمد   والمرتضیٰ وابناه والزهراء

اے میرے رب تیرے دربار میں میرے وسیلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علی، حسن، حسین، اور فاطمہ زہرا ہیں

یا رب صل علیه ما صدحت علیٰ   الایک الوریق حمامة ورقاء

اے پروردگار! جب تک سرسبز و شاداب مرغزاروں میں کبوتروں اور سبز رنگ پرندوں کی آوازیں گونجتی رہیں، سرکار پر رحمتیں نازل فرما۔

حیاهم الرحمٰن ما احیی حیا   ارضا وسحت دیمة وطفاء

اور جب تک بارش اور مسلسل جھڑ زمین کو سیراب کرتے رہیں، اللہ کی برکتیں اور اس کی رحمتیں ان سب بزرگوں پر نازل ہوتی رہیں،

باقی صفحہ ۲۰۱ سے آگے

اپیلوں اور کوششوں کے باوجود جلا وطنی کا فیصلہ بحال رہا اور علامہ کو کلکتہ سے فائرکوئن نامی جہاز میں سوار کر کے انڈیمان بھیج دیا گیا۔ یہ جہاز ۸ راکتوبر ۱۸۵۹ء کو پورٹ بلیر پہنچا۔ یہاں آپ کو دردناک تکالیف اور ذلت آمیز برتاؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ عرصہ بعد سپرنٹنڈنٹ نے آپ کے علم و فضل اور کمالات سے متاثر ہو کر گورنمنٹ میں رہائی کی سفارش کی ادھر علامہ کے صاحبزادے مولوی شمس الحق اور خواجہ غلام غوث۔ میر منشی لیفٹیننٹ گورنر مغربی و شمالی صوبہ اودھ سرگرم سعی تھے۔ پروانۂ رہائی حاصل کر کے مولانا شمس الحق انڈیمان پہنچے تو شہر میں ایک جنازہ دیکھا جس کے ساتھ لوگوں کا جم غفیر تھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل ۱۲ر صفر ۱۲۷۸ بمطابق ۲۰ر اگست ۱۸۶۱ء کو علامہ فضل حق خیرآبادی کا انتقال ہو گیا ہے اب سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں یہ بھی بصد حسرت

شمس العلوم جامعہ رضویہ ٹرسٹ

شمس العلوم جامعہ رضویہ ٹرسٹ اہلسنت وجماعت کی معیاری دینی درسگاہ ہے جو کہ کراچی کے صاف ستھرے علاقے بلاک این نارتھ ناظم آباد میں عرصہ دس سال سے علوم عربیہ میں مصروف عمل ہے۔ بفضلہ تعالیٰ عمدہ رہائشی سہولتوں بہترین ماحول اور معیاری تعلیم کی وجہ سے روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔

۱۔ شعبہ تحفیظ القرآن ۲۔ شعبہ تجوید القرآن ۳۔ شعبہ فارسی ۴۔ شعبہ عربی ۵۔ شعبہ درس نظامی (درجہ ثانویہ عامہ مساوی میٹرک، درجہ ثانویہ خاصہ مساوی ایف اے، درجہ عالیہ مساوی بی اے) ۶۔ شعبہ دورہ حدیث شریف (الشہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ مساوی ایم اے)

طالب دعا: ابوالظفر حافظ غلام محمد السیالوی عفی عنہ ناظم اعلیٰ شمس العلوم جامعہ رضویہ ٹرسٹ بلاک این ناظم آباد کراچی

اہلسنت کی دینی درسگاہ

دارالعلوم مجددیہ نعیمیہ ماجد گوٹھ ملیر کالونی کراچی

عرصہ بیس سال سے علاقہ ملیر اور اس کے قرب وجوار میں مسلک اہلسنت والجماعت کی روشنی اہم دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس دارالعلوم میں پاکستان کے گوشہ گوشہ سے طلباء کرام حصول علم میں قابل اساتذہ کرام کی زیر نگرانی انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ مشغول ہیں۔ اس دارالعلوم میں درجہ الف۔ با سے داخلے کے بعد عالم دین بننے تک ہر باذوق طالب علم کو دین کے ساتھ ساتھ علم دنیا کی تعلیم ایم اے تک مکمل کرائی جاتی ہے۔ یہ ادارہ آج کل اپنے بانی حضرت مفتی محمد عبداللہ نعیمی شہید رح کے صاحبزادے غلام محمد نعیمی کی زیر نگرانی تعلیمی ترقی کے مراحل طے کر رہا ہے۔ مخیر حضرات اس دارالعلوم کے دار طلباء کی اعانت میں حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں۔

امام المتکلمین شہید جنگِ آزادی، قائدِ حریت یسطل عظیم

حضرت علامہ مولانا فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالےٰ

وہ نابغہ، روزگار شخصیت ہیں، جن کے کارہائے نمایاں ہر آنے

نسل کے لئے مشعلِ راہ ہیں

جماعت اہلسنت پاکستان کراچی

کے عہدیداران اراکین عاملہ و شوریٰ اور ذیلی علاقائی شاخوں کے عہدیداران و اراکین اپنے اس محسن اعظمؒ کو دل کی گہرائیوں سے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی جناب میں دست بدعا ہیں کہ حضرت علامہ قافلہ، سالار کی ایمان افروز زندگی کا جذبہ، دروں آینوالی نسلوں کو بھی عطا فرمائے۔ (آمین)

جماعت اہلسنت

اس موقعہ پر عوام اہلسنت کو دعوتِ فکر دیتی ہے۔ کہ وہ جماعت اہلسنت میں شامل ہوکر حضرت علامہ فضل حق خیر آبادیؒ کی روح کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے اُن کے پیغام کو عام کریں۔ حق و صداقت کی عظمت کی خاطر جبر و استبداد کی طاغوتی طاقتوں کے سامنے سرنگوں ہونے کی بجائے سینہ سپر ہو جائیں۔

: جاری کردہ :

شعبۂ نشر و اشاعت جماعت اہلسنت پاکستان کراچی۔ مرکزی دفتر

۷، ۲- محمد مینشن مارسٹن روڈ کراچی ۳۔ فون: ۲۲،۲۲،۲۲،

دینِ متین سے بے نیازی اور علومِ اسلامیہ سے دوری کے پُر آشوب دور میں

قمر الاسلام فریدیہ رضویہ (رجسٹرڈ) (ٹرسٹ)

ماری پور روڈ دریا آباد کراچی ۲۳ فون ۲۲۶۵۴۶ / ۲۲۱۸۰۹

احکامِ الٰہی اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے عامۃ الناس کو بہرہ ور کرنے کے لئے شب و روز مصروف عمل ہے۔ قابل اساتذہ درس نظامی فاضل عربی تجوید قرائت قرآن پاک۔ حفظ و ناظرہ کی تعلیم و تربیت کیلئے قمر العلوم فریدیہ رضویہ میں داخل کریں مخیر حضرات مالی تعاون فرماکر اس مقصد میں مزید وسعت کا باعث بنیں۔ زیر اہتمام :۔ سید محمد جمال الدین کاظمی

اشتہار:

دار العلوم قادریہ سبحانیہ کراچی۔ کا شمار پاکستان کے ان اداروں میں ہوتا ہے جو ایک علمی مشن اور تحریک کو لیکر دین و مذہب کے میدان میں غیر متزلزل طریقے پر گامزن ہیں بانی ادارہ شیخ الحدیث مفتی عبد السبحان القادری کی سرپرستی میں ادارہ نے اپنی مختصر مدت قیام کے عرصے میں علماء و فضلاء، خطباء، محققین و مدرسین و مصنفین و مبلغین کی ایک بیش جماعت تیار کی ہے۔

ادارہ ہذا میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ میٹرک M.A - F.A. B.A کی مکمل تیاری کرائی جاتی ہے۔ ۲۴ر مئی ۱۹۸۵ء بروز جمعہ الشاہ احمد نورانی نے طلباء کے لئے جدید طرز کے ہوسٹل کا افتتاح فرمایا۔ مخیر حضرات سے التماس ہے کہ ادارہ کے ساتھ عیدی۔ ماہانہ۔ فطرہ زکوٰۃ۔ چرم ہائے قربانی صدقہ وغیرہ سے امداد فرماکر ثواب دارین حاصل کریں اور تعمیر میں دامے درمے حصہ لے کر اپنے لئے صدقہ جاریہ بنائیں۔ المشتہر :۔ ملتمس آپ کا دینی بھائی

محمد عبد العلیم القادری ناظم اعلیٰ دار العلوم قادریہ سبحانیہ۔ کراچی،

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے
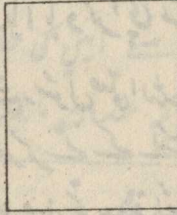
ازراہِ کرم اِن سطور پر توجہ دیجیے

مجدّدِ مسلکِ اہلِ سُنّت، خطیبِ پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نور اللہ مرقدہٗ، ستارۂ امتیاز، گزشتہ سال ۲۴ اپریل ۸۴ء کو ہم سے جُدا ہو گئے۔ اپنی ۵۵ سالہ مختصر طبعی عمر میں وہ شب و روز، ہمہ وقت لاکھوں کروڑوں لوگوں کو عشقِ رسولؐ سے گرماتے رہے۔ وہ ایک بے مثال خطیب تھے۔ ایک زبردست عالم، صاحبِ کرامت بزرگ۔ وطنِ عزیز کے علاوہ مصر و عرب، خلیجی ریاستوں، ہندوستان، بنگلادیش اور افریقہ تک وہ بے شمار مسلمانوں کے لیے ایک محبوب و محترم شخصیت تھے۔
صرف خطابت اور تبلیغ و تدریس ہی نہیں، مولانا محمد شفیعؒ اوکاڑوی نے سو سے زیادہ مساجد اور پچاس سے زائد دینی درس گاہیں قائم کیں۔ جماعتِ اہلِ سُنّت پاکستان، انجمن اہلِ سنّت و جماعت جنوبی افریقہ، انجمن محبانِ صحابہؓ و اہلِ بیتؓ پاکستان، گل زارِ حبیبؐ ٹرسٹ، تنظیم ائمہ و خطبا اہلِ سُنّت کے قیام اور کتنے ہی مذہبی، رفاہی، فلاحی ادارے، ۲۵ سے زیادہ علمی و تحقیقی تصانیف، مقالے، فتاوے، مضامین، سیکڑوں اہم موضوعات پر تقاریر اور نیک اولادیں اُن کی یادگاریں ہیں۔ قریباً تین ہزار افراد نے اُن کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا، لاکھوں افراد کے عقائد و اعمال کی اصلاح، ہزاروں مُریدین اور اٹھارہ ہزار اجتماعات سے خطاب اُن کی مثالی زندگی کا حاصل ہے۔ ساڑھے تین دہائیوں تک وہ مشرق سے مغرب تک لوگوں کے دلوں پر کلامِ حق نقش کرتے رہے۔
حضرت مولانا کا عظیم نصب العین جاری و ساری رکھنے کے لیے اہلِ دل نے مولانا اوکاڑوی اکادمی قائم کی ہے۔ اِس کا مقصد مولانا کے ادھورے کام تمام نا، انھیں آگے بڑھانا ہے۔ خطیبِ پاکستان کی عظیم الشان یادگار جامع مسجد گل زارِ حبیبؐ، جامعہ اسلامیہ گل زارِ حبیبؐ، مزارِ مبارک کی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے علاوہ خطیبِ پاکستان اسپتال، اسکول اور لائبریری کے قیام کے منصوبے پیشِ نظر ہیں۔ مولانا کی تصانیف اور تقاریر کی اشاعت بھی مولانا اوکاڑوی اکادمی کے پروگرام میں شامل ہے ہم نے اپنے طور پر اپنے محدود وسائل کے ساتھ بہت کچھ کیا ہے اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے۔ اہلِ خیر اس سلسلے میں ہم سے تعاون کریں تو ہماری رفتار اور تیز ہو جائے گی۔ اِن سطور کے ذریعے آپ سے یہی گزارش کرنی ہے۔ اِس ادارے سے تعاون آپ کا دینی و ملی فریضہ ہے اور بے شک یہ صدقۂ جاریہ اور کارِ ثواب ہے۔ ہمارے ہاتھ مضبوط کیجیے۔

مولانا اوکاڑوی اکادمی ۵۳ بی سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی ۳، پاکستان، فون ۴۳۵۲۴۳

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝